مقاصد شریعت

محمد نجات اللہ صدیقی

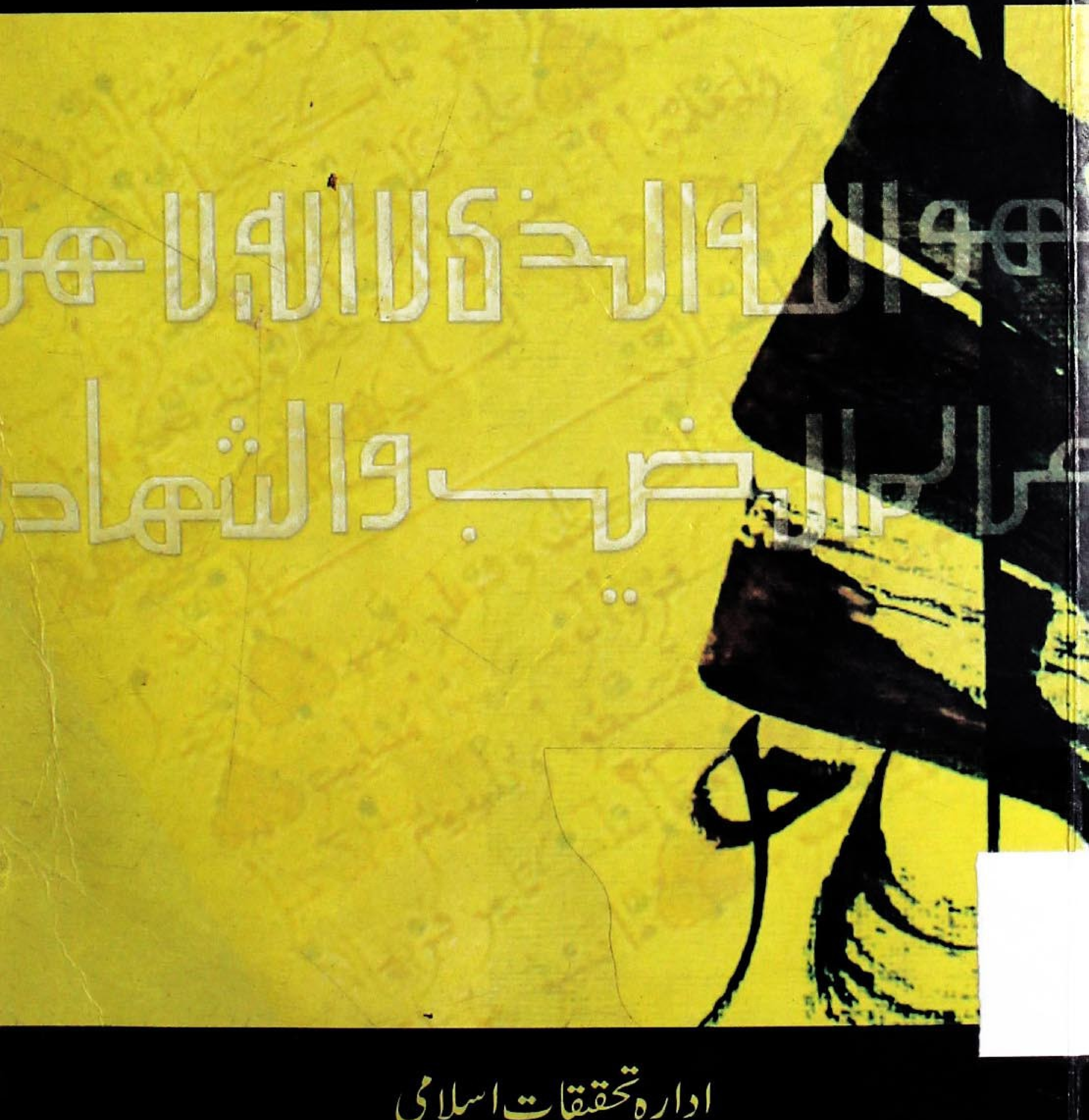

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

Marfat.com

Marfat.com

مقاصدِ شریعت

محمد نجات اللہ صدیقی

EARCH INSTITUT
RICE
3 300/

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی شکل میں شائع نہ کیا جائے،
البتہ تحقیقی مقاصد یا تبصرے کی غرض سے ضروری اقتباسات نقل کیے جاسکتے ہیں۔

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۴۴ (۲)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

کوائف فہرست سازی دوران طباعت

صدیقی، محمد نجات اللہ

مقاصدِ شریعت

(ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

کتابیات

اشاریہ۔ ص: ۱۰

۱- فقہ اسلامی ۲- اسلام

الف۔ عنوان

297.14dc21

اشاعت اوّل ۲۰۰۹ء

اشاعت دوم ۲۰۱۴ء

ISBN: 978-969-408-289-9

طابع و ناشر: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی-اسلام آباد

297-31
291 ن
۱۴۵۴۰۷

Marfat.com

ترتیب

تقدیم ... ک

پیش لفظ ... م

پہلا باب

مقاصدِ شریعت ایک عصری مطالعہ ... ۱

☆ موضوع کی اہمیت ... ۲

☆ تاریخی پس منظر ... ۳

☆ شاطبی کے اضافے ... ۷

☆ قواعد فقہیہ ... ۱۵

☆ شاہ ولی اللہ کے اضافے ... ۱۶

☆ مقاصد شریعت کی طرف حالیہ توجہ ... ۱۸

☆ مقاصد شریعت کی فہرست میں اضافے ... ۲۰

☆ انسانی عزوشرف ... ۲۲

☆ بنیادی آزادیاں ... ۲۳

☆ عدل وانصاف ... ۲۵

☆ ازالۂ غربت اور کفالت عامہ ... ۲۶

☆ سماجی مساوات اور دولت وآمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا ... ۲۸

Marfat.com

☆ امن وامان اور نظم ونسق ۲۹

☆ بین الاقوامی سطح پر باہمی تعامل اور تعاون ۳۰

☆ نئے اجتہاد میں مقاصد شریعت کا رول: تاریخی شواہد ۳۲

☆ نئے اجتہاد میں مقاصد شریعت کا رول: امکانات ۳۵

☆ غیر مسلم انسانیت سے تعامل ۳۶

☆ اسلامی سماج میں خواتین کے کردار کی بحالی ۳۹

☆ گلوبلائزیشن کے پیدا کردہ مواقع سے اسلام کے حق میں کام لینا ۴۱

☆ حواشی وحوالہ جات ۴۵

دوسرا باب

مقاصد شریعت اور معاصر اسلامی فکر: ۵۰

وقائع اور امکانات

☆ طریقۂ بحث کی تلاش ۵۰

☆ عالم اسلامی میں نئی فکری لہر ۵۱

☆ دستور سازی اور اسلامی قوانین کی تدوینِ جدید ۵۳

☆ علمی کانفرنسیں، بحث وتحقیق کے ادارے اور مجالس فقہیہ ۵۴

☆ معاصرِ اسلامی فکر اور مقاصد شریعت: عملی مثالیں ۵۸

☆ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت ۵۸

☆ عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا ۶۰

☆ صدقۂ فطر کی نقد شکل میں ادائیگی ۶۱

باب سوم

فصل اول

Marfat.com

☆ قطبین کے علاقوں میں نماز روزہ کے اوقات ۶۳
☆ طویل المیعاد ٹھیکوں میں ادائیگیاں ۶۷
☆ تورّق ۶۸
☆ طریقۂ بحث ۷۴
☆ تسعیر (اشیاء کی قیمتوں کی تعیین) کی مثال ۷۶
☆ ایک اہم سوال ۷۷
☆ حواشی وحوالہ جات ۷۸

تیسرا باب

مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل اور فطرت کا حصہ ۸۴
☆ مقاصد ۸۷
☆ قیام عدل ۸۸
☆ ازالۂ ظلم ۹۲
☆ ازالۂ فساد اور قیام امن وصلاح ۱۰۰
☆ کارِ نبوّت میں عقل وفطرت کا رول ۱۰۳
☆ پیش نظر مقصد کے لیے موزوں طریقہ ۱۰۴
☆ اذیت اور نقصان سے بچانے کی موزوں تدابیر ۱۰۵
☆ انفرادی حالات کی رعایت سے خصوصی تدابیر ۱۰۶
☆ حکیمانہ مشورے ۱۰۷
☆ عقل عامہ پر مبنی مشورہ کی ایک اور مثال ۱۰۸
☆ خلاصۂ کلام ۱۱۴
☆ حواشی وحوالہ جات ۱۱۵

Marfat.com

باب چہارم فصل اول

چوتھا باب

مقاصدِ شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف کا حل ۱۱۷

☆ حالات کے تجزیے میں اختلاف ۱۱۸

☆ ہدایات الٰہی کو سمجھنے میں اختلاف ۱۱۹

☆ فیصلہ میں اختلاف ۱۲۲

☆ زبان کے فرق کو بناءِ اختلاف بننے سے روکنا ۱۲۴

☆ مکانی فرق سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ۱۲۵

☆ زمانہ بدلنے سے رونما ہونے والے فرق کے بارے میں اختلاف کا مسئلہ ۱۲۶

☆ مسلمانوں کے فکری احوال اور بدلتا ہوا زمانہ ۱۲۷

☆ تلافیٔ مافات کا آغاز ۱۳۰

☆ شورائی طریق فیصلہ ۱۳۱

☆ اسوۂ نبویؐ ۱۳۲

☆ خلفائے راشدین کے نظائر ۱۳۴

☆ خوش آئند حالات ۱۴۴

☆ خلاصۂ کلام ۱۴۸

☆ حواشی وحوالہ جات ۱۵۱

پانچواں باب

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اجتہاد کی حالیہ کوششیں (3) ۱۵۴

☆ مسلمان عورت کتابی مرد کے نکاح میں ۱۵۵

☆ غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں کے لیے اور مسلم ۱۶۲

Marfat.com

اکثریتی ممالک میں غیر مسلموں کے لیے، شہریت، حکومت میں شرکت اور فوج میں شمولیت وغیرہ ۱۶۸

☆ فوجی خدمت کا مسئلہ ۱۷۲

☆ مسلم اکثریتی ممالک کے غیر مسلم شہری ۱۷۴

☆ عورت کی سربراہی ۱۷۵

☆ عورت کا سماجی کردار ۱۷۷

☆ ناقص یا نامکمل معلومات کی روشنی میں فیصلہ طلب امور پر غور کے تقاضے ۱۷۹

☆ بدلتے حالات میں بدلتے ہوئے فتوے ۱۸۳

حواشی وحوالہ جات ۱۸۸

چھٹا باب

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں معاصر اسلامی مالیات کا جائزہ ۱۸۸

☆ مالیات ۱۹۲

☆ اسلامی تاریخ میں مالیات کا نظام ۱۹۳

☆ ادھار، یعنی مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی ۲۰۱

☆ فنانس کی فراہمی کے پیچیدہ طریقوں کا رواج اور ان کی ضابطہ بندی ۲۰۲

☆ سفتجہ ۲۰۳

☆ بیع العربون ۲۰۳

☆ صیرفہ اور جہابذہ ۲۰۸

☆ اسلامی تمویل کے باب میں نئے رجحانات

Marfat.com

☆ دورِ جدید میں اسلامی فنانس کا احیاء ۲۱۱

☆ تورق ۲۲۰

☆ انسانی معیشت میں قرضوں کا کردار ۲۲۲

☆ اشیاء وخدمات کے بازار اور بازارِ مالیات کے مابین بے ربطی ۲۲۶

☆ قرض پر مبنی معیشت میں نظامِ زر ۲۳۱

☆ موجودہ صورت حال ۲۳۴

☆ نقد کی سپلائی کیسے ہو؟ ۲۳۶

☆ حواشی وحوالہ جات ۲۳۸

ساتواں باب

مقاصد شریعت اور مستقبل انسانیت ۲۵۱

☆ حسن سلوک کی تلقین ۲۵۲

☆ سب کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ ۲۵۵

☆ انسانی جان بچانا ۲۵۷

☆ لوگوں کے مال ناحق نہ کھائے جائیں ۲۵۸

☆ ناپ تول ہمیشہ ٹھیک رہے ۲۵۸

☆ عدل گستری سارے انسانوں کے ساتھ مطلوب ہے ۲۶۰

☆ عدل وقسط کا دور دورہ ہونا چاہیے ۲۶۰

☆ استکبار arrogance کی روش بری ہے ۲۶۱

☆ زمین سارے انسانوں کے لیے رزق کا منبع ہے ۲۶۲

☆ سارے انسان ایک برادری کے افراد ہیں ۲۶۲

☆ انسانی عزوشرف کے سبھی مستحق ہیں ۲۶۴

Marfat.com

☆ محمد ﷺ سبھی کے لیے رحمت ہیں ۲۶۵

☆ انسانوں کے ساتھ تعاون یا عدم تعاون اصولوں اور قدروں پر مبنی ہو ۲۶۶

☆ کسی قوم کی کسی قوم پر تسلّط پسندی ٹھیک نہیں ۲۶۶

☆ مشترکہ انسانی مسائل ۲۶۷

☆ معاصر مسلمان اور مشترکہ انسانی مسائل ۲۷۰

☆ کیا کیا جائے ۲۷۴

☆ عام تباہی مچانے والے اسلحوں کا مسئلہ ۲۷۵

☆ اسلامی موقف ۲۷۷

☆ اس موقف کے خطرات ۲۸۱

☆ مقاصد اور مسائل ۲۸۲

☆ حواشی وحوالہ جات ۲۸۴

آٹھواں باب

مقاصد شریعت: فہم و تطبیق ۲۸۶

☆ انتشار و احلال کے اندیشے ۲۸۹

☆ کیا سابقہ صورت حال کا تسلسل ممکن ہے؟ ۲۹۸

☆ ایک نئے مستقبل کے لیے تیاری ۳۰۳

☆ قیامِ عدل وقسط کے تقاضے ۳۰۶

☆ حواشی وحوالہ جات ۳۱۶

اشاریہ ۳۱۷

Marfat.com

Marfat.com

تقدیم

جو کتاب آپ کے سامنے ہے وہ اس احساس کے تحت لکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں اسلامی زندگی گزارنے کے لئے مقاصدِ شریعت کو سمجھنا اور موقع بموقع ان کی طرف رجوع بہت ضروری ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں اس موضوع پر کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر بیشتر لکھنے والے یہ بتاتے ہیں کہ موجود اور معلوم احکامِ اسلام میں چند اعلیٰ مقاصد کا حصول پیش نظر رہا ہے اور یہ کہ یہ مقاصد ان احکام کے باہمی ربط کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، وغیرہ۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ احکام کے اسرار اور ان کی حکمتوں کا بیان بڑا کام ہے، مگر اس سے زیادہ اہمیت اس کی ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں حکم شرعی کی تلاش میں ان مقاصد اور حکمتوں سے استفادہ کے طریقے بتائے جائیں۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ زیادہ تر لکھنے والے اپنی بحث کو معروف معنیٰ میں فقہی احکام تک محدود رکھتے ہیں حالانکہ دعوت و تربیت اور اصلاحِ معاشرہ جیسے اہم کاموں میں بھی مقاصدِ شریعت سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے۔ میں نے ان امور کی طرف توجہ کے ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ ماضی قریب میں اس سلسلہ میں جو فکری اور عملی کوششیں کی گئی ہیں وہ سامنے لائی جائیں۔ دعوت و اصلاحِ معاشرہ ہو یا تربیت و تزکیہ، یا معروف فقہی مسائل، مقاصدِ شریعت کی روشنی میں نئے اجتہاد کا جو سلسلہ گزشتہ صدی سے شروع ہوا ہے اور اب، اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں زور پکڑ رہا ہے، اس میں بہت سے لوگوں کو وہ پختگی نہیں نظر آئے گی جو اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں کی مماثل کوششوں میں ملتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آج کے حالات اس زمانہ کے مقابلہ میں ازحد ناسازگار ہیں۔ مزید برآں ابھی تو یہ سلسلہ شروع ہوا

Marfat.com

ہے، وقت گزرنے کے ساتھ، اور بیش از بیش لوگوں کے حصّہ لینے کے طفیل اس میں مزید گہرائی اور گیرائی پیدا ہو گی، ان شاء اللہ۔

آخر کے ابواب میں جہاں ہم نے علماء، دانشوروں اور عام مسلمانوں کو اس عمل میں شرکت کی دعوت دی ہے وہیں انسانیت کو درپیش بعض ایسے مسائل کی اہمیت جتائی ہے جن کے حل میں مسلمانوں کو بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہئے۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ یہ مشترکہ عالمی مسائل ہمارے درمیان کم ہی زیرِ گفتگو آتے ہیں، حالانکہ مقاصدِ شریعت سے ان کا گہرا ربط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اسے متعلّقہ موضوعات پر وسیع پیمانہ پر غور و فکر کا پیش خیمہ بنائے۔

پیشِ نگاہ کتاب کے ابواب مقالات کی شکل میں ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے مجلّہ فکر و نظر، میں شائع ہوتے رہے۔ اس کے بعد انڈیا میں بھی بعض مجلّات نے ان مقالات کو شائع کیا۔ علیگڑھ میں مجھے ان مضامین کو علمی مجالس میں سنانے کا بھی موقع ملا۔ متعدد اہلِ علم نے ان تمام ابواب، یا ان میں سے بعض کا مطالعہ کر کے مجھے اپنے تحریری مشوروں سے بھی نوازا۔ میں ان سب دوستوں اور بزرگوں کا بے حد ممنون ہوں۔ تعداد کی کثرت، اور اس ڈر سے کہ مبادا کسی کا نام چھوٹ نہ جائے، نام بنام شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ البتہ ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری کا ذکر اس مناسبت سے استثنائی اہمیّت رکھتا ہے کہ انھوں نے اس سلسلۂ مضامین کو کتابی شکل دینے کی ہمّت افزائی کی اور اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

محمد نجات اللہ صدّیقی

الحمیر ۱ء، مزمّل منزل، دودھ پور، علیگڑھ

۱۶ شوّال ۱۴۲۸ـ ۲۹، اکتوبر ۲۰۰۷

Marfat.com

پیش لفظ

اسلام کا جوہر اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت ہے جو اس کے احکام کی بجاآوری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ مختلف نبیوں کے ذریعہ مختلف ملکوں اور زمانوں میں آسمانی ہدایت سے بہرہ ور کرتا رہا اور آج سے کم و بیش پندرہ سو سال قبل انسانوں کی رہنمائی کے لیے اس نے آخری نبی محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے ذریعے اس ہدایت کو اپنی آخری اور کامل شکل میں اپنے بندوں تک پہنچا دیا۔ اگرچہ انسان ان احکام کی بجاآوری کا پابند ہے لیکن یہ سوال انسان کے ذہن میں آپ سے آپ ابھرتا ہے کہ ان احکام اور ان کی پابندی کی نوعیت کیا ہے۔ برصغیرہند و پاکستان میں شاید کسی صاحب علم نے فکر کی ان گہرائیوں میں اُتر کر اسلامی احکام کی کنہ اور اس کے جوہر کو سمجھنے کی اتنی سنجیدہ کاوش نہیں کی جتنی شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کی ہے۔ اس مسئلے پر ان کی معرکۃ الآراء تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ کے مقدمہ کی ابتدائی سطریں ملاحظہ ہوں:

> ممکن ہے یہ گمان کیا جائے کہ شرعی احکام کی کوئی حکمت و مصلحت نہیں ہوتی، اور یہ کہ اللہ نے اعمال اور ان کی جزا کے درمیان کوئی مناسبت نہیں رکھی۔ [اس صورت میں] شرائع کی پابندی کی مثال یہ ہوگی کہ گویا ایک آقا اپنے غلام کی فرماں برداری کا امتحان لینے کے لیے اس کو پتھر اُٹھانے یا درخت چھونے کا حکم دے اور اس سے امتحان لینے کے علاوہ کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ پھر جب وہ اطاعت یا نافرمانی کرے تو اس کے عمل کی جزا دی جائے اور بس۔ لیکن یہ

Marfat.com

خیال غلط ہے اور سنت اور خیرالقرون کا اجماع اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ شرعی نصوص سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ عبادات اور معاملات دونوں کے بارے میں شریعت کے احکام میں سے ہر حکم کی کوئی نہ کوئی غایت، حکمت اور مصلحت ہے۔ مقدمہ کے ابتدائی چند صفحات میں وہ بطور مثال متعدد احکام کے مصالح کی نشان دہی فرماتے ہیں، بلکہ ان کی یہ پوری کتاب احکام شریعت کے اسرار و حِکَم سمجھنے اور سمجھانے کی ایک فکر انگیز کوشش ہے۔

اگرچہ احکام پر عمل کرنا، ان کی مصلحتوں اور حکمتوں کے جاننے سے مشروط نہیں، لیکن اگر ان کو جزئی طور پر بھی جان لیا جائے تو شاید انسان ان پر مزید شرح صدر کے ساتھ عمل کرے گا۔ اس طرح شرعی احکام کا جو ادراک ہوتا ہے، ایک انسان، خاص طور پر ایک صاحب علم اور فقیہ کو ہوتا ہے، وہ اس کی مجموعی بصیرت میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے جس کے ذریعہ زندگی کے مسائل کے حل کرنے میں اسے اہم رہنمائی مل سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ سے قبل بھی امت کے متعدد اہلِ علم نے احکامِ شریعت کے مقاصد اور حکمتوں کو جاننے کے سلسلے میں بڑی بارآور کوششیں کی ہیں۔ یہ ایک طویل فہرست ہے لیکن اس سلسلۃ الذھب کے چند نہایت اہم نام درج ذیل ہیں:

حاکم الترمذی، صاحب کتاب الصلوٰۃ و مقاصدھا، کتاب الحج و اسرارھا، کتاب العلل (علل الشریعة یا علل العبودية)، ابو منصور الماتریدی (م ۳۳۳ھ/۹۴۴ء)، ابوبکر القفال الشاشی (م۳۶۵/۹۷۵)، ابوبکر الابہری

Marfat.com

الباقلانی (م۳۷۵/۹۸۵)، امام الحرمین الجوینی (م۴۷۸/۱۰۸۵)، ابو حامد الغزالی (م۵۰۵/۱۱۱۱)، فخرالدین الرازی (م۶۰۶/۱۲۰۹)، سیف الدین الآمدی (م۶۳۱/۱۲۳۳)، ابن الحاجب (م۶۴۰/۱۲۴۸)، البیضاوی (م۶۸۵/۱۲۸۶)، الاسنوی (م۷۲۲/۱۳۷۰)، ابن السبکی (م۷۷۲/۱۳۶۹)، الطوفی (م۷۱۶/۱۳۱۶)، القرافی (م۶۸۴/۱۲۸۵)، عزالدین ابن عبد السلام (م۶۶۰/۱۲۶۱)، ابن تیمیہ (م۷۱۸/۱۳۲۷)، الشاطبی (م۷۹۰/۱۳۸۸)۔

بیسویں صدی میں مسلمان اہل علم نے فہم شریعت کے سلسلے میں مقاصد شریعت میں غیرمعمولی دلچسپی لی جس کے نتیجے میں اس موضوع پر وسیع لٹریچر سامنے آیا ہے۔ اس سلسلے میں امام شاطبی کی تصانیف پر بھی خصوصی توجہ کی گئی، بطور مثال درج ذیل کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:

احمد الریسونی، نظریة المقاصد عند الامام الشاطبی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، المؤسسة الجامعیة، ۱۹۹۲ء۔

عبد الرحمٰن الکیلانی، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی و دار الفکر، ۲۰۰۰ء۔

عبد اللطیف محمد عامر، مقاصد الشریعة عند الشاطبی، د۔ت۔

مقاصد شریعت پر بحث و تحقیق کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب کی یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اچھی کوشش ہے۔ فاضل مصنف نے مقاصد شریعت کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے اس کتاب کو درج ذیل آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مقاصدِ شریعت: ایک عصری مطالعہ

Marfat.com

۲۔ مقاصد شریعت اور معاصر اسلامی فکر: وقائع اور امکانات

۳۔ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل اور فطرت کا حصہ

۴۔ مقاصد شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف کا حل

۵۔ مقاصد شریعت کی روشنی میں اجتہاد کی حالیہ کوششیں

۶۔ مقاصد شریعت کی روشنی میں معاصر اسلامی مالیات کا جائزہ

۷۔ مقاصد شریعت اور مستقبل انسانیت

۸۔ مقاصد شریعت: فہم و تطبیق

متقدم اہل علم کی طرح فاضل مصنف بھی اس حقیقت سے اتفاق کرتے ہیں کہ احکام کے اسرار و حکم کو سمجھنے میں مقاصد شریعت نہایت مددگار ثابت ہوتے ہیں مگر اس سے بڑھ کر انہوں نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ 'اس سے زیادہ اہمیت اس کی ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں حکم شرعی کی تلاش میں ان مقاصد اور حکمتوں سے استفادہ کے طریقے بتائے جائیں'۔ زیر نظر کتاب کا بڑا حصہ اسی نکتہ کی تفصیلات سے تعرض کرتا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ متقدم فقہاء و علماء نے فقہی استدلالات کے لیے ادلہ اربعہ (قرآن، سنت، قیاس اور اجماع) کے علاوہ مصالح اور مقاصد شریعت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اس کے علاوہ شروع کے باب میں فاضل مصنف نے ایک اور اہم نکتہ جس سے اختلاف ممکن ہے، یہ اٹھایا ہے کہ مقاصد کی روایتی فہرست پنج گانہ (دین، جان، عقل، نسل اور مال) میں اضافہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مصنف لکھتے ہیں: 'مقاصد شریعت جان و مال، عقل و نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں، فہرست لمبی ہے اور اس میں مثبت اہداف بھی شامل ہیں۔ پھر انہوں نے اس فہرست میں درج ذیل چیزوں کے اضافہ کو اہم اور وقت کی ضرورت قرار دیا ہے:

Marfat.com

۱۔ انسانی عزو شرف

۲۔ بنیادی آزادیاں

۳۔ عدل و انصاف

۴۔ ازالۂ غربت اور کفالتِ عامہ

۵۔ سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا

۶۔ امن و امان اور نظم و نسق

۷۔ بین الاقوامی سطح پر باہم تعامل اور تعاون

مصنف کی رائے میں مذکورہ بالا چیزوں کی مقصودیت کو کتاب و سنت کی سند تو حاصل ہے مگر اب سے پہلے ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کئی ایک معاصر اہل علم نے بھی اس سلسلہ میں آواز اٹھائی ہے کہ مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں اضافہ کی ضرورت ہے۔ (مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے: عطیہ، جمال الدین، نحو تفعیل مقاصد الشريعة، المعهد العالمي للفكر الاسلامي، ۲۰۰۸ء، الفصل الثاني)

زیر نظر کتاب میں فاضل مصنف نے ہر بات حوالہ کے ساتھ بیان کی ہے اور اپنی آراء کو قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ مدلل کر کے پیش کیا ہے۔ امید ہے ان کی یہ کوشش فکر و نظر کی نئی جہتیں کھولنے اور اسلام کو دورحاضر کی تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی کی قوت محرکہ بنانے میں مددگار ثابت ہو گی۔

آخر میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ان تمام کارکنوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے کتاب کی تدوین میں حصہ لیا، خاص طور پر ادارہ کے ریسرچ ایسوی ایٹ حافظ مبشر حسین کا جن کی کاوشوں سے کمپوزنگ اور تدوین کے مراحل آسان ہوئے۔

ظفر اسحاق انصاری

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

مقاصدِ شریعت: ایک عصری مطالعہ

عصر حاضر میں جب سے تطبیق شریعت پر زور دیا جا رہا ہے، مقاصدِ شریعت کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، اگرچہ اردو زبان میں اس موضوع پر کم لکھا گیا ہے۔ اس باب میں ہماری کوشش ہو گی کہ موضوع کی اہمیت بتا کر اس میں حالیہ دلچسپی کے اسباب سامنے لائیں۔ اس کے بعد ہم تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے واضح کریں گے کہ اگرچہ ایک اصطلاح کے طور پر 'مقاصدِ شریعت' کا استعمال بعد میں شروع ہوا مگر ابتدائی دور میں جب مصلحت کی بات ہوتی تھی تو بھی یہی موضوع سامنے رہتا تھا۔ مقاصدِ شریعت پر پہلی جامع بحث شاطبیؒ کے یہاں ملتی ہے[1]۔ اس کی جھلکیاں دکھا کر ہم مقاصد شریعت کی روایتی فہرست پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔

مقاصد شریعت کے بیان سے دو فائدے پیش نظر رہے ہیں: اَحکامِ شریعت کا ایک باہم مربوط فہم اور نئے حالات میں نئے مسائل میں اَحکام شریعت کی دریافت۔ ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ آج کل مسلمانوں کو جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، خاص طور پر معاشی معاملات، ملکی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں انھیں جو نئے مسائل درپیش ہیں، ان میں رہنمائی کے لیے مقاصد شریعت کی ایک وسیع تر فہرست کی ضرورت ہے۔ فہرست مقاصد میں توسیع کا جو رجحان پہلے سے موجود تھا، وہ اب قوی تر ہو گیا ہے۔ روایتی فہرست: دین، جان، عقل، نسل اور مال، کے ساتھ انسانی شرف و عزت، آزادی اور انفرادی حقوق،

Marfat.com

امن و امان اور نظم و نسق، ازالۂ غربت اور کفالتِ عامہ، دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو کم کرنا اور بین الاقوامی سطح پر پُرامن تعامل جیسے مقاصد کا اضافہ مناسب ہو گا۔ آخر میں اس بات پر زور دیا جائے گا کہ مقاصد شریعت کے اس بیان سے اسلامی تحریکوں کو اپنی ترجیحات مقرر کرنے میں مدد ملے گی اور مسلمان افراد، گروہوں اور حکومتوں کو اپنے طرزِ عمل اور پالیسیوں کی از سر نو تحدید و تعیین میں آسانی ہو گی۔

موضوع کی اہمیت

مقاصدِ شریعت، مصالحِ مرسلہ، اَسرارِ شریعت، معانی اور حِکم جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جانے والا یہ تصور شروع ہی سے موجود رہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کو جو احکام دیتے ہیں، ان سے انسانوں کی ہی بھلائی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اسے ہم انسانوں سے کچھ نہیں لینا۔ انسانوں کے اُخروی اور دنیوی مفادات سامنے رکھ کر انہیں جو احکام دیے گئے ہیں، ان میں سے بعض کے بارے میں قرآن و سنّت میں بتا دیا گیا ہے کہ ان سے کیا فائدے ہوں گے اور خاص کر دنیوی امور سے متعلق امور میں، بعض پر غور کرنے سے ان کے فائدے سمجھے جا سکتے ہیں۔ یہ بات کہ ان مصالح اور مقاصد کو سمجھ کر بیان کیا جائے جن کا شارع نے لحاظ رکھا ہے دو وجہوں سے اہم ہے۔ اگر اَحکام شریعت کو موتیوں سے تعبیر کیا جائے تو مقاصدِ شریعت کا بیان ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر ہار بنا دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر، مقاصد شریعت کا بیان احکام شریعت کو ایک باہم مربوط اور واضح اہداف کے حامل نظام کے طور پر سمجھنا ممکن بنا دیتا ہے۔ مقاصد شریعت کا دوسرا، اور وقت کے ساتھ اہمیت میں بڑھنے والا، فائدہ یہ ہے کہ وہ ان نئے

Marfat.com

مسائل میں حکم شریعت معلوم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں جن کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریعت کا کوئی حکم کسی خاص حالت میں مقاصد شریعت کے خلاف نتائج کا حامل نظر آتا ہے۔ ایسا ہو تو نیا حکم ایجاد کیا جائے گا جو شریعت کے مقصد کے مطابق ہو، چنانچہ نبی اکرم ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ فقہ سے متعدد ایسے فیصلے منقول ہیں جن میں کسی موجود حکم سے ہٹ کر ایک نیا حکم اختیار کیا گیا جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

تاریخی پس منظر

ہمارے علم کی حد تک مقاصد شریعت کی اصطلاح سب سے پہلے امام الحرمین الجوینیؒ (وفات ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) نے استعمال کی۔ اصولِ فقہ پر ان کی کتاب 'البرهان' میں مقصد، مقاصد اور قصد وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔[۲] مگر نئے اجتہاد کے آلہ کے طور پر مقاصد شریعت کا مؤثر استعمال ان کی دوسری کتاب 'الغیاثی'[۳] میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جوینی نے نظام الملک کے لیے لکھی تھی جو اَلپ ارسلان کے وزیر تھے بعد میں ملک شاہ کے بھی وزیر رہے۔ کہنے کو نظام الملک وزیر تھے مگر حقیقت میں وہی حکمران تھے، ان پر کسی کا حکم نہیں چلتا تھا۔[۴] البرهان کے برعکس الغیاثی کوئی اصولی تصنیف نہیں بلکہ تدبیر مملکت سے متعلق شریعت کی روشنی میں لکھا ہوا ایک ہدایت نامہ ہے جس کا مخاطب حکمران وقت ہے۔ امام جوینیؒ لکھتے ہیں:

> حق کے متلاشی اور شریعت کی طرف بلانے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذاہب اور مسالک کے اختلاف کے باوجود انسانوں سے شریعت

Marfat.com

کا مطلوب یہ رہا ہے کہ وہ تقویٰ کو مضبوط پکڑیں---۔
چنانچہ اس قبیل کے سارے احکام کا تعلق ان چیزوں کے لیے راہ ہموار کرنے سے رہا ہے جن کی لوگوں کو طلب ہو اور جن کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ نیز یہ کہ حلال اور حرام کے درمیان فرق کر دیا جائے اور خلق خدا کے مختلف گروہوں کے لیے احکام درست کر دیے جائیں۔ چنانچہ دین کی نسبت سے دنیوی امور کی حیثیت سہاروں اور ذرائع کی قرار پائی تاکہ شریعتوں کے مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔(۵)

جوینیؒ نے مقاصدِ شریعت کا حوالہ دینے کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ ان کے سامنے ایک ایسی صورت حال تھی جس کے بارے میں ان سے پہلے کے فقہاء نے بحث نہیں کی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اگر حکمران ملک کو خطرے میں دیکھ رہا ہو مگر خزانہ خالی ہو تو دفاعی اغراض کے لیے اہل ثروت سے عشر و زکاۃ کے ماسوا مزید مال لیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ جوینیؒ کا کہنا ہے کہ مقاصد شریعت کی روشنی میں اس سوال کا جواب واضح ہے۔ کلی مصالح کا تحفظ ضروری ہے، اس کے لیے افراد کے مال و املاک میں سے ان کی مرضی کے علی الرغم بھی مزید محاصل وصول کیے جا سکتے ہیں۔(۶) اِسی دلیل سے انھوں نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور فقروفاقہ دور کرنے جیسے مقاصد کے لیے بھی مزید محاصل وصول کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے۔(۷) اس ممکن اعتراض کے جواب میں کہ آپ اپنے فتویٰ کے حق میں کوئی عبارت کیوں نہیں پیش کرتے، وہ لکھتے ہیں:

اس کی بجائے میں شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتا ہوں اور جو کچھ دیکھ رہا ہوں اور جو سمجھ میں آتا ہے، اس سے نتیجہ اخذ کرتا ہوں۔ اُن نئے حالات میں فیصلہ کرنے کا یہی طریقہ ہے جن کے بارے

Marfat.com

میں علماء کے پہلے سے تیار کردہ جواب نہ موجود ہوں۔(۸)

امام جوینیؒ کے شاگرد ابو حامد الغزالیؒ (وفات ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے مقاصد شریعت کی بات کو باضابطہ شکل دے دی، وہ لکھتے ہیں:

مصلحت سے ہماری مراد مقصودِ شریعت کی محافظت ہے، اور شریعت کا مقصد خلق خدا کے سلسلہ میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے: وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ ہر وہ چیز جو ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو مصلحت شمار ہو گی اور ہر وہ چیز جو ان بنیادوں کے لیے خطرہ ہو، مفسدہ شمار ہو گی جسے دور کرنا مصلحت قرار پائے گا۔(۹)

امام غزالیؒ کی یہ تحریر کسی حکمران کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اصول فقہ پر ان کی کتاب کا ایک حصہ ہے۔ ان کے زمانے تک اصول فقہ نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور مصالح اور مقاصد کو اس علم میں جگہ مل چکی تھی۔ مصالح اور مقاصد کے تصور کو ایک کر کے امام غزالیؒ نے مقاصد شریعت کی اصالت کا، اور اس کے آغاز ہی سے اصول فقہ کا ایک اہم ستون ہونے کی حقیقت اجاگر کی۔

غزالیؒ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مصالح یا مقاصد کی ایک فہرست مرتب کر دی جو آج تک ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ غزالیؒ نے یہ بھی بتایا کہ مصلحت پہچانی کیسے جاتی ہے: ''ہم نے مصلحت کا مدار مقاصد شریعت کے تحفظ پر رکھا ہے اور مقاصدِ شریعت کو کتاب، سنّت اور اجماع کے ذریعہ جانا جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی مصلحت جس کا تعلق کسی ایسے مقصد کی حفاظت سے نہ ہو جسے کتاب، سنّت اور اجماع سے سمجھا گیا ہو، اور جو ایسی نامانوس مصلحت ہو جو

Marfat.com

شریعت سے مناسبت نہ رکھتی ہو، تو ایسی مصلحت باطل ہے، اسے رد کر دیا جائے گا اور جو اس کی پیروی کرے گا وہ بدعت کا مرتکب قرار پائے گا''۔(١٠)

غزالیؒ کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ کتاب و سنت میں مقاصدِ شریعت کی کوئی باضابطہ فہرست نہیں ملتی، چنانچہ وہ پانچ مبینہ مقاصد کی نسبت سے واضح کرتے ہیں کہ: ''ان معانی کے مقصود ہونے کا دعویٰ کسی ایک دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان گنت دلائل پر مبنی ہے جو کتاب و سنت میں پائے جاتے ہیں اور (ان کی دلیل میں) حالات اور اندازے اور مختلف قسم کی علامتیں بھی سامنے رکھی گئی ہیں۔ اسی لیے ان کو مصالحِ مرسلہ کہا گیا ہے''۔(١١)

یہی وہ نکتہ ہے جسے دو سو سال بعد ابو اسحاق شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الموافقات'' میں مزید استدلال کے ساتھ واضح کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم شاطبی کے اضافوں (Contributions) کا جائزہ لیں، اس بات کو نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جس چیز کو امام غزالیؒ نے ''مصلحت مرسلہ'' کا نام دیا ہے اور جسے وہ مقاصدِ شریعت کے ہم معنی قرار دے چکے ہیں، اس کا تصور اور اس کا بھر پور استعمال امام مالکؒ کے یہاں موجود ہے جن کی وفات ١٧٩ھ/٧٩٦ء میں ہوئی۔ ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ جن کی وفات ١٥٠ھ/٧٦٧ء میں ہوئی، استحسان کا تصور سامنے لا چکے تھے۔ اسلامی قانون سازی یعنی پیش آمدہ مسائل میں حکم شرعی کی دریافت میں یہ تصورات وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو مقاصد شریعت کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے: 'نص کی غیر موجودگی میں حکم تک پہنچنے، یا موجود حکم سے گریز کر کے دوسرا حکم اختیار کرنے، کی بنیاد فراہم کرنا'۔(١٢) بظاہر امام شافعیؒ کا مسلک مختلف رہا مگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے یہاں بھی قیاس کی بنیاد اکثر ان حکمتوں اور مقاصد پر ہوتی ہے جو اس حکم کا سبب بنے، جن پر قیاس کیا

Marfat.com

جا رہا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کسی نہ کسی شکل میں مصالح عامہ اور مقاصدِ شریعت کے فہم کو نئے مسائل میں اَحکام شریعت کی دریافت میں ہمیشہ کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔

شاطبیؒ کے اضافے

ابو اسحاق شاطبیؒ (وفات ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) کا تعلق اسپین سے تھا۔ وہ اگرچہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے ہم عصر تھے مگر ان کو ایک دوسرے کے کام کی خبر نہیں تھی۔ شاطبیؒ نے واضح کیا کہ اگرچہ مقاصد شریعت شرع سے مستنبط ہیں، جیسا کہ غزالیؒ نے بتایا، مگر ان کے سمجھنے میں عقل کو بھی دخل ہے۔ البتہ انہیں اصرار ہے کہ عقلی استدلال شرعی دلائل کے ساتھ مل کر ہی کام کرتا ہے، عقل کو قانون سازی میں کوئی مستقل بالذات مقام حاصل نہیں ہے۔[۱۳] البتہ جیسا کہ ہم آئندہ بتائیں گے ان کے نزدیک نئے مسائل میں اجتہاد کے اندر عقل ایک مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

شاطبیؒ نے غزالیؒ کی پانچ مقاصد کی فہرست کو برقرار رکھا مگر انہیں نہ تو ان مقاصد کے اندر کسی خاص ترتیب پر اصرار ہے نہ وہ صراحت کے ساتھ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس فہرست میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے زیادہ زور ان مقاصد کے حصول کے ان تین مدارج کے تفصیلی تجزیہ پر دیا جن کا ذکر غزالیؒ اور جوینیؒ بھی کر چکے تھے، یعنی ضروری، حاجی اور تحسینی۔ ان کی مصالح کی تعریف غزالیؒ کی تعریف سے زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، یعنی: ''وہ جس پر انسان کی زندگی کا مدار ہو، جس پر اس کی حیثیت مبنی ہو، اور جس پر ان چیزوں کے حصول کا انحصار ہو جن کا تقاضا انسان کے شہوانی اور عقلی اوصاف کرتے

Marfat.com

ہوں''۔ (۱۴)

اس بات کی تاکید کے بعد کہ اجتہاد کا عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تکلیفِ شرعی، یعنی احکام شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی ذمہ داری باقی ہے، (۱۵) شاطبیؒ نے اجتہاد کے عمل میں عقل کا کردار متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک مقاصدِ شریعت کی نسبت سے عقل دو مرحلوں میں کام آتی ہے۔ پہلا مرحلہ خود مقاصد شریعت کو سمجھنے کا ہے اور دوسرا ان حالات کو سمجھنے کا جو کسی زمان و مکان میں پائے جاتے ہوں جن کی نسبت سے، مقاصد شریعت کی روشنی میں، حکم شرعی تک پہنچنا مطلوب ہو۔ اس بات کا اندازہ لگانا بھی اسی کام کا حصہ ہے کہ کسی حکم کا عملی نتیجہ کیا ہو گا، اس پر عمل سے مشقت اور تنگی لازم آئے گی یا آسانی اور فراخی پیدا ہو گی۔ یہ طے کرنا بھی عقل کا کام ہے کہ کسی خاص فرد پر یا کسی خاص مقام پر یا کسی خاص زمانہ میں کسی حکم کے وہ نتائج کیا ہو سکتے ہیں جو مقاصد شریعت سے ہٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہوں۔

مقاصدِ شریعت کا فہم شاطبیؒ کے نزدیک ان احکام شرع کے استقراء سے حاصل کیا گیا ہے جو موجود ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ شریعت کو جان، دین، عقل، نسل اور مال کا بقا و تحفظ مطلوب ہے، یہ بات اگرچہ قرآن و سنّت میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں لکھی ہے مگر قرآن و حدیث میں آئے ہوئے اَحکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقاصد پیش نظر رہے ہیں۔ (۱۶) ظاہر ہے کہ مطالعہ کرنا اور نتیجہ نکالنا ایک عقلی کام ہے جو کوئی غزالیؒ یا شاطبیؒ انجام دیتا ہے اور علماء اس کی تائید کرتے ہیں۔

شاطبیؒ نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ایک دائرہ ایسا بھی ہے جس میں

Marfat.com

اجتہاد کرنا عام مسلمانوں کا کام ہے۔ اس اجتہاد میں مقاصد شریعت کے فہم کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اگرچہ احکام شریعت جاننے کے لیے عربی زبان میں مہارت ضروری ہے لیکن جب ایک بار نصوص یا قیاس یا اجماع کے ذریعہ حکم شرعی معلوم ہو جائے تو یہ جاننے کے لیے کہ اس کا انطباق کن حالات میں ہو گا، عربی دانی سے نہیں بلکہ حالات سے واقفیت ضروری ہے جو عقل کا کام ہے اور یہ کام ہر مسلمان کو خود کرنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> اجتہاد کا تعلّق اگر نصوص سے استنباط سے ہو تو بلاشبہ عربی کا علم ضروری قرار پائے گا لیکن اس کا تعلق متعلقہ مسائل اور مفاسد کے قسم کے امور سے ہو اور یہ بات زیر بحث نہ ہو کہ نصوص ان کے متقاضی ہیں یا نہیں، یا جو لوگ نصوص سے استنباط کے اہل ہوں وہ مانتے ہوں کہ ان کا تعلق مصالح اور مفاسد سے ہے، تو ایسے اجتہاد کے لیے عربی جاننا ضروری نہیں، صرف شرع کے مقاصد کا علم درکار ہے جسے شریعت سے خاص طور پر اجماع اور تفصیل سے سمجھا گیا ہو......۔
>
> چنانچہ جس نے سمجھ لیا کہ احکام کے وضع کرنے سے شریعت کے مقاصد کیا ہیں، اور اس کی سمجھ ایسی ہے کہ اسے مقاصدِ شریعت کا علم رکھنے والا سمجھا جائے، خواہ اس نے یہ علم کسی عجمی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ حاصل کیا ہو، تو اس کے درمیان اور اس کے درمیان جس نے (مقاصد شریعت کا) عربی زبان کے ذریعے علم حاصل کیا ہو، کوئی فرق نہیں......۔
>
> اجتہاد کا تعلّق کبھی متعلقہ صورت حال کو جاننے سے ہوتا ہے۔ ایسی

Marfat.com

شکل میں نہ تو مقاصد شریعت کا علم ضروری ہے نہ عربی زبان کا۔ وجہ یہ ہے کہ اس اجتہاد کا مقصود یہ جاننا ہے کہ صورت حال کیا ہے۔ ایسی شکل میں ضرورت اس علم کی ہے جس کے بغیر اس صورت حال کو نہ سمجھا جا سکتا ہو۔ اس کے بارہ میں اجتہاد کرنے والے کو اس معاملہ کی پوری جان کاری ہونی چاہیے جو زیر غور ہو، تاکہ وہ اس پر شریعت کا علم منطبق کر سکے......(۱۷)

اجتہاد کے عمل میں عقل عامہ اور عام مسلمانوں کا کیا رول رہا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں شاطبیؒ کا فکر ان سطروں کے ذریعہ سامنے آتا ہے:

اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ اجتہاد کی ایک قسم علماء کے لیے مخصوص ہے اور ایک ان سارے لوگوں کے لیے ہے جو (اَحکام شرع کی تابع داری پر) مکلّف ہیں...... اس کی تفصیل یہ ہے کہ مکی اَحکام، جن کو اوّلیت حاصل ہے، زیادہ تر عمومی تھے، مقید نہ تھے۔ ان پر سمجھ دار لوگ اپنی عادات کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے تھے اور یہ عمل اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مطابق ہوتا تھا...... صرف وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی تحدید سے عقل کو کوئی علاقہ نہیں، مثلاً نماز کی تفصیلات، اور اسی جیسے دوسرے احکام۔ چنانچہ ان (مکی احکام) کی تطبیق مکلّف افراد کی سمجھ بوجھ اور عادات کے حوالہ تھی۔ یہ ان کا کام تھا کہ اجتہاد کریں کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں، ان کلی محاسن میں سے کن کا بجا لانا کس حد تک ممکن ہے اور ان اعلیٰ قدروں کی تحصیل میں وہ کہاں تک جا سکتے ہیں..... مثلاً (اللہ کی راہ میں) مال خرچ کرنا، فقیروں کی حاجت روائی، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنا، قریب اور دور

Marfat.com

کے تمام مسلمانوں پر مشتمل اہل ملت کے حقوق ادا کرنا، تمام خلق خدا کے درمیان اچھے تعلقات برقرار رکھنا اور (کسی طرف سے کوئی ناگوار بات آ جائے تو) بطریقِ احسن جواب دینا، وغیرہ۔ (۱۸)

شاطبیؒ کا کہنا ہے کہ جب مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو فقہاء نے ضروری سمجھا کہ جن باتوں کے سمجھنے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ان کی مختلف تعبیروں کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو سکتے ہیں، ان جزئی امور میں (اجتہاد کے ذریعہ) احکام شریعت کی تحدید کر دی جائے۔ 'باقی رہی یہ بات کہ ان کے علاوہ مکارم اخلاق کے تقاضوں کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے تو فقہاء ان کی تفصیل میں نہیں گئے...... ان امور کو انھوں نے مکلّف افراد کے اختیار و اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا'۔ (۱۹)

شاطبیؒ نے اسلامی قانون کے فہم اور اس کی حرکت کے ضامن اجتہاد کے کردار، نیز ان دونوں کی نسبت سے مقاصدِ شریعت کی اہمیت کے بارے میں اپنے یہ افکار آٹھویں صدی ہجری/چودھویں صدی عیسوی میں اسپین میں پیش کیے تھے۔ اس سے کچھ پہلے قاہرہ اور دمشق کے علمی مراکز میں اسی طرح کے افکار پیش کیے جا چکے تھے مگر وہ شاطبیؒ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ قاہرہ کے عزّ الدین بن عبد السلام (وفات ۶۶۰ھ/۱۲۶۲ء)، دمشق کے تقی الدین ابن تیمیہ (وفات ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) اور ان کے شاگرد شمس الدین ابن القیم (وفات ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی تصانیف میں شریعت اسلامیہ کی بے پناہ وسعتوں اور انسانی مصالح کی نسبت سے اس کے لازوال امکانات پر زور دیا گیا ہے۔ (۲۰) یہاں ان مفکروں کے کیے ہوئے سارے اضافوں کا ذکر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اپنے موضوع کی نسبت سے صرف یہ نوٹ کرنا کافی ہو گا کہ انھوں نے مقاصد شریعت کے بیان کو کسی فہرست تک

Marfat.com

محدود نہیں کیا۔ مصالحِ مرسلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> بعض لوگ مصالحِ مرسلہ کو جان و مال، عزت و آبرو، عقل اور دین کے تحفظ میں محصور کر دیتے ہیں مگر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مصالح مرسلہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کیے جائیں اور مضرتیں دور کی جائیں۔ مذکورہ بالا حضرات نے جو ان امور سے متعلق رفع مضرت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ مصالح مرسلہ کی دو قسموں میں سے صرف ایک پر مشتمل ہے، دوسری قسم مصالح کے حاصل کرنے پر مشتمل ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی(۲۱)۔

ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو مقاصد شریعت کی فہرست کو صرف ان چیزوں تک محدود کر دیتے ہیں جن کے تحفظ کے لیے شریعت نے کوئی حد (یعنی سزا) مقرر کی ہو چنانچہ مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد لکھتے ہیں:

> دنیا میں (جلبِ منفعت کی مثال) وہ معاملات اور سرگرمیاں ہیں جن میں عامۃ الناس کی بھلائی مضمر ہو خواہ ان سے متعلق کوئی حدّ شرعی مقرّر کی گئی ہو یا نہیں اور دین میں (جلبِ منفعت کی مثال) وہ اَحوال و معارف، عادات اور زہد کی باتیں ہیں جن میں انسانوں کی بھلائی مضمر ہے جن سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ جن لوگوں نے مصالح کو ان سزاؤں سے وابستہ کر دیا جو فساد کو دور رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں یا جو اموال یا جسم انسانی کو محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں ان میں انہوں نے کوتاہی برتی ہے۔(۲۲)

ابن تیمیہؒ کی یہ بات اہم ہے کہ مقاصد شریعت کا بیان ایجابی قدروں پر بھی مشتمل ہونا چاہیے جو انسانوں کو صرف مضرتوں سے بچانے پر اکتفا نہ کرتی ہوں

Marfat.com

بلکہ ان کی فلاح و بہبود میں اضافہ کو بھی مطلوب قرار دیتی ہوں۔ ان کے نزدیک مقاصدِ شریعت کی فہرستِ پنج گانہ یک طرفہ اور اس اعتبار سے، ناقص ہے۔ ان کی یہ بات بھی وزن رکھتی ہے کہ انسانی بہبود میں صرف مادی پہلوؤں کا لحاظ رکھنا کافی نہیں جن کا تعلق مال، جسم، نسل وغیرہ سے ہو بلکہ انسانی زندگی کے روحانی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ چنانچہ یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ روایتی فہرست میں دین شامل ہے، انھوں نے 'اَحوال و معارف' کا علیحدہ سے ذکر ضروری سمجھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ روایتی فہرست کا ذکر کرتے وقت ابن تیمیہؒ نے 'نسل' کو نکال کر اس کی جگہ 'عزت و آبرو' (عربی میں 'عرض') رکھ دیا۔ نیز یہ کہ غزالیؒ وغیرہ کی ترتیب کے برعکس 'دین' کو اپنی فہرست میں آخری نمبر پر رکھا۔ امام غزالیؒ اور شاطبیؒ کے کارناموں کی وجہ سے مقاصد شریعت کی فہرست پنج گانہ اور اس کی مخصوص ترتیب کو غیر معمولی شہرت ضرور حاصل ہے مگر اہل علم اس باب میں ہمیشہ توسع کی طرف مائل رہے ہیں۔

ابن قیمؒ نے بھی انہی باتوں پر زور دیا ہے جن کی صراحت ان کے استاد ابن تیمیہؒ کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: 'شریعت کی بنیاد حکمتوں پر ہے، اور معاش و معاد کے بارے میں بندوں کے مصالح پر۔ شریعت تمام تر عدل، رحمت، مصالح اور حکمت سے عبارت ہے'۔ (۲۳)

مقاصد شریعت پر گفتگو کرتے وقت انہوں نے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل نظر اس مقصد پر ہونی چاہیے نہ کہ اس تک پہنچنے کے طریقوں پر جو بدل سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدلتے ہوئے حالات میں عدل و انصاف کے قیام کے موزوں طریقے عقل کے ذریعہ تلاش کیے جائیں گے اور

Marfat.com

یہی طریقے شرعی قرار پائیں گے۔(۲۴)

عزالدین بن عبد السلامؒ نے بھی دنیوی مصالح کو پہچاننے میں عقل کے کلیدی کردار پر زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک: 'دنیا کے زیادہ تر مصالح اور مفاسد کو عقل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی حال اکثر شرع کا بھی ہے'۔(۲۵)

انھوں نے معاملات کے باب میں مصالح پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں، غزالیؒ کی طرح، ضروریات، حاجات اور تتمات یا تکملات، تین مدارج پر روشنی ڈالی ہے۔(۲۶)

شاطبیؒ کے اضافوں کا مطالعہ کرتے وقت ہم یہ نوٹ کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک اجتہاد کا عمل عربی داں علماء تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کے کچھ دائرے ایسے بھی ہیں جن میں عام مسلمان بھی حصہ لیں گے۔ اس ضمن میں یہ نوٹ کرنا مناسب ہو گا کہ عقل کے رول کے بارے میں عزالدین ابن عبدالسلامؒ اور ابن تیمیہؒ کا موقف شاطبیؒ کے موقف سے زیادہ وسیع ہے۔ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بات عقل کے ذریعہ جانی جا سکتی ہے کہ فلاں کام اپنے کرنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ نہیں...... یہ بات کبھی عقل سے معلوم ہو جاتی ہے، کبھی شرع سے، اور کبھی دونوں سے مل کر۔ البتہ یہ بات کہ بہتر کیا ہے اور کاموں کے نتائج دار آخرت میں سعادت یا بدبختی کی شکل میں کیا ہوں گے، صرف شرع سے معلوم ہو سکتی ہے۔(۲۷)

ابھی تک ہم نے زیادہ تر پانچویں صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی سے چودہویں صدی عیسوی، تک کے زمانے میں

Marfat.com

مقاصد شریعت کی نسبت سے جوینیؒ، غزالیؒ، عزالدینؒ ابن عبدالسلامؒ، شاطبیؒ، ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ جیسے مفکرین کے اضافوں کا ذکر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کے بعد کی صدیوں میں پیش کیے جانے والے افکار کا جائزہ لیں، مناسب ہو گا کہ اوپر کے مطالعہ کے خلاصہ کے طور پر چند اہم باتیں نوٹ کر لیں:

☆ پہلی بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت جان و مال، عقل و نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں، فہرست لمبی ہے اور اس میں مثبت اہداف بھی شامل ہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ اصل اہمیت مقاصد کی ہے، ان کے حاصل کرنے کے طریقے زمان و مکان کے ساتھ بدل سکتے ہیں۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ مقاصدِ شریعت کی پہچان اور ان کے حصول کے طریقوں کی تلاش میں عقل ایک فعّال کردار ادا کرتی ہے۔

قواعدِ فقہیہ

نویں اور بارہویں صدی ہجری کے درمیان مقاصد شریعت پر گہرائی کے ساتھ نظر شاہ ولی اللہؒ نے ڈالی ہے۔ مگر ان کے اضافوں کے مطالعہ سے پہلے ایک نئے علم کا ذکر مناسب ہو گا جو قواعدِ فقہیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس علم کو مقاصد کی بحث سے کچھ مناسبت ضرور ہے لیکن اس کا مرکز توجہ مختلف ہے۔ یہ در اصل ایک فن ہے جس سے فقہ کے مطالعہ اور اس سے استدلال میں مدد ملتی ہے۔ مگر قواعد کوئی ایسی چیز برآمد نہیں کر سکتے جو پہلے۔سے فقہ میں موجود نہ ہو، جب کہ مقاصد کا اصل کام ہی یہ ہے۔ اس فن کے ائمہ میں شہاب الدین قرافیؒ (وفات ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء)، جلال الدین سیوطیؒ (وفات ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) اور ابن نجیمؒ (وفات ۹۱۷ھ/۱۵۱۲ء) کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

قرافیؒ، عزالدینؒ ابن عبد السلام کے شاگرد تھے۔ اپنی مشہور کتاب 'الفروق' میں انھوں نے مقاصدِ شریعت کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ شریعت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> اس کے اصول دو قسم کے ہیں۔ ایک کو اصول فقہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس علم میں زیادہ تر ایسے قواعد کا بیان ہے جو عربی زبان کے استعمال سے متعلق ہیں...... دوسری قسم ان کلی فقہی قاعدوں پر مشتمل ہے جو بہت شاندار ہیں۔ ان کی تعداد خاصی ہے اور ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ مشتمل ہیں شریعت کے لاتعداد جزئی احکام سے متعلق اَسرار اور حکمتوں پر...... یہ ایسی باتیں ہیں جن کا اصول فقہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ کوئی اجمالی اشارہ اگر اتفاق سے مل بھی جاتا ہے تو اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ (۲۸)

قرافیؒ نے قواعد کے ساتھ مقاصد پر بھی نظر ڈالی ہے جب کہ سیوطیؒ اور ابن نجیمؒ کا زور قواعد پر ہے۔ قواعد فقہیہ کے بارے میں مزید معلومات کے لیے مناسب کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ (۲۹)

شاہ ولی اللہؒ کے اضافے

مقاصدِ شریعت کے باب میں اپنے پیش رووں کی طرح شاہ ولی اللہؒ نے بھی شریعت کے مختلف جزئی احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ ان احکام کے بجا لانے سے انسانوں کو کیا فائدے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے بحث کے کچھ نئے پہلو بھی اجاگر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> اُمت کے امور کی تدبیر میں کرنا یہ چاہیے کہ ہر حکم کی تعمیل کا ایک

Marfat.com

> اعلیٰ اور ایک ادنیٰ معیار سامنے رہے۔ اعلیٰ معیار ایسا ہو جو مقصود کے بدرجۂ کمال حصول کا ضامن ہو، اور ادنیٰ ایسا ہو کہ مقصد کی اس حد تک تحصیل عمل میں آ جائے کہ کوئی قابل لحاظ چیز باقی نہ رہے۔(۳۰)

اجتماعی امور میں، خاص طور پر تدبیر مملکت میں، مقصود کے صرف دو مدارج سامنے رکھنا زیادہ قابل عمل اور حقیقت پسندانہ طریقہ ہو گا۔ قدماء نے جب ضروری، حاجی اور تحسینی کی سہ گانہ تقسیمِ مدارج تجویز کی تھی تو ان کی نظر، زیادہ تر، انفرادی امور پر رہی ہو گی۔ انفرادی معاملات میں ہر فرد کے لیے الگ الگ درجہ بندی کی ضرورت پڑ سکتی ہے جس میں افراد کے وسائل، امکانات اور حالات کے اندر پائے جانے والے فرق کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔ جب قوموں کی بات آتی ہے تو انفرادی حالات کے فرق کو نظر انداز کر کے اوسط اور عمومی احوال کو سامنے رکھنا ہو گا۔ اوسط کے اعتبار سے وہ کم سے کم درجہ جس سے کام چل سکتا ہو اور درجۂ کمال، ان دو کی تعیین کافی ہو گی۔

جیسا کہ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے، مقاصد شریعت کی رہنمائی نئے حالات میں بہت کام آتی ہے۔ چنانچہ نئے حالات میں نئے احکام تجویز کرتے وقت علماء اکثر مقاصدِ شریعت کا حوالہ دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایک خاص موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> (اسلامی حکومت کے) مصارف کے باب میں بنیادی بات یہ ہے کہ چند مقاصد کو کلیدی اہمیت دی جائے گی۔ مثلاً ایسے لوگوں کی کفالت جو بڑھاپے، تنگ دستی یا اپنے مال سے دور ہونے کی وجہ سے خود کچھ کرنے سے معذور ہوں۔ شہر کو کفار کے خطرے سے بچانے کے لیے حدود کی حفاظت، فوجیوں، اسلحے اور مددگار اسٹاف کے اخراجات، نیز

Marfat.com

شہر کے جملہ امور--- سیکورٹی، عدلیہ، شرعی حدود کا قیام، بازار کی نگرانی، وغیرہ کی تدبیر اور متعلقہ انتظامات۔ ملت کی حفاظت کے لیے ائمہ، خطباء، اساتذہ اور وعظ کہنے والوں کی تعیین۔ اسی ذیل میں انسانوں کے مشترکہ مفادات کا اہتمام بھی شامل ہے، مثلاً دریاؤں کی درستی اور ان پر بنے ہوئے پل وغیرہ کو ٹھیک رکھنا۔(۳۱)

شاہ صاحبؒ کی اس تحریر کا مقابلہ جوینیؒ اور غزالیؒ کی ملتی جلتی تحریروں سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ بات ایک ہے مگر شاہ صاحبؒ نے جو مثالیں دی ہیں ان میں ان حالات کا عکس پایا جاتا ہے جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں دہلی میں، جہاں شاہ صاحبؒ رہتے تھے، پائے جاتے تھے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ شاہ صاحبؒ نے مقاصدِ شریعت کی روایتی فہرست میں دین کی جگہ ملت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اُوپر نقل کی گئی عبارت میں بھی، جہاں وہ اس تصور کے مطابق اپنے زمانہ کے حکمران کے لیے پالیسی تجویز کرتے ہیں انہوں نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دین اور ملت ایک ہی معنیٰ نہیں رکھتے۔(۳۲) ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے سامنے ایک زوال پذیر اقتدار والی مسلمان ملت تھی جو چاروں طرف سے غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ جوینی، غزالیؒ، ماوردیؒ اور شاطبیؒ کو اس سے بالکل مختلف حالات سے واسطہ پڑا تھا۔ لفظ کی تبدیلی حالات کی تبدیلی کی آئینہ دار ہے۔ شاہ صاحبؒ ملت کی بقاء میں دین کی بقا دیکھتے ہیں۔

مقاصدِ شریعت کی طرف حالیہ توجہ

اگرچہ ہر زمانہ کے علماء ان اَحکامِ شریعت کی حکمتیں نیز ان کے دنیوی فوائد

Marfat.com

اور برکات بیان کرتے رہے جو ہمیں معلوم ہیں، لیکن بدلے ہوئے حالات میں اجتہاد میں مدد کرنے والے تصور کے طور پر پچھلے سو برسوں میں مقاصدِ شریعت کی طرف زیادہ توجہ رہی۔ چنانچہ تیونس میں ۱۹۶۶ء میں محمد طاہر بن العاشورؒ (۱۸۷۹ء۔۱۹۷۳ء) نے اس موضوع پر ایک کتاب شائع کی۔ قرآن کریم کی ان آیات کا حوالہ دیتے ہوئے جن میں فساد کی مذمّت کی گئی ہے اور زمین کو فساد سے پاک رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ لکھتے ہیں: '(شریعت اسلامی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ) قانون بنانے کا عمومی مقصد نظام عالم کو برقرار رکھنا اور اسے اچھا بنائے رکھنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو اس پر حاوی ہے، یعنی بنی نوع انسان، ان کو ٹھیک رکھا جائے۔ اس کی درستی کا انحصار اس کی عقل، اس کے عمل، اور اس کے گرد پھیلی موجودات کی درستی پر ہے۔'(۳۳)

اُنہوں نے روایتی فہرست کی مزید تفصیل میں جانے کی کوشش بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں: 'اموال کی بابت شریعت کا مقصود پانچ چیزوں سے عبارت ہے۔ یہ کہ اَموال گردش میں رہیں؛ واضح رہیں (کہ کون سا مال کس کا ہے)؛ محفوظ رہیں؛ (ان کے لین دین میں) عدل برقرار رہے اور (حقوق ملکیت) مستحکم ہوں۔'(۳۴)

ابن عاشورؒ نے مقاصد کے فہم کے لیے احکام شریعت کے سیاق (Context) کو سامنے رکھنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔(۳۵)

مراکش سے علّال الفاسیؒ (۱۹۰۸ء۔۱۹۷۴ء) نے بھی اس موضوع پر کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں انہوں نے عدل و انصاف قائم کرنے اور ہر فرد کے لیے فکری آزادی اور نفسیاتی اطمینان و سکون کی ضمانت دینے کو مقاصد شریعت میں شمار کیا ہے۔(۳۶) اسلامی مغرب کی اسی روایت کے تسلسل میں احمد الخملیشی نے بھی عدل، انفرادی حقوق اور آزادی کو مقاصدِ شریعت میں شمار کیا ہے۔(۳۷)

Marfat.com

حال میں مقاصد شریعت کے موضوع پر متعدد پی ایچ ڈی کے رسالے لکھے گئے ہیں۔(۳۸-الف) محمد مصطفیٰ زحیلی نے مقاصدِ شریعت کے تحت پانچ بنیادی مصالح کی فہرست میں نسل، نسب، اور عزت و آبرو کو ایک خانے میں رکھ کر ضروریاتِ خمسہ کی فہرست میں علماء کے اندر پائے جانے والے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔(۳۸-ب) ماذن ھاشم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شاطبیؒ نے مقاصد پر بحث کرتے وقت اسلامی نظامِ حیات کے کلی مقاصد کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ اسلامی قوانین تک محدود رہے۔(۳۸-ج) ابراھیم کیلانی نے مقاصد کی بحث کا دین میں عقل کے مقام کی بحث سے گہرا تعلق بتاتے ہوئے ابن رشدؒ کے افکار کی اہمیت جتائی ہے۔ ابن رشد نے مقاصد کا رشتہ مصالح کی بجائے انسانی فطرت سے جوڑا ہے۔ یہ طریقہ قرآنی اسلوب سے زیادہ قریب ہے۔(۳۹)

مقاصدِ شریعت کی فہرست میں اضافے

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مقاصد کی روایتی فہرست پنج گانہ: دین، جان، عقل، نسل اور مال میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف دین میں، اور ازالۂ غربت اور کفالت عامہ حفظ جان میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں۔ ہمیں دو وجہوں سے اس فکر و سوچ سے اتفاق نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے، مقاصد شریعت کے بیان میں تحفظ سے آگے بڑھ کر ترقی دینے اور بڑھوتری کو بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ روایتی فہرست میں سارا زور دفع مضرت پر ہے، جلب منفعت کا پہلو دب گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودہ عالمی اور قومی سطح کے مسائل میں ماحولیاتی تلوث پر کنٹرول، کائنات کے قدرتی وسائل کا بچاؤ، عمومی اور

Marfat.com

کلی تباہی مچانے والے اسلحوں کے استعمال اور ان کی پیداوار پر پابندی اور موجود نیوکلیائی ہتھیاروں، نیز کیمیائی اور حیاتیاتی اسلحوں کا تلف کیا جانا اور اَقوامِ عالم کے باہم امن و چین سے رہ سکنے کے دوسرے تقاضے پورے کرنے کے لیے یہ بہتر ہے کہ اِن امور سے مناسبت رکھنے والی اسلامی تعلیمات کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ منطقی طور پر کیا بات کس بات سے نکالی جا سکتی ہے، اہم بات یہ ہے کہ نئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور سماجی امور میں دنیا کی رہنمائی کے لیے کس طریقہ سے زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں گلوبلائزیشن کے چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے میں مقاصدِ شریعت کی فہرست میں ان چیزوں کے اضافہ سے مدد ملے گی جن کی مقصودیت کو کتاب و سنّت کی سند تو حاصل ہے مگر اب سے پہلے ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ جن مقاصد کو اُبھار کر پیش کرنا مناسب ہو گا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی عزو شرف

۲۔ بنیادی آزادیاں

۳۔ عدل و انصاف

۴۔ ازالۂ غربت اور کفالتِ عامہ

۵۔ سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا

۶۔ امن و امان اور نظم ونسق

۷۔ بین الاقوامی سطح پر باہم تعامل اور تعاون

اب ہم کوشش کریں گے کہ ان مقاصد کے معتبر اور مستند ہونے پر اطمینان

Marfat.com

حاصل کریں۔

انسانی عز و شرف

قدماء نے بھی عزت و آبرو کو مقاصد میں شمار کیا تھا۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ شریعت نے کسی پر تہمت لگانے کی کڑی سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اپنی نیک نامی اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے لوگ جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں تو جب جان کا تحفظ مقصودِ شرع ہے تو عزت و آبرو کا تحفظ بدرجہ اولیٰ مقصدِ شریعت قرار پائے گا۔ واضح رہے کہ مسئلہ صرف انفرادی ہتکِ عزت کا نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان، جائے پیدائش، مذہب یا غریبی وغیرہ کی بنیاد پر کسی کو حقارت سے نہ دیکھا جائے بلکہ مرد و عورت، ہر فرد انسانی کو انسان ہونے کے ناطے قابل احترام گردانا جائے۔ قرآن کی تعلیم بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ولقد كرّمنا بنى ادم و حملنٰهم فى البرّ والبحر و رزقنٰهم من الطّيّبٰت وفضلنٰهم علىٰ كثير ممّن خلقنا تفضيلا. [بنی اسرائیل: ۷۰]
>
> ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔
>
> يايها النّاس انّا خلقنٰكم من ذكرٍ وّ أنثىٰ و جعلنٰكم شعوباً وّ قبائل لتعارفوا، إنّ أكرمكم عندالله أتقاكم.إنّ الله عليم خبير. [حجرات: ۱۳]
>
> لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر

۱۴۵۴۰۷

Marfat.com

تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

یا ایھا الّذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قومٍ عسٰی أن یکونوا خیراً منھم ولا نسآء مّن نسآء عسی أن یکن خیراً منھنّ. ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب---[حجرات:۱۱]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں کہ ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہے کہ انسان کا عز و شرف مقصود ہے اور اس مقصد کے تحت احکام بھی جاری کیے گئے ہیں۔

بنیادی آزادیاں

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی انسانوں کی آزمائش کے لیے ہے:

الّذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم أیّکم أحسن عملاً. [الملک:۲]

وہ ذات جس نے موت و حیات کا سلسلہ اس لیے جاری کیا ہے کہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون لوگ عمل کے اعتبار سے

Marfat.com

اچھے ثابت ہوتے ہیں۔

ارادہ کی آزادی اور اختیار کی صلاحیت اس امتحان و ابتلاء کے لیے شرط لازم ہے جس سے انسانی زندگی عبارت ہے۔ اگر افراد انسانی آزاد اور خود مختار نہ ہوں تو شریعت کے اَحکام بجا لانے کے مکلف کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں؟ پس جب خدا نے ہر انسان کو انفرادی طور پر مخاطب کیا ہے اور اسے کچھ کرنے اور بعض چیزوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے تو لازم ہے کہ ہر فرد کو آزادانہ طور پر حکم الٰہی پر لبیک کہنے کا موقع ہو اور اس بات کی آزادی ہو کہ کس چیز سے دور رہنا چاہیے تو دور رہے۔ ہر فرد انسانی کو بنیادی آزادیوں کی ضمانت اس لیے ضروری ہے کہ آخرت میں جواب دہی اور جزا و سزا انفرادی ہو گی:

وکلّهم اٰتیه یوم القیامة فرداً. [مریم: ۹۵]

ان میں سے ہر شخص قیامت کے دن خدا کے حضور میں اکیلا اور خالی ہاتھ حاضر ہونے والا ہے۔

الّا تزر وازرة وّزر اُخریٰ. و أن لیس للإنسان إلّا ما سعیٰ. [النجم: ۳۷-۳۸]

یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ بھی نہیں مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہو۔

بنیادی آزادیوں میں آزادئ ضمیر، آزادئ رائے، آزادئ اجتماع وغیرہ تمام وہ آزادیاں شامل ہیں جو معروف ہیں اور ہر آزادی اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ اس سے دوسرے افراد کی کسی آزادی کی تنسیخ یا بے جا تحدید عمل میں نہ آتی ہو اور وہ اللہ کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی کو مستلزم نہ ہو۔

Marfat.com

عدل و انصاف

قرآن کریم بتاتا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے اور ان کے ساتھ ہدایت نامے نازل کرنے کا مقصد یہ رہا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں:

لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم النّاس بالقسط. وانزلنا الحديد فيه بأس شديد و منافع للنّاس و ليعلم اللہ من ينصره و رسلَه بالغيب، انّ اللہ قویٌّ عزيز.[الحدید:۲۵]

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور بڑے منافع ہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

عدل و قسط پر قائم رہنے کی تاکید قرآن کریم کی متعدد آیات میں کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ جوینیؒ، عزالدینؒ ابن عبد السلام، ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ نے بھی اسے مقاصدِ شریعت میں شمار کیا ہے۔ اس مقصد کے تحت شریعت میں احکام دیے گئے ہیں اور اس کے لیے نیا اجتہاد بھی کیا جائے گا۔(۴۰) عدل و انصاف کو صراحت کے ساتھ مقاصد شریعت میں شمار کرنے کی آواز حال میں احمد الخملیشی نے بھی اٹھائی ہے۔(۴۱)

Marfat.com

ازالۂ غربت اور کفالت عامّہ

اسلام چاہتا ہے کہ ہر فرد انسانی کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔ اسے بھوکا اور بے گھر نہ رہنا پڑے تاکہ وہ امتحان زندگی میں صحیح اور غلط، اچھے اور برے کے درمیان انتخاب میں کسی لالچ، لاچاری یا دباؤ سے آزاد رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کو یک گونہ فوقیت عطا کی ہے اور ایسے امکانات بکھیر دیے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولقد مکّنکم فی الأرض وجعلنا لکم فیھا معایش، قلیلا ما تشکرون. [الاعراف:۱۰]

ہم نے تمھیں زمین میں (اختیارات کے ساتھ) بسایا اور تمھارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا۔ مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

عام حالات میں اپنی ضروریات کی تکمیل ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور معذور افراد کی کفالت ان کے اہل خاندان کو کرنی ہے۔ مگر جو کوئی بالکل ہی بے سہارا ہو اس کی بنیادی ضروریات پوری کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: 'جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔'(۴۲) 'جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔'(۴۳)

عزالدینؒ ابن عبدالسلام نے سیّدنا عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: 'لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں'۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ امام

Marfat.com

ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرے تاکہ ان کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ وہ اللہ ربّ العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں۔ حکمرانوں پر مسلمانوں کے جملہ حقوق کے بارہ میں یہ جملہ کتنا جامع اور واضح ہے۔(۴۴)

متعدد اسلامی مفکرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کو مقاصدِ شریعت کی تحصیل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔(۴۵) چنانچہ جوینیؒ نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

(اسلامی) علاقہ میں موجود لوگوں کے تحفظ کے لیے اب جو کام باقی رہ گیا ہے وہ ایسے لوگوں کی دیکھ بھال ہے جو ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ہوں۔ ہم نے اُوپر بتایا ہے کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی صوبہ جات کے ذریعہ اور حاجت روائی کے نظام اور فاقہ کشوں کی دست گیری کے ذریعہ ہوگی---۔ حاجت روائی اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا تعلق ایک طرح کی اصولی بحث سے ہے۔ ہو سکتا ہے کسی مجموعہ فقہ میں اس پر بحث نہ ملے۔ امام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی کفالت اور نگرانی کو اپنی اہم ترین ذمہ داریوں میں شمار کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنے سارے ساز و سامان سمیت کسی مفلس مسلمان کی تکلیف کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔(۴۶)

جیسا کہ ہم نے اُوپر واضح کیا، کسی کام کو مقصودِ شریعت قرار دینے کا مطلب

Marfat.com

یہ ہے کہ ایک طرف تو شریعت کے معلوم احکام اور ان کے باہمی ربط کو سمجھنے میں وہ ہماری مدد کرتے ہیں اور دوسری طرف ان سے نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قانون سازی میں مدد ملتی ہے۔

سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی نا ہمواری کو بڑھنے سے روکنا۔

اسلام نے انسانی عز و شرف پر زور دے کر رنگ و نسل، زبان و مذہب، یا جائے پیدائش کو اونچ نیچ کی بنیاد بنانے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ مگر سماجی مساوات بے معنی رہ جائے اگر سماج میں معاشی ناہمواری نہ صرف موجود ہو بلکہ مسلسل بڑھتی جا رہی ہو۔ معاشی امور میں اسلام حرفی مساوات کا قائل نہیں۔ انسانوں کے درمیان دولت اور آمدنی کی تقسیم میں فرق کو وہ تسلیم کرتا ہے اور اسے مٹا کر سب کو برابری پر لانا اس کے ایجنڈے میں داخل نہیں ہے۔ البتہ انسانو ں کی صلاحیتوں میں جو فرق پایا جاتا ہے اور کاروبار حیات کو سنبھالتے وقت لوگوں کے مال و املاک میں جتنا فرق ہوتا ہے اس کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں نا ہمواری بڑھتی جاتی ہے۔ اس رجحان کو آزاد چھوڑ دینا اسلام کے تصورِ حیات کے منافی ہے۔ اسلام اس رجحان کی روک تھام کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ دولت صرف امیروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے بلکہ سب لوگوں کو ملے۔ شریعت میں اس مقصد کے تحت دیے جانے والے اَحکام کا کافی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک خاص موقع پر ایک مخصوص حکم کے ضمن میں قرآن نے اس مقصود کی صراحت بھی کر دی ہے:

ما افآء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فلِلّٰہ و للرسول ولذی القربیٰ

Marfat.com

و الیتمیٰ والمساکین و ابن السبیل. کی لا یکون دولة بین الا غنیاء منکم. [الحشر: ۷]

ان آبادیوں کے جن اَموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور رسول کے قربت داروں، نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص ہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت تمھارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کرتی رہ جائے۔

آیت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت کا امیروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے پر پابندی ضروری ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے متعدد فیصلے اسی مقصد کے تحت کیے۔[۴۷]

جب ہم اپنے زمانہ یعنی اکیسویں صدی کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو اس مقصد کی صراحت اور اس پر زور دینے کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب سامانِ زیست کی پیداوار بہت زیادہ ہے۔ انسانی آبادی بڑھنے کے باوجود دنیا میں اتنی غذائی اجناس پیدا ہو رہی ہیں کہ کسی کو بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔ مگر قوموں کے اندر اور اَقوام عالم کے درمیان دولت و آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواریوں نے اب بھی یہ ممکن نہ بنایا کہ دنیا سے فقر و فاقہ کا خاتمہ کیا جا سکے۔

اَمن و اَمان اور نظم و نسق

جیسا کہ جوینیؒ نے لکھا ہے،[۴۸] امن و امان نہ ہو تو جان خطرے میں رہے گی اور نظم و نسق کا برا حال ہو تو مال کسی کام کا نہیں رہتا۔ شریعت امن و امان قائم رکھنے اور نظم و نسق درست رکھنے کو مقصود رکھتی ہے۔ وہ حکمرانوں کو اس

Marfat.com

کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ قرآن کریم میں زمین کو فساد سے پاک کرنے اور اس کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلام نے نظم ونسق کی خلاف ورزی اور امن درہم برہم کرنے والوں کی سزا بہت سخت رکھی ہے:

انّما جزٰؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً ان یقتّلوا او یصلّبوا او تقطّع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض، ذٰلک لھم خزیٌ فی الدنیا و لھم فی الاٰ خرۃ عذابٌ عظیم. [المائدہ:۳۳]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بد تر سزا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے، حال کے زمانے میں اس موضوع پر طاہر ابن عاشور نے لکھا ہے، ان کے نزدیک: ''(شریعت اسلامیہ میں) قانون سازی کا عام مقصود نظام عالم کا تحفظ ہے، اس طرح کہ وہ ہمیشہ اچھی حالت میں رہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کی جائے جو بالفعل اس پر قابو رکھتے ہیں، یعنی بنی نوع انسان''۔(۴۹)

بین الاقوامی سطح پر باہمی تعامل اور تعاون

مسلمانوں کو سارے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ان سے کہا گیا ہے کہ اسلامی زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر رہیں، اور دنیا بھر کے باشندوں کے سامنے ان کا رول وہ ہو جو اللہ کے رسول ﷺ کا ان کے درمیان رہا:

وکذٰلک جعلنکم امّۃ وسطاً لتکونوا شھدآء علی النّاس و یکون الرسول علیکم شھیداً--- [البقرہ:۱۴۳]

اور اس طور پر ہم نے تم کو بہترین اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن کر رہو اور رسولؐ تم پر گواہی دینے والا ہو۔

ان کے ذمہ ایک بڑا کام ہے جس کا تعلق دنیا کے سارے باشندوں سے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے:

کنتم خیر امّۃٍ اخرجت للنّاس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ--- [آل عمران:۱۱۰]

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے برپا کیا گیا ہے، بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اُمت کا مقصود شریعت کا مقصود ہوا۔ اس مقصد کی ادائیگی کے لیے غیر مسلم انسانیت تک پہنچنا، ان سے ہم کلامی، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، اور ایک ایسی فضا بنائے رکھنا ضروری ہے جس میں وہ اطمینان کے ساتھ مسلمانوں سے معاملات کر سکیں۔ چنانچہ موجود اور معلوم احکام شرعی ایسا ہی نقشہ پیش کرتے ہیں۔ عام انسانوں سے نیک کاموں میں تعاون اس نقشہ کا ایک اہم جزء ہے:

و تعاونوا علی البرّ والتقویٰ و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان، واتّقوا اللہ، انّ اللہ شدید العقاب..... [المائدہ: ۲]

Marfat.com

نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دو مگر ظلم اور گناہ میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

البتہ جب کوئی گروہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر اتر آئے اور ان کی جان و مال، عزت و آبرو وغیرہ کے لیے خطرہ بن جائے تو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بتائیں گے، دنیا کے موجودہ حالات میں اس مقصد کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا اقتدار تھا۔ اب صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اس مقصد کے تحت اب اس سے مختلف اقدامات کی ضرورت ہے جو گزشتہ زمانہ میں تجویز کیے گئے تھے۔

نئے اجتہاد میں مقاصدِ شریعت کا رول: تاریخی شواہد

مقاصدِ شریعت کے بیان کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے نئے اجتہاد میں مدد مل سکتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس نظر سے حال کے مسائل اور مستقبل میں اُٹھ سکنے والے سوالات کا جائزہ لیں، مناسب ہو گا کہ دیکھیں ماضی میں کیے جانے والے اجتہاد میں مقاصد نے یہ کردار کیسے ادا کیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اجتہاد کا تعلق صرف فقہی مسائل سے نہیں بلکہ اس کے دائرہ میں تدبیر مملکت، اسلام کی دعوت، اصلاح عالم اور قیام امن جیسے امور بھی شامل ہیں۔

اسلام کی دعوت کا سب سے بڑا مفاد جس کی حفاظت ضروری ہے، یہ ہے کہ عام انسانوں کے سامنے نبیِ کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کی تصویر نہ بگڑنے پائے،

Marfat.com

کیوں کہ دعوت الی اللہ کی قبولیت کا انحصار بڑی حد تک اس پر ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد اور انس کے ساتھ دیکھیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ اگر کسی صحیح بلکہ بعض اعتبار سے ضروری اقدام سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو، یا دشمن اسے غلط معنیٰ پہنا سکتا ہو تو اس مفاد کی خاطر اسے نہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی دو حدیثیں اس اہم اصل کی تصدیق کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دیواروں (یعنی حطیم کعبہ)(۵۰) کے بارے میں پوچھا، کیا وہ بیت اللہ کا جزء ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! میں نے پوچھا، پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپؐ نے فرمایا: تمھاری قوم کے پاس خرچہ کم پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا: (کعبہ کا) دروازہ اُونچا کیوں بنا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھاری قوم والوں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں اندر جانے سے روک دیں۔ تمھاری قوم کے لوگوں کے کچھ ہی زمانہ پہلے جاہلیت کا شکار رہنے کے سبب مجھے دیواروں (یعنی حطیم) کے بیت اللہ میں داخل کرنے اور اس کے دروازہ کو زمین کی سطح پر لانے میں یہ ڈر ہے کہ ان کے دل (اسلام سے) پلٹ جائیں گے۔

آپ ہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمھاری قوم کے لوگ کچھ ہی دنوں پہلے جاہلیت کا شکار نہ رہ چکے ہوتے تو میں حکم دیتا کہ بیت اللہ کو ڈھا دیا جائے پھر اس کے اندر وہ (رقبہ) میں داخل کر دیتا جو اس سے باہر نکال دیا گیا ہے اور اسے سطح زمین سے ملا دیتا، نیز اس کے دو دروازے بنا دیتا، ایک مشرقی دروازہ اور ایک مغربی دروازہ۔ اس طرح میں اسے اصل ابراہیمی بنیادوں پر بحال (قائم) کر دیتا۔(۵۱)

Marfat.com

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب آپؐ سے کہا گیا کہ جو لوگ پکے منافق اور دشمن اسلام ہیں ان کو قتل کرنے کی اجازت دے دیں تو آپ ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو گا کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔ (۵۲)

یہ دونوں مثالیں بتاتی ہیں کہ دعوت اسلامی کے عظیم کلی مقاصد کی خاطر جن کا تعلق سارے انسانوں سے اور ہمیشہ تک کے لیے ہے، ایسے کام بھی چھوڑے جا سکتے ہیں جو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوں۔ جیسا کہ ہم آئندہ بتائیں گے، آج کے حالات میں ان نظائر سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

تدبیر مملکت میں دور رس اہمیت کے طویل المیعاد مقاصد کے پیش نظر کیے جانے والے ایسے اقدامات کی متعدد مثالیں خلفاءِ راشدین کے یہاں ملتی ہیں جو عام حالات میں اختیار کیے جانے والے احکام سے مختلف ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کو مال غنیمت کی تقسیم کے فارمولہ کے مطابق فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کی بجائے انھیں سرکاری ملکیت قرار دینے کا جو تاریخ ساز فیصلہ کیا وہ اس کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا جب آپ کی توجہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کے بعض ناقابل قبول نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی: ''عمرؓ جابیہ آئے تو انھوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ معاذؓ نے آپ سے کہا: خدا کی قسم پھر تو وہی ہو گا جو آپ کو ناپسند ہے۔ اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کر دیا تو بڑے بڑے علاقے ان (موجودہ) لوگوں کو مل جائیں گے۔ پھر یہ مر جائیں گے تو (وراثت کے ذریعہ) یہ زمینیں کسی ایک مرد یا عورت کے ہاتھ میں

Marfat.com

آ جائیں گی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ (اسلام میں داخل ہو کر) آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر ان کو کچھ نہ مل سکے گا۔ آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجئے جو آج کے مسلمانوں کے لیے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی مفید ہو۔(۵۳)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے ایک شخص کا معاملہ آیا جس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے کہا اسے چھوڑ دو۔ جب یہ بات اس شخص تک پہنچی تو اسے شاق گزری اور اس نے زکاۃ ادا کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ آپ کی اجازت سے اس کی زکاۃ قبول کر لی گئی۔(۵۴)

اگر حضرت عمر بن عبد العزیز قانون کی فوری اور حرفی تنفیذ پر اصرار کرتے، یا خلیفۂ رسول ﷺ، حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کو ہی اسلام سمجھتے (جنھوں نے بجا طور پر مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کیا تھا) تو کیا نتیجہ نکلتا؟ مگر آپ کی نظر مقاصد شریعت پر رہی ہو گی، اپنے زمانے کے حالات بھی سامنے رہے ہوں گے اور فرد متعلق کی نفسیات بھی، جو آپ نے یہ اچھوتا طریقہ اختیار کیا۔

نئے اجتہاد میں مقاصد شریعت کا رول: امکانات

اکیسویں صدی تک آتے آتے دنیا بہت سی تیز رفتار تبدیلیوں سے گذری جن تبدیلیوں کے سبب امت مسلمہ کو متعدد نئے مسائل کا سامنا ہے۔ یہاں ہم جزئی امور میں پیش آمدہ مسائل کا ذکر نہیں کریں گے۔ ان مسائل سے نبٹنے کے لیے متعدد فقہی مجالس اور شریعہ کونسلوں کا قیام عمل میں آچکا ہے جنھوں نے طبّی مسائل، سماجی معاملات اور لین دین سے متعلق فتوے دیئے ہیں۔ ان فتوؤں میں بسا اوقات ضروریات خمسہ اور مقاصد شریعت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔(۵۵) مگر

Marfat.com

زیادہ اہم مسائل وہ ہیں جن کا تعلق امت مسلمہ کے اس مشن سے ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ عام انسانوں تک بندگیِ رب کی دعوت پہنچانا، ان سے نبی آخرالزمان کا تعارف کرانا، نیز ان کے مزاج اور معروفات کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے تعلیمات دین کی تشریح کرنا اور پہلے سے ان کے دل و دماغ میں جو سوالات اور شبہات پائے جاتے ہوں، کے جواب دینا--- یہ کام تقاضا کرتا ہے کہ اسلام کے لیے کام کرنے والے اپنی ان ترجیحا ت اور طریق کار پر نظر ثانی کریں جو اب سے سو سال پہلے مقرر کی گئی تھیں۔ یہ نظر ثانی دو وجہوں سے ضروری ہے۔ ایک یہ کہ موجودہ طریقے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں اور دوسری یہ کہ جن علماء اور مفکرین نے موجودہ ترجیحات اور طریقے طے کیے تھے، ان کے سامنے نہ تو اکیسویں صدی کے حالات تھے نہ وہ تجربات جن سے مسلمان اورتحریکِ اسلامی گزشتہ دہائیوں میں گذرے ہیں۔

موضوع تفصیل طلب ہے مگر ہم یہاں صرف تین ایسے مسائل کا ذکر کریں گے جو بنیادی نوعیت کے ہیں اور اسلامی ایجنڈے کی باقی تفصیلات کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں اسلامیان عالم کو اپنا موجودہ رویہ بدلنا ہوگا تاکہ وہ مقاصد حاصل کیے جا سکیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، یعنی سارے انسانوں کے سامنے اسلام کی ترجمانی، قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ یہ مسائل ہیں: غیرمسلم انسانیت سے تعامل، مسلمان عورت کا سماجی اور دعوتی رول اور گلو بلائزیشن سے پیدا ہونے والے مواقع سے اسلام کے حق میں کام لینا۔

غیرمسلم انسانیت سے تعامل

موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کے غیرمسلموں کے ساتھ تعلقات میں

Marfat.com

دعوت اسلامی کو بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے اسباب ماضی کے حالات میں پائے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دنیا کے بیشترمسلمانوں پر غیر مسلم حکمرانی کر رہے تھے اور اسلامی تحریکیں بھی ان غیر مسلم طاقتوں سے آزادی کی لڑائی لڑ رہی تھیں۔ پھر صورت حال بدلی، اب دنیا کے دو تہائی مسلمان ایسے ممالک میں رہتے ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مگر ان ممالک میں ان غیر مسلموں کے ساتھ تعامل دعوت اسلامی کے مفاد میں نہیں کیا جاتا، الّا ماشاء اللہ، اس طرف نہ مسلمان حکومتوں کی توجہ ہے، نہ ان ملکوں کی اسلامی تحریکوں کی، نہ عام مسلمانوں کی۔ دنیا کے ایک تہائی مسلمان جو غیر مسلم اکثریتوں کے درمیان رہتے ہیں، زیادہ تر خود کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنا اصل کام یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے دین، کلچر، زبان وغیرہ کو اکثریت کی جارحیت یا تسلط پسندی سے بچائیں۔ کچھ مسلمان افراد، جماعتیں اور حلقے اس سطح سے بلند ہو کر بے لوث داعیانہ کردار ادا کرنے کی کوشش کرتے بھی ہیں تو عام مسلمانوں کے مدافعانہ کلچر کی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھنے پاتی۔

یہ تو رہی بات عمل کی، مگر ہمارا موجودہ دینی فکر بھی غیر مسلم انسانیت کے ساتھ ایسے تعامل میں ہماری رہنمائی سے قاصر ہے جس کا امت مسلمہ کا مشن تقاضا کرتا ہے۔ یہ فکر دوسری تا چھٹی صدی ہجری ایک ایسی ذہنی فضا میں ترتیب پایا ہے جب مسلمان دنیا کے واحد سپر پاور تھے۔ غیر مسلم انسانوں کو اسلامی فقہ نے اسلامی حکومت کے تحت رہنے والے ذمی، عارضی طور پر مقیم مستأمن یا اسلامی حدود کے باہر محارب کے خانوں میں بانٹ کر دیکھا اور ان کے ساتھ ان کا تعامل طاقت کے زیر سایہ بننے والے ان خانوں پر مبنی رہا۔ یہ خانے جو اقتدار کے تقاضوں اور سیاسی ضروریات کے تحت بنے تھے اب بھی ہمارے ساتھ ہیں

Marfat.com

جب نہ اقتدار رہا نہ وہ سیاسی حالات رہے۔ آج دنیا میں مسلمان حقیقی قوت و اقتدار سے محروم ہیں۔ جو مسلمان ممالک خود مختار کہلاتے ہیں وہ بھی عالمی سطح پر امریکہ، برطانیہ وغیرہ کے زیرنگیں خود کوئی فیصلہ کرنے کی طاقت سے محروم ہیں۔ نہ وہ اپنا فیصلہ دوسروں پر نافذ کر سکتے ہیں نہ اپنے اوپر امریکہ، برطانیہ وغیرہ کی طرف سے تھوپے جانے والے کسی فیصلہ سے گریز کر سکتے ہیں۔ جو مسلمان اقلیّت میں ہونے کی وجہ سے فیصلہ کن طاقت سے محروم ہیں، وہ اپنے ملکوں میں، آبادی میں اپنے تناسب کے اعتبار سے بھی حکمرانی میں شریک نہیں ہیں۔

ضروری ہو گیا ہے کہ مسلمان، خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں اور ان کے عوام ہوں یا اقلیتی ممالک کے عام مسلمان اور ان کی دینی اور سیاسی قیادت ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر کتاب و سنّت سے ازسرنو رہنمائی حاصل کریں۔ اس کے بغیر وہ اس بڑے مقصد کی خدمت نہیں کر سکتے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ نئی رہنمائی اس لیے بھی ضروری ہے کہ قدیم فکر کے زیر اثر بعض مسلمان افراد اور گروہ غلط راہ پر جا پڑے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے ساتھ داعیانہ تعامل کی راہیں نکالنے کی بجائے امریکہ، برطانیہ اور بعض دوسرے ممالک کے حکمران ٹولے کی جارحیت کا حوالہ دے کر پورے مغرب کو دشمن اسلام قرار دیئے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان وہی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے لگتے ہیں جس میں اقلیتی ملکوں کے مسلمان پہلے سے مبتلا ہیں۔ یہ دفاعی پوزیشن انھیں داعیانہ کردار کے لیے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر المیہ یہ پیش آیا ہے کہ بعض مسلمان گروہ اہل مغرب پر حملہ آور ہونے کو بہترین دفاع قرار دے کر وہ کارروائیاں شروع کر دیتے ہیں جن کا سلسلہ پندرہ، بیس برس سے بعض افریقی ممالک، سعودی عرب، فلپین، انڈونیشیا امریکہ، اسپین اور برطانیہ وغیرہ میں

Marfat.com

جاری ہے۔ انہی کارروائیوں کو بنیاد بنا کر امریکہ اور برطانیہ کے موجودہ حکمرانوں نے افغانستان اور عراق کو جارحیت کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ خود ان مغربی ممالک کے لاکھوں انسانوں نے جس طرح ان جارحانہ کارروائیوں کے خلاف احتجاج کیا اس سے ہمیں ایک دوسرا ہی اشارہ ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم مغرب سے برسرجنگ ہونے کے غلط مفروضے پر صف آرائی کرتے ہوئے اپنے اصل مشن کو پس پشت ڈال دیں، بلکہ الٹے ایسے طریقے اختیار کریں جس سے انسانوں کی نظر میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تصویر بگڑے، ہمیں ان لاکھوں انسانوں کی ہمدردی اور اپنی مظلومیّت کے سہارے اسلام کی صحیح تصویر ابھارنے اور اس کی تعلیمات کا دامن ان تشدد بھری کارروائیوں سے پاک دکھانے کی کوشش کرنی چاہیے جو چند نادان دوست انجام دے رہے ہیں۔

اسلامی سماج میں خواتین کے کردار کی بحالی

اُوپر ہم نے دیکھا کہ کس طرح ایک خاص دور کے فقہی احکامات کو غیر مسلم انسانیت کے ساتھ مسلمانوں کے تعلّقات کی دائمی اور عمومی اساس سمجھ بیٹھنے کی غلطی عام انسانیت کے باب میں مقاصدِ شریعت سے غفلت اور بسا اوقات ان کی خلاف ورزی پر منتج ہوئی۔ اسی طرح مسلم معاشرہ میں خواتین کے رول پر اجنبی ماحول میں احتیاط اور سدّباب کے ذریعہ کیے گئے اقدامات کے ایسے دبیز غلاف چڑھ گئے ہیں جو مقاصدِ شریعت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ امت کے جس مشن کی انجام دہی میں مرد اور عورت برابر کے شریک قرار دیئے گئے تھے مسلمان عورتوں کو اس سے معزول کر دیا گیا ہے۔ 'عورت کا مقام گھر کے اندر ہے' جیسے کلیہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم انسانیت سے، بشمول ان کی

Marfat.com

عورتوں کے، مسلمان عورت کا کوئی ربط باقی نہ رہا۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان عورت اپنے آپ کو درج ذیل آیات کی مخاطب سمجھے اور ان کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے:

کنتم خیر امّۃ اخرجت للنّاس، تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ..... [آل عمران:۱۱۰]

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانیت کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

والمؤمنون والمؤمنٰت بعضھم اولیآءُ بعض، یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر--- [توبہ:۷۱]

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہو کر نیکی کا حکم دیتی ہیں اور بدی سے روکتی ہیں۔

یہاں اس تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں کہ اخرجت للناس سے 'عورت کا دائرہ کار گھر کے اندر' کا تاریخی سفر کن مراحل سے گزرا اور ہر مرحلہ میں وقتی مصالح، مقامی عادات اور اجنبی اثرات کو کتنا دخل تھا۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا اصل کردار وہ ہے جو محولہ بالا آیات سے سامنے آتا ہے اور اس موضوع پر تشفی بخش لٹریچر موجود ہے کہ عہدِ رسالت کس طرح عورت کے اس وسیع اور فعال سماجی کردار کا آئینہ دار تھا(۵۶)۔ یہاں صرف اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ عورت جملہ اسلامی آداب معاشرت کی پابندی کے ساتھ عامّۃ الناس کی نسبت سے اسلامی مشن کی انجام دہی میں حصہ لے سکتی ہے جس پر امت اسلامیہ کے مردوں کی طرح وہ بھی مامور ہے۔ کب، کیا اور کیسے کا فیصلہ انفرادی حالات اور مقامی

Marfat.com

ضروریات کے تحت کیا جا سکتا ہے اور یہ فیصلہ عورتیں خود بھی کر سکتی ہیں۔

مسلمان عورت کو کارِ دعوت میں برابر کا شریک سمجھنے کا اثر صرف غیر مسلم دنیا سے ہمارے تعامل تک نہیں محدود رہے گا بلکہ اس کا اثر ہمارے گھروں اور محلوں پر بھی پڑے گا۔ تبدیلی رفتہ رفتہ آئے گی لیکن پھر وہ نمونے کا ڈھانچہ (Stereotype) ٹوٹ جائے گا جس کا حوالہ دے کر ساری دنیا کی عورتوں کو اسلام سے بدظن کر دیا گیا ہے۔ اس نمونے کے ڈھانچے میں مسلمان گھرانے میں مرد حاکم ہوتا ہے اور عورت تابع مطلق۔ زندگی کا نقشہ کچھ ایسا بنتا ہے گویا یہ کائنات مردوں کی آماج گاہ ہے اور عورتیں مردوں کے لیے بنائی گئی ہیں۔ مسلمان معاشرہ میں عورت کے حقیقی کردار کی بحالی کے ساتھ ان بہت سے جزئی فقہی احکام پر بھی نظر ثانی کی جا سکے گی جن میں ابتدائی زمانہ کے عربوں کے عرف و عادت کا لحاظ رکھا گیا تھا، جنھیں قرآن کریم کی طرف سے دوام کی سند حاصل نہیں ہے۔ یہ نظر ثانی اگر مذکورہ بالا مقاصدِ شریعت کے پیش نظر ہو گی تو اکیسویں صدی کا مسلمان معاشرہ مسلمان عورت کے لیے ایک نیا ضابطۂ آداب مرتب کر سکے گا جسے جمہور کی رضامندانہ تائید اور رضاکارانہ تعمیل حاصل ہو سکے گی۔

گلوبلائزیشن کے پیدا کردہ مواقع سے اسلام کے حق میں کام لینا

رسل و رسائل اور مواصلات کے اندر انقلابی تبدیلیوں نے فاصلے محو کر دیئے ہیں۔ ہر جگہ کے لوگوں کو دوسری جگہ کے لوگوں کا حال اور ان کے خیالات آسانی سے معلوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے ساری دنیا میں نئی امنگیں اور نئے حوصلے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو ترقی زمین کے ایک گوشے میں دکھائی دیتی ہے دوسرے گوشے کے لوگ سوچتے ہیں ہم بھی ایسے بن سکتے ہیں۔ جو آزادیاں ایک جگہ

Marfat.com

میسر ہیں دوسری جگہوں کے لوگ بھی انھیں حاصل کرنا اپنے لیے ممکن سمجھتے ہیں۔ لوگوں کے لیے مشترکہ مقاصد کی خاطر باہم تعاون کرنا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ ظلم کے خلاف احتجاج ہو یا انصاف کا مطالبہ، دور دراز کے لوگوں کا یک زبان ہو کر اٹھ کھڑے ہو جانے میں اب زیادہ دیر نہیں لگتی۔ دنیا کے سکڑ کر ایک گاؤں جیسی ہو جانے کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کی معروف بھلائیوں کی طلب میں کوئی پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ کسی کو یہ گوارا نہیں کہ وہ انسانی عز و شرف، بنیادی آزادی، عدل و انصاف اور حاجاتِ زندگی کی تکمیل سے محروم رہے یا اس کے ساتھ برابری کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ مگر بدقسمتی سے دنیا میں چھایا ہوا سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے طرز زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو ساری دنیا کے انسانوں کے ان حوصلوں کے پورے ہونے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ ذاتی منفعت کی بیش از بیش تحصیل سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی محرک قوت ہے۔ مگر یہ قوت کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں دوسرے افراد انسانی کے مفاد سے ٹکراتی ہے اور انسانی سماج کے اجتماعی مصالح کی تحصیل سے قاصر رہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ فکر کا دامن کسی ایسی بنیاد سے خالی ہے جو انسان کو دوسرے انسانوں کے مفاد اور اجتماعی مصالح کا لحاظ رکھنا سکھائے۔ یہ کام اخلاق کا ہے، اور اخلاق کے لیے ٹھوس دائمی بنیاد روحانیت فراہم کرتی ہے جس سے سیکولر مادیت محروم ہے۔

مغربی سرمایہ داریت کی دوسری بڑی کمزوری وہ تسلط پسندی اور اس سے پیدا ہونے والے دوہرے معیار ہیں جو اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے ساتھ تعامل میں یورپ اور پھر امریکہ نے کبھی کھلے دل سے برابری کا سلوک نہیں کیا۔ پہلے کی طرح آج گلوبلائزیشن کے نئے دور میں بھی وہ اپنے سے باہر

Marfat.com

کی انسانیت کو اپنا تابعدار رکھنا چاہتے ہیں۔ اس خرابی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ مغربی سرمایہ داریت ان ما بعد الطبیعی افکار کے چوکھٹے سے باہر نکل چکی ہے جو بنی نوع انسان کے ایک خاندان قرار پانے اور سارے انسانوں کے بھائی بھائی ہونے کی بنیاد بنتا ہے۔

اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کے زیر سایہ سماجی مساوات، معاشی عدل اور جمہوریت کو مضبوط بنیادیں فراہم کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اسلام سے باہر کے لوگوں کے لیے آزادئ ضمیر کے ساتھ جینے کا حق تسلیم کر کے تکثیری معاشرہ (plural society) کے لیے میدان وسیع کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر، گلوبلائزیشن دنیا کے سارے انسانوں، بالخصوص ایشیا اور افریقہ کے عوام میں جو امنگیں اور حوصلے پیدا کر رہا ہے ان کو پورا کرنا صرف اسلام کے لیے ممکن ہے۔ البتہ یہ خواب جبھی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب اسلام کے علمبردار اپنے موجودہ طور طریقے بدل کر اسلام کے ترجمان بن جائیں۔ مسلمانوں کو ایک نئی شناخت حاصل کرنی ہو گی جو توحید، مکارمِ اخلاق، سماجی مساوات، معاشی عدل اور سچی جمہوریت کی آئینہ دار ہو۔

ہماری مشکل یہ ہے کہ آج ہم نہ صرف یہ کہ اس شناخت سے محروم ہیں بلکہ عام انسانوں کو ہمارے اندر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے یہ معلوم ہو کہ ہمیں ان کی بھلائی مقصود ہے، ہم ان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم افراد ہوں یا حکومتیں، دوسروں کے سامنے زیادہ تر لینے والے کی حیثیت سے آتے ہیں نہ کہ دینے والے کی حیثیت سے۔ باہر والوں کی نسبت سے ہم زیادہ تر اندیشہ ناک اور خائف نظر آتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اپنے خول کے اندر سمٹ کر اپنا بچاؤ کرنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور اس بچاؤ کے لیے ہماری حکومتیں انہی

Marfat.com

مغربی طاقتوں کا سہارا ڈھونڈتی ہیں جن کے ستم سے دنیا پریشان ہے۔

معاصر دنیا کو اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ پچاس سے زیادہ ان ممالک کے علاوہ بھی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، دنیا کے سو سے زیادہ باقی ممالک میں بھی مسلمان بستے ہیں۔ ان میں سے اکثر ملکوں میں مسلمانوں کو دوسروں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ البتہ کچھ تاریخی اسباب کی بنا پر، اور آج کل کچھ نئے حادثوں کی وجہ سے غیر مسلم اکثریتوں کے دل میں مسلمان اقلیتوں کی طرف سے شک و شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان بے بنیاد شبہوں کے ازالہ کے بغیر مسلمان وہ نئی شناخت نہیں پیدا کر سکتے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جو مسلمانوں کے امت مسلمہ کے مشن کے لیے کام کر سکنے کی شرط بن چکا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جرمنی کے مسلمانوں نے ایک چارٹر شائع کیا ہے جس کا مقصد برادرانِ وطن کو اس بات کی یقین دہانی ہے کہ مسلمان بھی بنیادی اخلاقی قدروں اور اجتماعی زندگی کے معروف آداب کے اسی طرح پابند ہیں جیسے وہ لوگ (۵۷)۔ انسانوں کے درمیان اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائے گئے حالیہ شبہات کے ازالہ اور حسن ظن اور اعتماد کی بحالی کے لیے مقاصدِ شریعت کی روشنی میں کی جانے والی کوشش کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات بابِ اوّل

۱۔ ابواسحاق الشاطبی: الموافقات فی اصول الشریعة، قاہرہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔ بلاتاریخ۔
نیز ملاحظہ ہو:
Muhammad Khalid Masud, *Islamic Legal Philosophy---A Study of Abu Ishaq Al-Shatibi's Life and Thought*, Islamabad: The Islamic Research Institute (1977),Chapter 8.

۲۔ امام الحرمین الجوینی: البرھان فی اصول الفقه، قاہرہ، ۱۴۰۰ھ۔ تحقیق: عبدالعظیم الدیب۔ جلد۲، صفحات ۷۶۸۔۷۹۰، ۸۲۸، ۹۲۳۔۹۲۵، ۹۳۷ اور ۱۳۳۸۔ نیز ملاحظہ ہو: احمد الریسونی: نظریة المقاصد عند الا مام الشاطبی، ریاض، الدار العالمیه للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۲ء

۳۔ امام الحرمین الجوینی: الغیاثی (غیاث الامم فی التیاث الظلم) قطر، ۱۴۰۱ھ

۴۔ ایضاً: مقدمہ از عبدالعظیم الدیب، صفحہ ۶۰

۵۔ ایضاً: صفحہ ۱۸۰۔۱۸۱

۶۔ ایضاً: صفحہ ۲۱۲ اور صفحات ۲۶۶۔۲۶۷ وغیرہ

۷۔ ایضاً:صفحہ ۲۳۷۔۲۳۲

۸۔ ایضاً: صفحہ ۲۶۶۔۲۶۷، فقرہ ۳۷۸

۹۔ ابو حامد الغزالی: المستصفیٰ فی اصول الفقه، قاہرہ، مطبعہ امیریہ، بولاق، ۱۳۲۲ھ، جلد ۱،صفحہ ۲۸۷

۱۰۔ ایضاً: جلد ۱، صفحہ ۳۱۰

۱۱۔ ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۳۱۱

۱۲۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے فقہی کارناموں میں مصالح مرسلہ اور استحسان کی اہمیت سمجھنے کے لیے ابوزہرہ کی کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:
محمّد ابو زہرہ : الامام ابو حنیفةؒ، قاہرہ، دارالفکر العربی، ۱۹۷۷ء

Marfat.com

محمد ابو زھرہ: مالکؒ قاہرہ، دارالفکر العربی، ۱۹۵۲ء

۱۳۔ ابو اسحق شاطبی: محولہ بالا، جلد ۱، صفحہ ۵ اور صفحہ ۷۸

۱۴۔ ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۲۵

۱۵۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۸۹

۱۶۔ ایضاً: جلد ۴، صفحات ۲۷۔۳۰، نیز ملاحظہ ہو:

Muhammad Khalid Masud, *Islamic Legal Philosophy, A Study of Abu Ishaq al-Shatibi*, Islamabad, Islamic Research Institute (1977).

۱۷۔ ابو اسحق شاطبی: محولہ بالا، جلد۴، (القسم الخامس، کتاب الاجتہاد) صفحہ ۱۶۲۔۱۶۳۔۱۶۵ ا

۱۸۔ ایضاً: صفحہ ۲۳۳

۱۹۔ ایضاً: صفحہ ۲۳۸

۲۰۔ عزالدین ابن عبدالسلام: قواعد الاحکام فی مصالح الانام، قاہرہ، مطبعہ حسینیہ، ۱۹۳۴ء، نیز دیکھیے:

تقی الدین احمد ابن تیمیہ: السیاسة الشرعیه فی احکام الراعی والرعیة دارالکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۵ء

وہی مصنف: مجموعة الرسائل والمسائل، بیروت، الدارالعلمیہ، ۱۹۸۳ء

شمس الدین محمد ابن القیم: اعلام الموقعین عن ربّ العالمین، المطبعة المنیریہ، مصر۔ بلا تاریخ

وہی مصنف: الطرق الحکمیه فی السیاسة الشرعیة مطبعة المؤید، مصر، ۱۳۱۸ھ

۲۱۔ ابن تیمیہ: مجموعة الرسائل والمسائل، جلد ۴۔۵، صفحات ۱۷۴۔۱۷۵

۲۲۔ ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو ابو زھرہ کی کتاب: ابن تیمیة، قاہرہ، دارالفکر العربی۔ بلاتاریخ

۲۳۔ ابن القیم: اعلام الموقعین، جلد ۳، صفحہ ۱۔

۲۴۔ ایضاً: جلد ۴، صفحہ ۳۰۹۔ ۳۱۱

۲۵۔ عزالدین ابن عبد السلام: قواعد الاحکام، صفحہ ۴

۲۶۔ ایضاً: صفحہ ۶۵۔۶۶

۲۷۔ ابن تیمیہ: مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیة، ریاض، ۱۳۹۸ھ۔ جلد ۳، صفحہ ۱۱۷

Marfat.com

۲۸۔ شہاب الدین احمد القرافی: الفروق، بیروت، عالم الکتاب، ۱۳۴۷ھ، جلد۱،صفحہ ۱۔

۲۹۔ علی احمد الند وی: القواعد الفقهیة، دمشق، دارالقلم، ۱۹۹۴ء

۳۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: حجّة الله البالغة، بیروت، دار المعرفہ، بلاتاریخ۔ جلد ۱، صفحہ ۹۵

۳۱۔ ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۱۷۷

۳۲۔ اس نکتہ پر ملاحظہ ہو، مظہر بقاً: اصول فقه اور شاه و لی الله۔ اسلام آباد، ادارۂ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۳ء۔ صفحہ۲۷۱۔۲۷۲

۳۳۔ محمد الطاہر بن العاشور: مقاصد الشريعة الا سلا مية، تونس، ۱۳۶۶ھ۔ صفحہ ۶۳

۳۴۔ ایضاً: صفحہ ۱۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو:

اسماعیل الحسنی: نظرية المقاصد عند الامام محمّد الطاهر ابن العاشور، واشنگٹن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔ صفحہ ۶

35. Ibn Ashur, *Treatise on Maqasid al-Shariah*, Translated by Mohamed el-Tahir el-Mesawi, London,Washington, International Institute of Islamic Thought, (2007), page 27

۳۶۔ علال الفاسی: مقاصد الشريعة الاسلامية و مكارمها، الدار البیضاء، ۱۹۸۳ء۔ صفحہ ۷

۳۷۔ احمدالخملیشی: وجهة نظر،مطبعۃ النجاح الجدید، الدار البیضاء،۱۹۸۸، بحوالہ احمد الریسونی، محولہ بالا، صفحہ ۳۵۸

۳۸۔ محمد سعد بن احمد بن مسعود الیوبی: مقاصد الشريعة الاسلامية و علاقتها بالا د لة الشرعية، ریاض، دار الھجر ة، ۱۹۹۵ء

نیز احمد الریسونی: محولہ بالا، واشنگٹن، المعہد العالمی للفکرالاسلامی، ۱۹۹۲ء

(الف) محمد مصطفیٰ ا لزحیلی، مقاصد الشريعة، صفحہ ۳۱۵

(ب) ماذن موفق هاشم: دعوتنا الى التجديد والتوسيع فى المقاصده (۱۹۹۶)

mail@alrashad.org

(س) ابراہیم الکیلانی، فی مظاهر التجديد فى المبحث المقاصدی

ibrahim@almutlak.net

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ الجوینی: محولہ بالا، صفحہ ۲۰۱۔۲۰۲، ابن القیم: اعلام الموقعين، جلد ۴، صفحہ ۳۷۳۔۳۷۵

Marfat.com

۴۱۔ احمد الخملیشی: محولہ بالا، الدار البیضاء، مطبعۃ النجاح۔۱۹۸۸ء، بحوالہ: احمد الریسونی، محولہ بالا، صفحہ ۳۵۸ اور اسماعیل الحسنی، محولہ بالا، صفحہ ۶۱

۴۲۔ ترمذی: سنن، ابواب الفرائض، ماجاء فی میراث المال

۴۳۔ ایضاً، ابواب النکاح؛ ابو داؤد: سنن، کتاب النکاح

۴۴۔ عزالدین ابن عبد السلام: محولہ بالا، جلد ۱، صفحہ ۱۴۸

۴۵۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریۂ ملکیت، صفحہ ۴۰۶۔۴۵۴۔ دہلی، مرکزی مکتبہء اسلامی، ۱۹۹۴

۴۶۔ الجوینی: محولہ بالا، صفحہ ۲۳۲۔ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۲ اور صفحہ ۲۴۴

۴۷۔ محمد نجات اللہ صدیقی: محولہ بالا، صفحہ ۴۵۵۔۴۶۸

۴۸۔ الجوینی: محولہ بالا، صفحہ ۲۱۲

۴۹۔ طاہر بن العاشور: محولہ بالا، صفحہ ۶۳

۵۰۔ بیت اللہ شریف میں کعبہ کی عمارت اور مقام ابراہیم کے درمیان نیچی دیوار سے گھیری ہوئی جگہ جس کو طواف کرتے وقت اپنے بائیں طرف رکھنا ضروری ہے۔

۵۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری: صحیح، کتاب الحج، باب فضل مکۃ و بنیانہا۔ بیروت، المکتبۃ العصریہ، ۲۰۰۲، جلد اوّل، صفحہ ۴۷۲، حدیث نمبر ۱۵۸۵

۵۲۔ مسلم: صحیح، حدیث نمبر ۱۰۶۳، باب ذکر الخوارج وصفاتھم۔ نیز ملاحظہ ہو: مسلم، صحیح، حدیث نمبر ۱۰۶۴ اور بخاری، صحیح، حدیث نمبر ۳۱۳۸

۵۳۔ تفصیلات کے لیئے ملاحظہ ہو، ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۵۹۔قاہرہ ۱۳۵۳ھ

۵۴۔ الشاطبی: محولۂ بالا، جلد ۱، صفحہ ۲۸۹۔۲۹۰

۵۵۔ اسلامی فقہ اکیڈمی، جدہ۔ Islamic Fiqh Academy, Resolutions and Recommendations of Islamic Fiqh Academy 1985--2000, Jeddah, Islamic Development Bank/Islamic Research and Training Institute, (2000).

۵۶۔ عبد الحلیم ابو شقہ: تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ کویت، دار القلم ،۱۹۹۰، ۶ جلدیں ۔ اردو ترجمہ: خواتین کی آزادی عہدِ رسالت میں (تلخیص ڈاکٹر احمد کبیسی، ترجمہ شعبہ حسنین ندوی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی۔ واشنگٹن) نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز۔ تاریخ اشاعت درج

Marfat.com

نہیں۔

۵۷۔ انگریزی سہ ماہی، انکاؤنٹرس (لیسٹر،انگلستان) جلد ۸، شمارہ ۲، ستمبر ۲۰۰۳، صفحہ ۱۷۹۔۱۸۴

Central Council of Muslims in Germany, [ZMD] (2002)
Islamic Charter.

Marfat.com

دوسرا باب

مقاصدِ شریعت اور معاصر اسلامی فکر
وقائع اور امکانات

طریقۂ بحث کی تلاش

اس باب میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ گذشتہ نصف صدی سے دنیائے اسلام کو جن نئے حالات سے سابقہ ہے، ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے جدید مسائل پر غور و فکر اور ان کے بارے میں حکم شرعی کی دریافت کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں، ان میں مقاصدِ شریعت کو کیا مقام حاصل رہا ہے۔[۱] ایسی آراء کی نشان دہی کی جائے گی جو مقاصد شریعت کی روشنی میں اختیار کی گئی ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی جائیں گی کہ بعض مسائل پر فتویٰ دینے میں مقاصد شریعت کو کماحقہ سامنے نہ رکھنے سے کیا اثر پڑا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ جدید فقہی مسائل اور بدلے ہوئے حالات میں دعوت و اصلاح کے کاموں میں مقاصد شریعت کو رہنما بنانے سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس عمل میں کامیابی کے لیے عام مسلمانوں، علماءِ شریعت اور جدید علوم کے مسلمان ماہرین کو کیا کرنا ہو گا۔ اس اندیشہ کا بھی تجزیہ کیا جائے گا کہ اس طرح انتشار پھیلے گا اور اجتہاد کے نام پر طرح طرح کی آراء اور متضاد طرز عمل نمودار ہوں گے۔ البتہ آخر الذکر تین نکات[۲] اس باب میں زیر بحث نہیں آ سکیں گے، بلکہ ان پر آئندہ روشنی ڈالی

Marfat.com

جا سکے گی۔ یہ باب اس بات کے لیے راہ ہموار کرے گا کہ ہم مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ و منہاج (Methodology) متعین کر سکیں۔

عالم اسلامی میں نئی فکری لہر

بیسویں صدی کی درمیانی دہائیوں میں بوجوہ مسلمانوں کے درمیان غور و فکر کا عمل بہت تیز ہو گیا اور ایسا ہونے میں بہت سے عوامل کو دخل تھا۔ بہت سے مسلمان ممالک جو مغربی سامراج کے زیرِ حکمرانی تھے، رفتہ رفتہ آزاد ہوتے گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۵ء میں انڈونیشیا سے شروع ہوا اور ۱۹۶۳ء میں الجزائر کی آزادی پر ختم ہوا۔ اس سے پہلے دو سو سال تک عالمِ اسلامی میں تجدید و احیاء اسلام کے لیے کام کرنے والی متعدد تحریکیں چل رہی تھیں۔ ساتھ ہی انقلابِ روس کے بعد سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان کش مکش نے اہلِ اسلام کو للکارا تھا کہ وہ اپنے ثقافتی ورثہ کا جائزہ لیں۔ نو آزاد مسلم ممالک کے لیے نئے دستور بنانے اور سامراجی دور کے جملہ قوانین پر نظر ثانی کا مرحلہ در پیش تھا۔ اقلیتی مسلم معاشروں سمیت ہر جگہ نئے سوالات اٹھائے جا رہے تھے جن کا تعلق معاملات، علاج معالجہ، دور دراز علاقوں میں سفر وغیرہ سے ہوتا اور مفتیانِ کرام کو ان کے جواب ڈھونڈے نہ ملتے تو کتابوں سے ہٹ کر سوچنا پڑتا۔ ادھر اسلامی تحریکوں کو بھی بالکل نئے حالات سے سابقہ پڑا۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں اب ان کا واسطہ غیر مسلم حکمرانوں سے نہیں بلکہ اسلام کے نام لیواؤں سے تھا جو اپنے عوام کی وفاداری حاصل کرنے کے لیے اسلام سے وابستگی کا دم بھرتے تھے، مگر ملکی نظام کو کم و بیش اسی انداز پر چلاتے رہنا چاہتے تھے جو ان کے پرانے آقا انھیں سکھا گئے تھے۔ غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں اسلامی تحریکوں کو اس بات کا احساس

Marfat.com

ہوا کہ انھوں نے برادران وطن سے اسلام کا تعارف کرانے کی بجائے ان سے کشمکش کا جو راستہ نوآبادیاتی حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں اختیار کر رکھا تھا وہ اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے خوش آئند نہیں ہے۔

غرض یہ کہ روز مرہ زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل ہوں یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے نئے مسائل، فقہی مشکلات ہوں یا دعوتی امنگیں، ہر طرف سے نئے غور و فکر کے مطالبے تھے۔ چنانچہ ہر سطح پر غور و فکر، بحث و مذاکرہ، کانفرنسوں، مراکز بحث و تحقیق کے قیام کا ایک سلسلہ چل پڑا جو ستر اور اَسّی کی دہائیوں میں اپنے عروج کو پہنچا جس کی بعض تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

عالمِ اسلامی کے مختلف علاقوں میں تدوین فقہ کی جو کوششیں ماضی میں ہوئیں ان کا محرک زیادہ تر یہ رہا کہ مملکت کے تمام حصوں میں ججوں اور عمّال حکومت کے سامنے ایک لکھا ہوا مجموعۂ قوانین آ جائے جس سے نفاذِ قانون میں یکسانیت پیدا ہو۔ فتاویٰ تاتارخانی جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں چودھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں ترتیب پایا[۳] اور فتاویٰ عالمگیری جو اورنگ زیب عالمگیر کے ایماء پر سترہویں صدی عیسوی میں تیار کیا گیا[۴] دونوں کا محرک یہی تھا۔ دونوں فقہ حنفی پر مبنی تھے۔ انیسویں صدی میں جب عثمانی خلافت کے زیرِ نگرانی مجلّہ احکام عدلیہ[۵] ترتیب پایا تو متعدد نئے مسائل سامنے آچکے تھے جن کا تعلق تجارت اور خارجی لین دین وغیرہ سے تھا، چنانچہ بعض مسائل میں عصری تقاضوں کے تحت دوسرے فقہی اسکولوں کی آراء اختیار کی گئیں، یہاں تک کہ مذاہب اربعہ کے باہر سے بھی رائے اختیار کی گئی۔ بقول عبد الوہاب خلّاف ''مذاہبِ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے تقلیدِ محض کی رِیت میں پڑنے والی یہ پہلی دراڑ تھی''[۶]۔ اس کے

Marfat.com

بعد مصر میں مجلّہ احکام عدلیہ کے نفاذ سے جن عملی دشواریوں کا سامنا ہوا ان کو دور کرنے کے لیے جو ترمیمات عمل میں لائی گئیں ان میں جملہ مذاہب فقہ، یہاں تک کہ منفرد فقہاء کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا، چنانچہ قانونی اصلاحات کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی، اسے ایسی آراء اختیار کرنے کی تاکید کی گئی جو ''عوام الناس کے مصالح اور سماجی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہوں''(۷)۔

نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف ثانی سے پہلے کی جانے والی ساری کوششیں تقلید مذاہب یا تقلید فقہاء کے دائرہ میں محصور رہیں۔ لیکن بیسویں صدی کے نصف آخر تک آتے آتے ایسے بہت سے مسائل سامنے آ چکے تھے جن کے بارے میں قدیم فقہی لٹریچر میں کوئی رائے نہیں مل سکتی تھی، کیوں کہ وہ مسائل کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

دستور سازی اور اسلامی قوانین کی تدوینِ جدید

بیسویں صدی کے وسط سے ہی متعدد اسلامی ممالک میں آزادی کے بعد دستور سازی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ عرب ممالک کی نئی دستور سازی میں ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوری کا نام سب سے نمایاں ہے۔ سنہوری اپنے کام میں اسلام کے فقہی سرمایہ کو پوری طرح سامنے رکھتے تھے۔(۸)

پاکستان میں اسلامی دستور بنانے کے طویل عمل میں بہت سے علماء اور ماہرین قانون نے حصہ لیا۔ ابتدائی دنوں، یعنی ۵۰ کی دہائی میں سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور محمد اَسد نے پاکستان کی دستوریہ کی ''مجلسِ تعلیمات اسلام'' کے زیرِ اہتمام کام کیا تھا۔ اس دور میں ان علماء کے نتائج فکر کا مطالعہ متعلقہ علمی مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔(۹) ۱۹۷۳ء میں نئے دستور

Marfat.com

کے نفاذ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۷۷ء کے فوجی انقلاب کے بعد اس کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ چنانچہ دستور پاکستان کے مطابق قائم کی جانے والی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے اسلامی قوانین کی تدوین جدید سے متعلق ایک وسیع لٹریچر تیار کیا۔ اجتہادی فکر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

علمی کانفرنسیں، بحث و تحقیق کے ادارے اور مجالس فقہیہ

اس دور میں بہت سی علمی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ یہاں ہم ان کانفرنسوں کا ذکر کریں گے جن کا موضوع اسلامی فقہ اور نئے مسائل میں اجتہاد سے تھا۔

۱۹۳۸ء میں یورپ کے شہر لاہائے میں قانون مقارن (comparative law) کی عالمی کانفرنس میں اسلامی قانون کے موضوع پر بھی مقالے پیش کیے گئے۔

۱۹۵۱ء میں پیرس میں ''فقہ اسلامی کا ہفتہ'' منایا گیا جس کی رُوداد علیحدہ سے چھپ چکی ہے۔[۱۰] ۱۹۶۱ء میں جامعۃ الازھر، قاھرہ میں ''مؤتمر مجمع البحوث الإسلامیۃ'' منعقد ہوئی۔

اس سے قریب کی تاریخوں میں لیبیا میں بھی اس قسم کی ایک کانفرنس یونیورسٹی کی دعوت پر منعقد ہوئی۔

۱۹۷۶ء میں جامعۃ الامام سعود، ریاض کی دعوت پر فقہ کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔

۱۹۹۲ء میں فرانس میں Muslims in the West کے عنوان سے ایک فقہی سمینار منعقد ہوا۔

Marfat.com

ان کانفرنسوں کے نتیجہ میں بعض علمی مراکز کا قیام عمل میں آیا جو آج بھی کام کر رہے ہیں۔

☆ مجمع البحوث الاسلامیہ، جامعۃ الازہر، قاہرہ، تأسیس ۱۹۶۱ء
☆ اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان، اسلام آباد، تأسیس ۱۹۶۲ء
☆ المجمع الفقہی الاسلامی، رابطۃ العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، تأسیس ۱۹۷۸ء
☆ مجمع الفقہ الاسلامی، منظمہ المؤتمر الاسلامی، جدہ، تأسیس ۱۹۸۴ء
☆ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، دہلی، تأسیس ۱۹۸۷ء

ان تمام مجامع اور مراکز کی قرار دادیں اور بحث و مذاکرہ کی روداد یں مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

ستر کی دہائی سے اسلامی مالیاتی اداروں......بنک، انشورنس کمپنی، انوسٹمنٹ کمپنی وغیرہ...... کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا جو آج بھی جاری ہے۔ تقریباً ہر مالیاتی ادارہ نے ایک شریعہ ایڈوائزری بورڈ یا ھیئۃ الرقابۃ الشرعیہ قائم کر رکھی ہے جو علماء فقہ پر مشتمل ہوتی ہے، جو ماہرین بنک کاری اور علماء اقتصاد سے بھی مدد لیتے ہیں۔ جب سے حکومتوں نے اپنے مالیاتی نظام کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے تب سے مرکزی سطح پر بھی ایسی مجالس قائم کی جاچکی ہیں، مثلاً ملیشیا اور انڈونیشیا میں مرکزی بنک کی ''فتویٰ کونسل''، سوڈان، بحرین وغیرہ میں مرکزی وزارت مالیات یا مرکزی بنک کے تحت کام کرنے والی فقہاء کی مجالس اس کی چند مثالیں ہیں۔ ان میں سے بعض مراکز اپنے فیصلے شائع بھی کرتے ہیں اور بعض سے متعلق تفصیلات ان اداروں کی ویب سائٹ پر موجود ہیں جن کا وہ جزء ہیں مثلاً بنک نگارا ملیشیا یا بحرین مانیٹری ایجنسی۔

Marfat.com

بیسویں صدی کی آخری چند دہائیوں میں مسلمانانِ عالم کی علمی اور فکری سرگرمیاں، قانون سازی، فقہی مسائل یا مالیاتی امور تک محدود نہیں رہیں۔ اقتصادیات، سیاسیات، علم النفس، سوشیالوجی، فن تعلیم و تربیت، تاریخ، جغرافیہ، ادب، آرٹ، فن تعمیر، طب، غرض کہ علوم و فنون کی شاید کوئی شاخ ہو جس میں علاقائی اور عالمی سطح پر علماء اور ماہرین فن نہ جمع ہوئے ہوں۔ ایسی ہر کانفرنس میں چند باتیں مشترک تھیں:

☆ ماضی کے اسلامی ورثہ پر فخر اور اس کے تحفظ اور دنیا کے سامنے پیش کرنے کا عزم۔

☆ عالمِ اسلامی کی یونیورسٹیوں اور بحث و تحقیق کے اداروں کے درمیان تعاون و اشتراک کے منصوبے، تاکہ اسلامی فکر کے جدید اظہار کو زیادہ سے زیادہ جامع اور مؤثر بنایا جا سکے۔

☆ ایک بہتر مستقبل کی تعمیر میں اپنے اپنے میدان میں اسلامی افکار و اقدار کی رہنمائی میں فعّال حصہ لینا۔

اس آخری بات کا 'مقاصد شریعت' سے ربط واضح ہے اور اکثر اوقات اس ربط کی صراحت کی جاتی رہی ہے۔ ہر میدان فکر میں اجتہاد پر زور دیا جاتا رہا ہے۔

تجدید و احیاء دین کی اسلامی تحریکوں نے بھی جب حالات کو بدلا ہوا پایا تو نئی سوچ کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے حالات میں نقطہ ہائے نظر میں اختلافات قدرتی بات تھی۔ چنانچہ سیاست میں حصہ لینے، مسلم اکثریتی ممالک میں موقع ملنے پر حکومت میں شریک ہونے، حکمرانوں کی ستم رانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے

Marfat.com

بوقت ضرورت قوت کے استعمال وغیرہ امور پر اسلامی تحریکی صفوں میں گرما گرم بحثیں جاری رہیں، جن کا اظہار بعض اوقات کتابوں اور مقالات کی صورت میں بھی ہوتا رہا۔ ہماری دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ان میں سے تقریباً تمام تحریروں اور تقریروں میں مقاصدِ شریعت اور روح اسلام کا حوالہ دیا جاتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ مقاصد شریعت، مصالح امّت، روح اسلام وغیرہ تصورات کا تعلق صرف معروف ''فقہی'' مسائل سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے فکر و عمل کے ہر پہلو سے ہے۔ یہ بات اصولی طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت ہے اور تجربی (empirical) سطح پر مسلمانان عالم کے گذشتہ نصف صدی کے عمل اور تعامل نے اسے عملی سطح پر بھی ثابت کر دیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اوپر کی باتوں کے خلاصہ کے طور پر یہ نوٹ کر لینا ضروری ہے کہ صدیاں تقلید میں گذارنے کے علی الرغم ''مقاصدِ شریعت'' کا تصوّر اور امورِ حیات میں اس کی طرف رجوع مسلمانوں کی ذہنی ساخت (psyche) کا ایک لازمی جزء ہے۔ جدید فکری ہلچل نے اسے زیادہ ابھار دیا ہے۔ اس بات کا اطلاق صرف علماء اور فقہاء یا جدید علوم کے ماہرین اور دانشوروں پر نہیں ہوتا، بلکہ سارے مسلمان عوام و خواص پر یہ بات منطبق ہوتی ہے، کیونکہ بدلے ہوئے حالات اور نت نئے مسائل اس شعور کو تازہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی روشنی کی ضرورت محسوس کراتے رہتے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مقاصد شریعت کے تصور اور اس سے مستفید ہونے کے طریقہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس عمل کے آداب و ضوابط طے کیے جائیں۔

Marfat.com

معاصر اسلامی فکر اور مقاصدِ شریعت: عملی مثالیں

مقاصد شریعت کو سمجھنے اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے موضوع پر ہم گذشتہ نصف صدی کا جائزہ لیں گے، تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے کہ یہ موضوع کتنا اہم ہے اور ہم آئندہ اس کے بارے میں بہتر طور پر سوچ سکیں۔ ذیل میں تین طرح کی مثالیں دی جائیں گی۔

۱۔ ایسے مسائل جن میں سابقہ ''فتویٰ'' کے مقاصد شریعت سے مغایر ہونے کی وجہ سے رجوع کر لیا گیا اور ایک نئی رائے اختیار کر لی گئی۔ اس کی مثال کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کا موضوع ہے۔

۲۔ ایسے مسائل جن میں زیادہ تر لوگوں کو پرانے فتاویٰ پر اصرار ہے، اگرچہ جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب یہ فتاویٰ مقاصد شریعت کے خادم نہیں رہے۔ صدقۂ فطر میں چند مقررہ اجناس دینے پر اصرار اور ہر حالت میں عورت کے سفر کے لیے محرم کی ہم راہی پر اصرار اس کی مثالیں ہیں۔

۳۔ ایسے مسائل جن میں بعض مجالس فقہ کے دیے ہوئے فتوے مقاصد شریعت کے منافی ہیں، جیسا کہ بعض علماء نے واضح کیا ہے۔ قطبین پر نماز روزے کے اوقات کی تعیین کا طریقہ اور اسلامی مالیاتی اداروں کا ''تورّق'' کے طریقہ پر عمل اس کی مثالیں ہیں۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

مسلمان معاشروں میں جب کرنسی نوٹ کا رواج بڑھا تو غالبًا نوٹ پر لکھی عبارت کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ کرنسی نوٹ ''مال نہیں محض سندِ مال ہے''۔[۱۱] جیسا کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ۱۹۸۹ء سمینار کی روداد پڑھنے

Marfat.com

والوں پر واضح ہو گا، اس رائے کو اختیار کرنے سے کرنسی نوٹ کی شکل میں موجود بچت پر زکوٰۃ کی فرضیت، کرنسی نوٹ کی شکل میں ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی، نیز کرنسی نوٹ کی شکل میں ادھار دی جانے والی رقموں پر سود سے متعلق احکام کا اطلاق وغیرہ بہت سے مسائل پر اثر پڑتا ہے۔ ان نتائج کو بدیہی طور پر شریعت کے منشا اور مقصد کے خلاف پاکر علماء نے اپنی رائے بدل دی جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہے:

> نوٹوں اور سکّوں کے مسئلہ میں بھی ضروری ہے کہ اسلام کے اس تصور عدل کو کلیدی اہمیت دی جائے اور فقہی جزئیات اور قدیم فقہاء کے اجتہادات کو ثانوی۔ اس لیے کہ فقہاء کی آراء اپنے عہد اور زمانہ کے اعتبار سے عین عادلانہ تھیں، مگر ضروری نہیں کہ بدلے ہوئے حالات میں بھی اقامت عدل کے لیے کفایت کر سکیں۔ (۱۲)

> کرنسی نوٹوں کا مسئلہ بھی حالات اور عرف و عادت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے اور سو سال پہلے جو حکم تھا ہر حال میں وہی باقی نہ رہے گا، بلکہ اس میں تبدیلی ہو گی۔ (۱۳)

> اگر نوٹوں میں تفاضل کو جائز قرار دیا گیا تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور وہ ساری بندشیں پامال ہو کر رہ جائیں گی جو سود پر باندھی گئی ہیں۔ (۱۴)

جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہے، چونکہ کرنسی نوٹ کو ''سند'' کی جگہ ''ثمن'' قرار دینے کا فیصلہ کسی منطقی اساس پر نہیں، بلکہ مصالح کی روشنی میں کیا گیا ہے، اس لیے بعض علماء مخصوص حالات میں سابق رائے پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اُن حالات میں کرنسی نوٹ کو سند قرار دے کر عدل کے تقاضوں

Marfat.com

کو آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے:

جہاں معاملہ ادھار اور مؤجّل ہو وہاں سند اور وثیقہ کی حیثیت کا لحاظ ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک خاص مدّت کے بعد ان کی قدر و مالیت میں یقیناً قابل لحاظ تفاوت ہوجاتا ہے جو ضرر اور اتلاف حق کومستلزم ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ اس کا لحاظ نہ رکھنا یقیناً اسلام کے قانون عدل سے میل نہیں کھاتا۔ (١٥)

کسی زمانہ میں، کسی جگہ پر، وہاں کے حالات میں عدل کا تقاضا کیا ہے۔ اس کا جواب ہمیں نص میں نہیں مل سکتا، نہ قیاس کے ذریعہ اس کا جواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں عدل کے تقاضے کی تحدید ہماری عقل ہی کرسکتی ہے۔ البتہ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ کسی ایک آدمی کی عقل پر بھروسہ کرنے کے بجائے بہت سے لوگوں کی رائے لی جائے، خاص طور پر ان لوگوں کی جو حالات سے مسلسل تعامل اور اپنے تجربہ کی بنیاد پر رائے دینے کے زیادہ اہل ہوں۔ جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے، ایسے معاملات کو اجتماعی اجتہاد اور باہمی مشاورت کے ذریعہ طے پانا چاہیے۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا

علامہ یوسف قرضاوی اپنی کتاب کیف نتعامل مع السنة النبويه: معالم و ضوابط (مطبوعہ ریاض، مکتبۃ المؤید، ١٩٩١ء) میں ''فهم الأحاديث فی ضوء أسبابها وملابساتها ومقاصدها'' (احادیث کو ان حالات اور اسباب کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت جن کے بارے میں وہ آئی ہیں، نیز ان کے مقاصد کو سامنے رکھنے کی ضرورت) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

Marfat.com

اسی قبیل کی بات وہ ہے جو بخاری اور مسلم کی روایت کردہ مرفوع حدیث میں ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں کے حوالہ سے آئی ہے کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ''عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے''۔ اس پابندی کی وجہ یہ ڈر ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کے بغیر اس زمانہ میں سفر کرتی جب اونٹ یا خچر پر بیٹھ کر مسافت طے کی جاتی تھی اور اس حال میں وہ ایسے دشت و صحرا سے گذرتی جس میں نہ آدمی نہ آدم زاد، تو ایسے سفر میں اگر عورت کو کوئی واقعی گزند نہ بھی پہنچتا تو بھی لوگ اسے شبہ کی نظر سے دیکھتے۔ لیکن اگر حالات بدل جائیں، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں واقعتاً بدل چکے ہیں اور سفر، مثال کے طور پر ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ہو جس میں سو یا زیادہ مسافر بیٹھے ہوں، یا ریل گاڑی سے ہو جس میں سینکڑوں لوگ ساتھ ہوں اور عورت کے اس طرح اکیلے سفر کرنے میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے تو شرعاً اس کے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس کا ایسا کرنا حدیث کے خلاف عمل شمار ہو گا۔(١٦)

صدقۂ فطر کی نقد کی شکل میں ادائیگی

علامہ یوسف قرضاوی اپنی محولہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں:

سنت کے الفاظ کی پابندی بعض اوقات سنت کی روح اور اس کے مقصد کی پابندی کے بجائے اس کے منافی ہوتی ہے، باوجود ظاہراً اس کے مطابق عمل کے، اس کی ایک مثال بعض لوگوں کا اس پر شدید اصرار ہے کہ صدقۂ فطر نقد کی صورت میں نہ ادا کیا جائے، جب کہ ایسا کرنے کی اجازت ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب دیتے ہیں اور اس

Marfat.com

کی اجازت عمر بن عبد العزیزؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے یہاں ملتی ہے۔

شدّت اختیار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض متعین اجناس کا نام لیا تھا: کھجور، منقّٰی، گیہوں اور جو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چاہیے کہ وہی کریں جو آپؐ نے کرنے کو کہا ہے اور اپنی رائے سے سنت کی مخالفت نہ کریں۔ ہمارے یہ بھائی لوگ اگر غور فرمائیں جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے تو ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ درحقیقت نبی ﷺ کی مخالفت وہ کر رہے ہیں، اگرچہ وہ بظاہر ان کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے سنّت کے جسم کو پکڑ رکھا ہے اور اس کی روح کو بھلا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو زمانہ اور صورتِ حال کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے صدقۃ الفطر ایسی اجناس کی صورت میں عائد کی جو لوگوں کے پاس پائی جاتی تھیں۔ ان کی ادائیگی دینے والے کے لیے بھی آسان تھی اور لینے والوں کے لیے بھی مفید تھی۔ عربوں کے درمیان اور خاص طور پر دیہات والوں کے پاس نقد سکّوں کا رواج کم تھا۔ کھانے کی اجناس دینا ان کے لیے آسان تھا اور محتاجوں کو انھی چیزوں کی ضرورت تھی۔ اسی لیے صدقہ ان اجناس کی صورت میں دینے کا حکم دیا گیا جو آسانی سے میسّر تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے (صدقہ میں) پنیر دینے کی بھی اجازت دے دی (پنیر مکھن نکالے ہوئے دودھ کو سکھانے سے بنتی ہے)۔ یہ اجازت ان لوگوں کی رعایت سے دی گئی تھی جن کو اس میں آسانی تھی، مثلاً دیہاتوں میں اونٹ، بھیڑ بکری اور گائے چرانے

Marfat.com

والے۔ جب صورت حال بدل جائے، نقد آسانی سے میسر ہو اور اجناس مذکورہ اتنی آسانی سے نہ دستیاب ہوں، یا فقیروں کو عید میں جنس کی ضرورت نہ ہو، بلکہ وہ اپنے اور اہل و عیال کے لیے دوسری چیزوں کے محتاج ہوں تو نقد کی صورت میں صدقہ دینا دینے والے کے لیے بھی زیادہ آسان ہے اور لینے والے کے لیے بھی زیادہ مفید۔ یہی طریقہ نبی ﷺ کی ہدایت اور ان کے مقصود کے مطابق قرار پائے گا۔[۱۷]

قطبین کے علاقوں (polar regions) میں نماز روزہ کے اوقات

مجمع فقہی، رابطۂ عالم اسلامی، مکّہ مکرّمہ نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک قرار داد پاس کی ہے[۱۸]۔ تمہید کے بعد قرار داد کی عبارت درج ذیل ہے:

جو کوئی ایسے ملکوں میں رہتا ہو جن میں رات اور دن میں فرق طلوعِ فجر اور غروبِ آفتاب کی بنا پر واضح ہو مگر ان کے دن گرمی میں بہت لمبے اور جاڑے میں چھوٹے ہوتے ہوں، ایسے آدمی پر فرض ہے کہ پانچوں اوقات کی نمازیں ان کے شرعی طور پر معروف اوقات میں ادا کرے۔

اس کے بعد سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۸ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۰۳ نقل کی گئی ہیں جن کے ترجمے درج ذیل ہیں:

(اے محمدؐ!) نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو۔ کیونکہ قرآن فجر مشہود (موجب حضور ملائکہ) ہوتا ہے۔

Marfat.com

......بے شک نماز فرض ہے مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقتوں میں۔

ان آیات کے بعد چند احادیث نقل کی گئی ہیں، جن کے ترجمے درج ذیل ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے نماز کا وقت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دو، ہمارے ساتھ نماز پڑھو''۔ مراد تھی دو دن۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ نے بلالؓ سے کہا: انھوں نے اذان دی، پھر ان کو کہا تو انھوں نے ظہر کی اقامت کہی۔ اس کے بعد ان سے پھر کہا تو انھوں نے عصر کے لیے اقامت کہی، پھر سورج ڈوب گیا تو آپؐ کے کہنے پر انھوں نے مغرب کی اقامت کہی۔ شفق ڈوب جانے کے بعد آپؐ کے حکم سے انھوں نے عشاء کی اقامت کہی۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم فرمانے پر فجر طلوع ہوتے ہی نماز فجر کی اقامت کہی، پھر دوسرا دن شروع ہوا تو آپؐ کے کہنے کے مطابق انھوں نے ٹھنڈا ہو جانے پر ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی اور ٹھنڈے وقت (میں پڑھنے) کو نعمت قرار دیا۔ آپؐ نے عصر ایسے وقت میں پڑھی کہ سورج کا آخری حصہ (اُفق سے) تھوڑا ہی اوپر تھا اور مغرب بھی دیر کر کے شفق غائب ہونے پر پڑھی، نیز عشاء کی نماز تہائی رات گذرنے کے بعد اور فجر اجالا ہونے کے بعد پڑھی، پھر آپؐ نے پوچھا: ''وہ صاحب کہاں ہیں جنھوں نے نماز کے اوقات دریافت کیے تھے؟'' تو وہ صاحب بولے: وہ میں ہوں یا رسول اللہ، تو آپؐ نے فرمایا: تمھاری نمازوں کا وقت ان (اوقات) کے درمیان میں ہے جو تم نے دیکھے۔

Marfat.com

(یہ روایت مسلم کی ہے۔)
حضرت عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت زوال آفتاب سے (شروع ہوتا) ہے جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو، اس وقت تک جب تک عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک دھوپ پیلی نہ پڑجائے، مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت بیچ رات تک ہے، فجر کا وقت طلوع فجر سے سورج نکلنے تک ہے۔ جب سورج نکل آئے تو نماز نہ پڑھو، کیوں کہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (یہ حدیث مسلمؒ نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ۔)
اس کے علاوہ بھی حدیثیں ہیں جو اوقات نماز کی تحدید کے بارے میں آئی ہیں، زبانی بیان کے انداز میں اور عملی طور پر۔ ان حدیثوں نے دن کے لمبے یا چھوٹے ہونے کے درمیان فرق نہیں کیا، نہ رات چھوٹی بڑی ہونے کے درمیان تفریق برتی، جب تک کہ نمازوں کے اوقات کو رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ علامات کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے دیکھا جا سکے۔

اس عبارت کے بعد روزے کے احکام ہیں، کہ جب تک دن اور رات میں فرق ممکن ہو، دن کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا لحاظ کیے بغیر دن بھر کا روزہ رکھنا ہوگا، البتہ ناقابل برداشت حالات میں افراد استثنائی احکام اختیار کر سکتے ہیں۔

اس مجلس کے ایک رکن شیخ مصطفیٰ زرقاء (وفات ۱۹۹۹ء) نے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

اس موضوع پر میری رائے اس قرار داد کے خلاف تھی، کیوں کہ جن

Marfat.com

ملکوں میں دن اور رات کا مذکورہ بالا فرق واضح ہوتا ہے ان میں اس فرق کی مدت کبھی کبھی آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کے بقدر ہی ہوتی ہے۔ یعنی رات ۲۳ گھنٹے کی اور دن صرف گھنٹہ بھر کا۔ جاڑے میں ایسا اور گرمی میں اس کے برعکس۔ جس حدیث کی بنیاد پر یہ قرار داد پاس کی گئی ہے اس کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں جزیرۃ العرب کے لوگوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ حدیث میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کہ دور دراز کے شمالی جنوبی علاقوں میں دن اور رات کے اوقات میں جو زبردست فرق پایا جاتا ہے، وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ اس حدیث میں ایسے علاقوں کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ایسا حکم اختیار کیا جائے جو مقاصدِ شریعت سے مناسبت رکھتا ہو۔ دن اور رات کے درمیان فرق واضح ہونے کی جس عمومی بنیاد پر یہ قرار داد مبنی ہے، جس میں اس زبردست فرق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو دن اور رات کی مدّتوں کے مابین پایا جاتا ہے، مقاصد شریعت کے بالکل منافی ہے اور اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ حرج دور کیا جانا ضروری ہے۔

یہ بات کسی طرح معقول نہیں کہ دن یا رات کی ساری نمازوں کو، مثال کے طور پر، آدھے گھنٹے کے اندر اندر پڑھ لیا جائے نہ یہ معقول ہے کہ ایک گھنٹہ کا روزہ رکھا جائے اور ۲۳ گھنٹے کھانے پینے کی اجازت ہو، یا اس کے برعکس۔ (۱۹)

ہمارے لیے ضروری نہیں کہ شیخ مصطفیٰ زرقاء کے تجویز کردہ حل کو بھی نقل

Marfat.com

کریں، یا اس پر بحث کریں۔ ہمارا مقصد اس مخصوص مسئلہ کی تنقیح نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ بعض اوقات بڑی پختہ دلیلوں پر مبنی فیصلے، جن کو وقت کے بعض ممتاز علماء اور فقہاء کی تائید حاصل ہو، مقاصدِ شریعت سے مغائر ہو سکتے ہیں۔ ہمارے سوچنے کا مدار یہ نہیں ہونا چاہیے کہ فتویٰ کس نے دیا ہے، بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ فتویٰ مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں۔

طویل المیعاد ٹھیکوں میں ادائیگیاں

اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے کہ مذکورہ بالا فقہی مجلس مقاصد شریعت کی روشنی میں سوچنے کی جگہ ہمیشہ ہر حال میں نصوص سے استدلال اور قیاس پر ہی تکیہ کرتی ہو گی، ہم اسی مجلس کی ایک اور قرار داد کی آخری سطریں نقل کریں گے۔(۲۰) اس قرار داد کا تعلق کاروباری ٹھیکوں اور معاہدوں کے ضمن میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور ان سے متعلق حقوق پر، حالات میں واقع ہونے والی غیر متوقع تبدیلیوں سے ہے۔ ایسی صورت حال ان کاموں کے سلسلہ میں پیش آتی ہے جن کی تکمیل کے لیے لمبی مدت درکار ہوتی ہے، جیسے کسی بہت بڑی بلڈنگ کی تعمیر کا ٹھیکہ، یا کسی ہسپتال وغیرہ میں بعض اشیاءِ استعمال کی مسلسل فراہمی کا ٹھیکہ وغیرہ۔ پورے کام کا معاوضہ ابتدا ہی میں طے ہو جاتا ہے، جب کہ متعلقہ اشیاء یا خام مواد کی قیمتوں اور مزدوریوں میں وقت کے ساتھ غیر معمولی اتار چڑھاؤ واقع ہو سکتا ہے۔ مجلس نے ایسی صورت میں معاہدہ میں عدالت کے توسط سے ایسی تبدیلیوں کی اجازت دی ہے جو فریقین کے درمیان عدل و انصاف بحال کر سکیں۔ قرارداد کے پورے متن کا حوالۂ بالا کی مدد سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ہماری دلچسپی کا باعث یہ آخری فقرہ ہے:

مجلس فقہی اِس حل کو جو شریعت کے اصولوں کی مدد سے نکالا گیا ہے،

Marfat.com

> معاہدہ کے دونوں فریقوں کو اس انصاف کی ضمانت دینے والا سمجھتی ہے جو ہم پر فرض ہے۔ اس طرح کسی ایک فریق کو ایسے اسباب کی بنا پر، جن کے پائے جانے میں اس کا کوئی دخل نہیں، ناقابل برداشت نقصان اٹھانے سے بچایا جا سکتا ہے۔ یہ حل حکمت سے لبریز، شرعی فقہ کے مطابق اور شریعت کے قواعد اور مقاصد عامہ نیز اس کے عدل سے قریب تر ہے۔[۲۱]

قرار داد کے یہ الفاظ شاہد ہیں کہ اس مخصوص مسئلہ میں مجلس نے عدل و انصاف کی ضمانت دینے اور مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ ایک قابل قبول رائے تک پہنچی ہے، جب کہ اسی مجلس نے ایک دوسرے مسئلہ میں ایک ایسی رائے اختیار کی جو، جیسا کہ شیخ مصطفیٰ زرقاء نے لکھا ہے، معقول اور قابل عمل نہیں معلوم ہوتی۔ ہم یہ بات اس لیے نوٹ کر رہے ہیں کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں بار بار ایسی صورت حال کا سامنا ہو گا، ضروری ہے کہ اس میں سب کے لیے قابل قبول آراء تک پہنچنے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہمارے اختیار کا مدار فتویٰ دینے والے اشخاص پر نہیں، طریقہ (Process) پر ہونا چاہیے۔

تورّق

فقہی استدلال کے ذریعہ ''حکم شرعی'' کی دریافت کی ایک ایسی مثال، جو اپنے نتائج کی بنا پر ہمارے نزدیک مقاصدِ شریعت سے مغائر ہے، 'تورّق' کا وہ صیغہ ہے جو بعض اسلامی مالیاتی اداروں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ طریقہ طلب گاروں کو نقد فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ نقد تمویل کا طلب گار

Marfat.com

کسی ایسے اسلامک بنک کے پاس جائے جو تورّق[۲۲] پر عمل پیرا ہو تو اس کی مشکل حل ہو سکتی ہے۔ وہ بنک کے توسّط سے کوئی چیز...... موٹر کار، یا پلاٹینم کی ایک مقدار...... ادھار خریدتا ہے۔ اس عمل کے نتیجہ میں وہ بنک کا، ایک متعین رقم (مثلاً ۵ لاکھ) کا دَین دار ہو جاتا ہے جو اسے طے شدہ مدّت میں ادا کرنا ہے۔ دوسرا عمل اس چیز کو بنک کے توسط سے نقد کے عوض، مثلاً چار لاکھ میں فروخت کرنا ہے۔ اس طرح وہ چیز اپنے مالک کے پاس واپس پہنچ جاتی ہے، نقد کے طلب گار کو نقد مل جاتا ہے، مگر وہ اس رقم سے زیادہ رقم کا مقروض ہو جاتا ہے جو اسے ملی ہے۔ بنک کے لیے یہ ایک نفع بخش کاروبار ہے کیوں کہ اسے تھوڑا نقد ادا کر کے ، کچھ عرصہ بعد، زیادہ نقد ملنے والا ہے۔

جو لوگ فقہی استدلال کی بنا پر 'تورّق' کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ مثال میں دونوں عمل الگ الگ جائز ہیں، کسی چیز کو ادھار خریدنا اور اسی چیز کو نقد کے عوض فروخت کرنا۔ اگر پہلا معاملہ (Contract) دوسرے سے مشروط نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان معاملات کو ناجائز قرار دیا جائے۔ اس فقہی استدلال کے جواب میں فقہی استدلال کی بنا پر تورّق کو ناجائز قرار دینے والے اسے ''عینہ''[۲۳] کے برعکس معاملہ قرار دیتے ہیں اور عینہ اور اس کے برعکس معاملہ دونوں حرام ہیں، چنانچہ شیخ مصطفیٰ زرقاء نے لکھا ہے کہ ''علماء نے صراحت کی ہے کہ حرمت کے معاملہ میں عینہ اور اس کا الٹا عمل دونوں برابر ہیں کیوں کہ احادیث میں یہی بتایا گیا ہے۔''[۲۴]

بہت سے نئے مسائل کی طرح 'تورّق' کے مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ جزئی (Micro) سطح پر فقہی استدلال کی روشنی میں جواز یا عدم جواز، اور کلّی (Macro) سطح پر اس سے حاصل ہونے والے مصالح اور اس سے پیدا ہونے

Marfat.com

والے مفاسد کا موازنہ۔ اس موضوع پر ابھی تک جو تحریریں سامنے آئی ہیں وہ زیادہ تر پہلی قسم کی ہیں۔ زیادہ تر بحثیں جزئی استدلال اور انفرادی سطح پر تجزیہ وتحلیل (Micro analysis) تک محدود ہیں۔

اسلامی معاشیات پر اب تک کے لٹریچر میں سودی لین دین کے برے نتائج کے بیان میں چند اہم باتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

۱۔ سود پر قرض دینے کے رواج کے نتیجہ میں قرض پر مبنی سندات وتمسکات کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ معیشت میں حقیقی اشیاء اور خدمات (real goods and services) کی نسبت سے قرض پر مبنی کاغذات کے حجم کا بڑھتے رہنا بازارِ زر (money market) میں سٹہ بازی کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کی محنت اور ذہانت اشیاء و خدمات کی پیداوار کے ذریعہ نفع کمانے کے بجائے مالیاتی بازار میں سٹہ بازی (Speculation) کے ذریعہ نفع کمانے میں صرف ہونے لگتی ہے۔

۲۔ جس معیشت میں زر کی مقدار قرض کی مقدار سے وابستہ ہو وہ عدم استقرار کا شکار رہتی ہے۔ جب بھی کوئی بینک ''قرض'' دیتا ہے معیشت میں زر کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے جیسے قرض کی مقدار بڑھتی ہے زر کی مقدار بھی بڑھتی ہے۔

۳۔ انسان کا ماحول صرف مرور زمانہ کی بنا پر نقد سرمایہ میں بڑھوتری کی ضمانت نہیں دیتا۔ نقد سرمایہ کو پیداوار (Production) اسی صورت میں بنایا جا سکتا ہے جب اس سے حقیقی اشیاء اور خدمات خریدی جائیں، وہ پیداواری عمل سے گذریں، پھر نتائج پیداوار کو نقد کے عوض فروخت کیا جائے۔ یہ عمل پرخطر ہے، ضروری نہیں کہ آخر میں جو نقد آیا وہ شروع میں لگائے

Marfat.com

ہوئے نقد سے زیادہ ہو۔ بنا بریں تھوڑا نقد دے کر کچھ مدت کے بعد زیادہ نقد کا مطالبہ یعنی سودی قرض عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

۴۔ جس معاشرہ میں تھوڑا نقد دے کر زیادہ نقد لینے کا طریقہ عام طور پر رائج ہوتا ہے اس میں دولت اور آمدنی کی تقسیم دن بدن زیادہ ناہموار ہوتی جائے گی، یعنی عدم مساوات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہ صورت حال معاشی توازن، سماجی ہم آہنگی اور امن و امان کے لیے خطرہ ہے۔

مذکورہ بالا لٹریچر میں اِن نکات کے علاوہ بھی نکات سامنے آئے ہیں جن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[۲۵] یہاں ہم اسی قدر پر اکتفاء کریں گے۔ چونکہ ہمیں صرف اس بات پر زور دینا ہے کہ 'تورّق' کا چلن عام ہو تو وہی صورت حال پیدا ہوگی جو سودی قرض کے رواج سے پیدا ہوتی ہے جس کے مفاسد کا اسلامی معاشی لٹریچر نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ سودی قرض اور 'تورّق' کے ذریعہ تمویل دونوں کا حاصل ایک ہے، کم نقد لے کر زیادہ نقد کا دَین دار یا مقروض ہو جانا۔ عملی زندگی میں نتائج کا انحصار قرض کی سندات اور تمسّکات کے پھیلاؤ پر ہو گا، قطع نظر اس کے کہ یہ سندات اور تمسّکات براہ راست سودی قرض کے نتیجہ میں وجود میں آئے یا ادھار خرید اور نقد فروخت کے دو علیحدہ علیحدہ مگر بیک وقت عمل میں آنے والے اقدامات کے نتیجہ میں، دونوں صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جو سندِ قرض کسی معاملہ کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے اس کے مقابل حقیقی معیشت (real economy) میں کوئی سامان نہیں ہوتا (جیسا کہ ادھار مال فروخت کرنے یا مرابحہ کی صورت میں ہر قرض کے بالمقابل کوئی سامان ہوتا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ سندات قرض کی مقدار بڑھتی جاتی ہے اور اشیاء و خدمات کی مجموعی مقدار سے اس کا مضبوط رشتہ نہیں ہوتا۔ سندات قرض خواہ سودی قرض کے نتیجہ

Marfat.com

میں وجود میں آئیں یا تورّق کے عمل کے پہلے قدم کے نتیجے میں، مآلِ کار ایک ہی ہے۔ مصالحِ عامہ کا تقاضا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مقاصد شریعت کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ قمار کی قسم کی سٹہ بازی کے فروغ کا قلع قمع کیا جائے۔ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی عدم مساوات کو بڑھنے سے روکا جائے اور سرمایہ داروں اور ان کا سرمایہ استعمال کرنے والوں کے درمیان معاملات کو عدل و انصاف کا پابند رکھا جائے۔(۲۶)

جو علماء 'تورّق' کے جواز کا فتویٰ دے کر اسلامی مالیات کے حلقہ میں اس کا فروغ کر رہے ہیں ان کو حسبِ ضرورت ماہرین اقتصادیات کے تعاون سے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ 'تورّق' کے پھیلاؤ کے نتیجہ میں اسلامی مالیاتی نظام بھی ان ہی نتائج کو سامنے لائے گا جو مروّجہ سودی نظام سامنے لا رہا ہے۔ اگر وہ اس پر مطمئن ہوں تو انھیں جزئیات کی بنیاد پر جواز کا فتویٰ دینے کے بجائے کلیات اور مقاصد کی روشنی میں 'تورّق' کو ممنوع قرار دینا چاہیے۔

راقم الحروف یہ سمجھتا ہے کہ جن علماء نے 'تورّق' کو جائز رکھا ہے ان کی نظر بعض انفرادی مشکلات پر ہے اور انھوں نے مسئلہ کے اس اجتماعی پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔ چند سال قبل ایک ایسی فقہی مجلس میں حاضری کا موقع ملا جس کی صدارت سعودی عرب کے سابق مفتی شیخ بن باز رحمہ اللہ کر رہے تھے۔ شرکاء میں شیخ عبد اللہ بن عثیمین، شیخ بکر ابو زید، شیخ یوسف قرضاوی، شیخ صدیق الضریر وغیرہ اکابر علماء شامل تھے۔ مجلس میں 'تورّق' کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ شیخ یوسف قرضاوی اور شیخ صدیق الضریر نے عدم جواز کے حق میں دلائل دیے اور آخر وقت تک اپنی رائے پر قائم رہے، مگر مجلس نے کثرت رائے سے جواز کا فتویٰ دیا۔ اس سے پہلے سعودی عرب کے ایک اہم سابق مفتی، شیخ ابراہیمؒ جواز کا فتویٰ دے

Marfat.com

چکے ہیں، اس کے حوالہ سے شیخ بن بازؒ نے کہا کہ بعض اوقات کوئی بے چاری ماں اپنی بچی کے علاج یا شادی کے لیے نقد کی ضرورت مند ہوتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں کوئی اس کی مدد کو یا قرض حسن دینے کو آگے نہیں بڑھتا اس لیے 'تورّق' کی گنجائش باقی رکھنا ضروری ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات ایسی ضرورت پیش آ سکتی ہے جو نقد سے ہی پوری ہو سکتی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں کسی سے 'قرض حسن' ملنا دشوار ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے جو نفع آور کاروبار کے طور پر قائم کیے جاتے ہیں اور جن کو اپنے بے شمار کھاتہ داروں کے مفاد میں کاروبار چلانا ہوتا ہے 'قرض حسن' دینے کی نہ تو اہلیت رکھتے ہیں نہ صلاحیت۔ بنابریں طلب گاروں کو بوقت ضرورت قرض حسن کی فراہمی ایک اہم اور فوری طور پر توجہ طلب مسئلہ ہے، جسے حل کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں پہلے سے کچھ تجاویز موجود ہیں اور حال میں بھی نئی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔[۲۷] اس مسئلہ پر غور وفکر کے بعد جلد کوئی عملی شکل اختیار کرلینی چاہیے۔

لیکن اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ''تورّق'' کا دروازہ کھولنا درست نہیں۔ ہمیں اس بات سے بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ 'تورّق' کتنی تیزی سے پھیلا ہے اور اس کے پھیلاؤ کا اثر دوسرے ''اسلامی'' طرق تمویل پر کیا پڑا ہے۔ اسلامی فقہ کا مسلّمہ اصول ہے کہ اجتماعی مصالح کو انفرادی مصالح پر ترجیح دی جائے گی۔ تورّق کا جواز بعض ضرورت مندوں کی مشکل حل کر کے انفرادی مصالح کا تحفظ کر سکتا ہے، مگر کلّی سطح پر وہ اسلامی معیشت کو سودی معیشت کی طرح کا بنا کر اُسی جیسی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔

Marfat.com

طریقۂ بحث (Methodology)

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ معلوم کرنے میں ہمیں اس سے بڑی مدد ملے گی کہ اوپر دی ہوئی مثالوں[۲۸] کا تجزیہ کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکم شرعی تک کس طرح پہنچا گیا۔ ان مثالوں کے تجزیہ سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

☆ ایک رائے یا فتویٰ کو اس لیے ترک کیا گیا کہ اس پر عمل سے مقاصد شریعت مجروح ہو رہے تھے، خراب نتائج یا مفاسد پیدا ہو رہے تھے۔

☆ ایک دوسری رائے یا فتویٰ کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ وہ مقاصد شریعت کے مطابق نظر آئے، ان کے ذریعہ اہم مصالح حاصل ہوئے۔

☆ کسی رائے پر عمل کے نتیجہ میں مفاسد کا ظہور، یا شریعت کے منشاء کے خلاف نتائج کا سامنے آنا، اس بات کی پہچان انسانی عقل و تجربہ نے کی۔

☆ یہ بات کہ نئی رائے یا فتویٰ مصالح کی تحصیل کر دے گا (یا کر رہا ہے) اور مقاصد شریعت کا خادم ہے، انسانی عقل و تجربہ نے معلوم کی۔

☆ بعض حالات میں محسوس کیا گیا کہ پہلا حکم موجودہ حالات سے بالکل مختلف صورت حال کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ (مثلاً عورت کے بغیر محرم سفر کرنے کا حکم یا شدید ضرورت میں نقد کو تورّق کے ذریعہ حاصل کرنے کی اجازت)۔

☆ بعض حالات میں یہ محسوس کیا گیا کہ پہلا حکم شارع نے اس مخصوص صورت حال کے لیے نہیں دیا تھا جو زیر غور ہے (مثلاً قطبین کی لمبی راتیں اور بہت چھوٹے دن، یا اس کے برعکس)۔

Marfat.com

☆ مذکورہ بالا دونوں احساسات مشاہدہ و تجربہ اور عقل پر مبنی ہیں، نہ کہ نص یا قیاس پر۔

بعض مال داروں کے مال سے فقراء کا حق نہ نکلنا، کرنسی نوٹ کی شکل میں تھوڑا نقد دے کر بعد مدّت زیادہ نقد کا مطالبہ کرنا، تنہا سفر کے عملاً محفوظ و مامون ہونے کے باوجود عورت کو اس سے روک دینا، اہل حاجت کے لیے عید کے دن نقد کا جنس سے زیادہ مفید ہونے کے باوجود ایسا نہ ہونے دینا، کبھی گھنٹہ بھر میں چار نمازیں پڑھنا اور باقی ۲۳ گھنٹوں میں ایک نماز پڑھنا، معیشت میں قرض کی اسناد کی بہتات کا معیشت کے لیے مضر ہونا...... ان نتائج کے مقاصدِ شریعت کے خلاف ہونے کا فیصلہ ایک مرکب عمل ہے۔ اس میں قرآن و سنت سے مصالح معتبرہ کو سمجھنا بھی داخل ہے اور اس بات کی تحدید بھی کہ عالم واقعہ میں یہ مصالح مجروح ہو رہے ہیں۔

آئندہ مباحث میں ہم مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ (Methodology) متعین کرتے وقت اس تجزیہ کو سامنے رکھیں گے۔

ان نتائج پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ ایک دائمی شریعت زمان و مکان کی تبدیلیوں سے اسی طرح عہدہ برآ ہوسکتی ہے۔ اوپر ہم نے جو مثالیں دی ہیں ان کا تعلق تازہ حالات سے ہے، لیکن اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ عہدِ نبوّت اور عہدِ صحابہؓ کے بعض نظایر کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں۔[۲۹] یہاں ایک ایسی مثال دی جا رہی ہے جس کا تعلق دوسری تا چوتھی صدی ہجری سے ہے جب فقہ اسلامی کی تدوین عمل میں آ رہی تھی۔

Marfat.com

تسعیر (اشیاء کی قیمتوں کی تعیین) کی مثال

ڈاکٹر عبد الحمید ابو سلیمان (۳۰) لکھتے ہیں کہ

فقہاء کرام نے سنت نبویؐ کی واضح عبارتوں کے باوجود تسعیر، یعنی قیمتوں کی تعیین (Price control) کے حق میں فتویٰ دیا، حالانکہ وہ ہمیشہ نص کی پابندی پر اصرار کرتے تھے اور سنت میں منقول واقعات کی بنا پر جزئی قیاس کے ذریعہ 'حکم' تک پہنچنا چاہتے تھے (ان کے اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا) سبب یہ تھا کہ اگر وہ قیمتوں کی تعیین کے حق میں فتویٰ نہ دیتے تو ظلم واقع ہوتا۔ انھوں نے قیمتیں مقرر کر دینے کے حق میں اس لیے فتویٰ دیا کہ اس کے بغیر بازار کے حالات پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بغیر سماجی نظم قائم رکھنا اور معیشت میں بحیثیت مجموعی توازن برقرار رکھنا ممکن نظر نہیں آیا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ بازار کے معاملات اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں اربابِ اقتدار کی مداخلت کے بغیر توازن بحال کیا جا سکے۔ قیمتیں مقرر کیے بغیر معاشی ظلم کا سدِّ باب ممکن تھا نہ ضرورت مندوں کو ان لوگوں کے استحصال سے بچایا جا سکتا تھا جو اشیاء فروخت کیا کرتے تھے۔ (۳۱)

یہ بات کہ اشیاء کی قیمتیں نہ مقرر کی گئیں تو ظلم و استحصال عام ہو جائے گا اور قیام عدل جیسا اہم مقصدِ شریعت پامال ہو گا، عقل و تجربہ کی روشنی میں دریافت کی گئی۔ پچھلی مثالوں کی طرح یہ مثال بھی مقاصدِ شریعت کی روشنی میں حکمِ شرعی تک پہنچنے کے منہج (Methodology) کے بارے میں اہم رہنمائی کرتی

Marfat.com

ہے۔

ایک اہم سوال

اختلاف نصوص قرآن و سنت کو سمجھنے میں بھی ہوتا رہا ہے اور نصوص کی بنیاد پر قیاس میں بھی۔ لیکن یہ خیال بے بنیاد نہیں کہ مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت میں اختلاف کا امکان زیادہ ہے تو پھر یہ اختلاف کیسے دور ہو گا؟ کیا کسی ایک رائے تک پہنچنا ممکن ہو گا جس کی بنیاد پر کوئی اجتماعی فیصلہ کیا جا سکے؟ جہاں تک اجتماعی امور میں مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا عمل 'شوریٰ' کا طالب ہو (بمصداق نص: اَمْرُهُمْ شُورىٰ بَيْنَهُمْ) موجودہ زمانہ میں شورائی عملی کی شکلیں کیا ہوں گی؟ کیا اس پورے عمل میں عدلیہ کا بھی حصہ ہو گا؟ اور اگر ہو گا تو کیا؟ آئندہ مباحث میں ہم ان امور پر غور کریں گے تاکہ بالآخر مقاصدِ شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کے طریقہ (Methodology) کی تحدید کر سکیں۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب دوئم

۱۔ مقاصد شریعت سے کیا مراد ہے اور اس کو سمجھنے اور برتنے کی تاریخ پر پہلے باب میں گفتگو کی جا چکی ہے۔

۲۔ دعوت اور بین الانسانی تعلقات میں مقاصد شریعت کو رہ نما بنانا۔ عام مسلمانوں، علماء اور ماہرین علوم جدیدہ کے کرنے کے کام۔ انتشار فکر و عمل سے بچنے کا اہتمام۔

۳۔ چراغِ راہ، کراچی، اسلامی قانون نمبر، حصہ اوّل، جلد ۱۲، شمارہ ۶، جون ۱۹۵۸ء، صفحہ ۴۱۱

۴۔ تاریخ تکمیل ۱۶۷۰ء، حوالۂ بالا، ص:۳۹۹

۵۔ ملاحظہ ہو حوالۂ بالا، ص:۴۱۴، تاریخ تکمیل مجلّہ ۱۸۷۷ء

۶۔ عبد الوہاب خلّاف، خلاصة تاريخ التشريع الإسلامي، کویت، دارالقلم، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۰۳

۷۔ حوالہ بالا، ص: ۱۰۳-۱۰۴

۸۔ د۔ محمد عمارہ، السنھوری و احياء علوم الشريعة الإسلامية، المجتمع، کویت، عدد۱۳۶۹، ۲۸ ستمبر۱۹۹۹ء، ص:۴۲-۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو، عبد الرزاق احمد السنہوری: مصادر الحق فی الشرع الإسلامی، جلد۱، قاہرہ، ۱۹۵۴ء، جلد۲، قاہرہ، ۱۹۵۵ء اور مصطفیٰ احمد الزرقاء، المدخل الفقھی العام، جلد۱، ص: ۹-۳۰۸، دمشق ۱۹۹۸ء۔

۹۔ ملاحظہ ہو: چراغ راہ، کراچی، اسلامی قانون نمبر، جلد۱۲، شمارہ ۶، جون ۱۹۵۸ء۔

۱۰۔ مصطفیٰ احمدالزرقاء، الفقہ الإسلامی و مدارسہ، ۱۹۹۵ء، دمشق، دارالقلم، ص:۱۱۵-۱۱۷

۱۱۔ یہ عبارت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے منعقد کردہ دوسرے فقہی سمینار، ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء کی روداد، مطبوعہ دہلی، تاریخ طبع درج نہیں، ص: ۹۹۔ یہ عبارت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی نے اپنے مقالہ ''کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت موجودہ دور میں'' میں کسی حوالہ کے بغیر نقل کی ہے۔ اسی مجموعہ کے صفحہ ۶۵ پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مقالہ میں بھی مولانا تھانویؒ کے اس موقف کا ذکر کرتے ہوئے امداد الفتاویٰ، جلد ۶، صفحہ ۵ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ صفحہ ۱۸۱ میں ایک دوسرے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بھی یہی فتویٰ تھا، نیز بعض

Marfat.com

علمائے ازہر کی بھی یہی رائے ہے۔ امداد الفتاویٰ، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۶ھ، جلد سوم، صفحہ ۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں مولانا تھانوی نے لکھا ہے ''نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے''۔

۱۲۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، محوالۂ بالا، صفحہ ۱۴

۱۳۔ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، محوالۂ بالا، صفحہ ۹۹

۱۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۲

۱۵۔ مولانا زبیر احمد قاسمی، محولہ بالا، صفحہ ۱۲۰

۱۶۔ یوسف قرضاوی، كيف نتعامل مع السنة النبوية، صفحہ ۱۳۱

۱۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۳۸

۱۸۔ قرارات مجلس المجمع الفقهي الإسلامي لرابطة العالم الإسلامي ۱۹۸۵ء، مکہ مکرمہ، شائع کردہ رابطہ عالمِ اسلامی، ص:۸۹-۹۱ نیز ملاحظہ ہو: مجلة البحوث الإسلامية، مکہ مکرّمہ، ۱۴۰۹، ص:۱۱-۳۴، قرار داد کا مکمل متن اپنے اختلاف کے ساتھ شیخ مصطفیٰ زرقاء کے فتاوی میں ملاحظہ ہو۔ مرتبہ مجد احمد مکی، فتاویٰ مصطفی احمد الزرقاء، ۱۹۹۹ء، دمشق، دارالقلم، ص:۱۱۰-۱۱۵

۱۹۔ فتاوی مصطفی احمد الزرقاء، محولہ بالا، ص: ۱۱۰-۱۱۵۔ یہ بات اہلِ علم سے مخفی نہ ہو گی کہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب بھی مذکورہ بالا فتویٰ سے مختلف رائے رکھتے تھے۔

۲۰۔ قرارات مجلس المجمع الفقهي الإسلامي لرابطة العالم الإسلامي محولہ بالا، ص: ۹۹-۲۰۴

۲۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۴، نیز ملاحظہ ہو اس قرارداد پر ڈاکٹر عبد الوہاب ابو سلیمان کا تبصرہ جو ان کی کتاب فقه الضرورة وتطبيقاته المعاصرة: آفاق وأبعاد کے صفحات ۱۵۰-۵۱ پر ہے۔ شائع کردہ اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامک ڈیولپمنٹ بنک، جدہ، ۱۹۹۵ء

۲۲۔ تورّق کے موضوع پر اردو میں کوئی تحریر میرے علم میں نہیں ہے۔ انگریزی میں انٹرنیٹ پر google کے ذریعہ تلاش سے کچھ مواد مل سکتا ہے۔ عربی میں ملاحظہ ہو:

- وزارت اوقاف، کویت سے شائع شدہ موسوعة الفقه الإسلامي، ۱۹۸۶ء، جلد۹، ص: ۱۴۷-۴۸۔

Marfat.com

- مجموعہ دلّہ برکہ کی طرف سے منعقد ہونے والے 'ندوۃ البرکۃ' مطابق ۲۰۰۲ء میں اس موضوع پر متعدد مقالے پیش کیے گئے ، ان مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر محمد علی القری اور محمد عبد الغفار شریف شامل ہیں۔
- جدّہ سے شائع ہونے والے رسالہ'' الاسواق والاموال'' کی جلد ۹ کے شمارہ ۹۱ اور ۹۴ میں جو ۲۰۰۲-۲۰۰۳ میں شائع ہوئے ہیں، اس موضوع پر ایک مذاکرہ کی روداد ہے۔ مذاکرہ میں حصہ لینے والوں میں عبد الرحیم ساعاتی، احمد محی الدین اور عمر حافظ وغیرہ شامل ہیں۔
- سامی بن ابراہیم السویلم نے اس موضوع پر دو مقالے لکھے ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ کہیں شائع ہوچکے یا مصنف سے ہی مل سکیں گے ۔ مصنف اسلامک ڈیولپمنٹ بینک ، جدہ سے وابستہ ہیں، مقالات کے عنوان درج ذیل ہیں:
- ''التورّق والتورّق المنظّم-دراسة تأصيلية''، اگست ۲۰۰۳ء، یہ مقالہ رابطہ عالم اسلامی کے مجمع فقہی کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مجمع نے اس موضوع پر کوئی قرار داد بھی پاس کی تھی۔
- ''موقف السلف من التورّق المنظّم''، ستمبر ۲۰۰۴ء
- محمد انس الزرقاء، ملاحظات حول التورق الموسّسی، محمد علی القری ، ستمبر ۲۰۰۴ء، بحرین، مصنف سے طلب کیا جاسکتا ہے ۔
- عزالدین خوجہ، التورّق: صار التمويل مخدوماً بدل ان يكون خادماً، ومتبوعاً بدل ان يكون تابعاً. یہ مقالہ درج ذیل ویب سائٹ پر دیکھا جاسکتا ہے :

www.islamicfi.com/arabic/research

- سعودی عالم شیخ عبد اللہ بن منیع اور خلیجی علاقہ کے شیخ نظام یعقوبی مروّجہ تورّق کی تصویب کرتے ہیں، مگر ان کی کوئی تحریر مقالہ نگار کے علم میں نہیں ہے۔
- شیخ مصطفیٰ زرقاء تورّق کے خلاف ہیں۔ ملاحظہ ہو: فتاویٰ مصطفی الزرقاء، ص:۴۹۶۔
- مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو چھٹا باب۔

۲۳۔ عینہ میں قرض دینے والا کسی چیز کو قرض لینے والے سے نقد خرید کر اسی کے ہاتھ ادھار فروخت کردیتا ہے۔ دیا جانے والا نقد آئندہ ملنے والے نقد سے کم ہوتا ہے۔ عینہ کے نتیجہ میں تھوڑے نقد کے عوض ایک مدت کے بعد زیادہ نقد دینے کا عہد باقی رہتا ہے۔

Marfat.com

تورّق کا مآل بھی یہی ہے، مگر اس کی ابتداء قرض لینے والے کی طرف سے ہوتی ہے۔
فنی تعریف اور فقہی حکم کے لیے ملاحظہ ہو: وزارت اوقاف کویت کی شائع کردہ موسوعة الفقه الإسلامی، جلد۱۴، ص:۱۴۸-۱۴۷۔

۲۴۔ مجد احمد مکی (مرتب): فتاوی مصطفی احمد الزرقاء، دمشق، دار القلم ۱۹۹۹ء صفحہ ۴۹۶۔
نیز ملاحظہ ہو: قرارات الهیئة الشرعیه لشرکة الراجحی المصرفیه للاستثمار، تقدیم صاحب الفضیلة الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن عقیل، جلد ۱، صفحہ ۲۲۹، مطبوعہ ریاض ۱۹۹۸ء

۲۵۔ مذکورہ بالا تین اہم نکات اور مزید باتوں کے لیے ملاحظہ ہو:

- محسن خان اور عباس میر اخور. *Theoritical studies in Islamic Banking and Finance*, Houstan, texas: The Institute for Research in Islamic studies 1987.
- وقار مسعود خاں *Towards an Interest Free Islamic Economic system*, Leicester: The Islamic Foundation 1985.
- انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک بینکنگ، فنانس اینڈ انشورنس کی تیارہ کردہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک بینکنگ اینڈ فنانس جو ۱۹۹۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس میں صفحہ ۴۲-۴۱ پر عباس میر اخور اور ۶۶-۵۰ پر محسن خان کی تحریریں ملاحظہ ہوں۔
- محمد نجات اللہ صدیقی *Issues in Islamic Banking*, Leicester, U.K. The Islamic foundtion 1983.
- محمد نجات اللہ صدیقی *Riba, Bank Interest and Rationale of its Prohibition*, Jeddah, IRTI., IDB, 2004.

۲۶۔ قرآن کریم کی درج ذیل تین آیات میں مذکورہ بالا تینوں مقاصد کا بیان آیا ہے: سورۃ مائدہ، آیت :۹۰، جس میں قمار یعنی جوئے سے روکا گیا ہے:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِن عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔

Marfat.com

سورۂ حشر آیت ۷ جس میں دولت کو امیروں کے درمیان چکر کرتے رہنے سے روکا گیا ہے:

مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ .

جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹادے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ تمھارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

سورۂ بقرہ آیات ۲۷۵-۲۸۰ خصوصاً ۲۷۸-۲۷۹ جس میں قرض پر اضافہ سے روکا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ.

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے ۔ اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑدو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے ۔

۲۷۔ محمد علی القری The Qurd Hasan Bank (mimeo)، غیر مطبوعہ، مصنف سے بھیجنے کی درخواست کی جاسکتی ہے۔

- محمد انس الزرقاء، ”بعض تحديات الفتوىٰ والعدالة فى المصارف الإسلامية والاستجابات المقترحة“ یہ مقالہ عمان میں منعقدہ ایک ملتقی ستمبر ۲۰۰۴ء میں پیش کیا گیا ۔ مصنف سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

- محمد نجات اللہ صدیقی *Issues in Islamic Banking*, Leicester, The Islamic Foundtion 1985, pp61-64

Marfat.com

۲۸۔ (۱) کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت (۲) عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا۔ (۳) صدقۂ فطر نقد کی صورت میں ادا کرنا (۴) قطبین کے علاقہ میں نماز روزہ (۵) طویل المیعاد ٹھیکوں میں ادائیگیاں اور (۶) تورّق ۔

۲۹۔ ملاحظہ ہو پہلا باب

۳۰۔ عبد الحمید ابو سلیمان: ازمة العقل المسلم، ۱۹۹۱ء، ہیرندان، ورجینیا، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ص:۸۰۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ IOS دہلی سے شائع ہوچکا ہے۔

۳۱۔ مسئلہ کی مزید تنقیح کے لیے ملاحظہ ہو اس مصنف کی تصنیف اسلام کا نظریۂ ملکیت جو دہلی اور لاہور دونوں جگہوں سے چھپ چکی ہے۔ یہ بحث بارہویں باب میں پائی جاتی ہے۔ دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۹۷۴ء، ص:۴۸۲-۵۰۸، (طبع ۲۰۰۴ء کے صفحہ ۵۰۵-۵۳۲) لاہور اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء ، جلد۲، صفحہ: ۱۸۲-۲۰۸۔

Marfat.com

تیسرا باب

مقاصدِ شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل اور فطرت کا حصّہ

اس باب میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ شریعت اسلامی کے مقاصد کو جاننے اور عملی زندگی میں ان کی تحصیل عمل میں لانے میں ہماری عقل اور ہماری فطرت کا کردار کیا ہے۔ یہ واضح کیا جائے گا کہ قرآن و سنّت میں ہماری رہنمائی کے لیے عقل و فطرت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ عقل و فطرت کا بھرپور استعمال ہی اسوۂ نبویؐ اور سیرتِ خلفاءِ راشدینؓ کا سبق ہے۔

جیسا کہ پہلے دو ابواب کا مطالعہ کرنے والوں کو یاد ہو گا، ہم ایک ایسے طریقۂ بحث (methodology) کی تلاش میں ہیں جس سے کسی مخصوص صورت حال میں مقاصد شریعت کی رہنمائی میں حکم شرعی تک پہنچا جا سکے۔ عقل و فطرت کے کردار کی تحقیق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

فطرت کیا ہے، عقل کس ملکہ کا نام ہے، دونوں میں کیا فرق ہے، کیا ربط ہے۔ دونوں آزادانہ کام کرتے ہیں یا مل کر ہماری رہنمائی کرتے ہیں، یہ بڑے بنیادی سوالات ہیں جن کے جواب فلاسفہ اور متکلمین نے دینے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کی روشنی میں کیا صورت پیش آتی ہے۔

Marfat.com

فطرت کا تصوّر عقل کے تصوّر سے زیادہ جامع ہے۔ عقل فطرت کا ایک حصّہ ہے، ایک ملکہ جو فطرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ عقل کا کام سمجھنا ہے۔ اس کام میں سارے حواس دیکھنا، سننا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سبھی رُوبہ عمل ہوتے ہیں۔ سوچنا، غور و فکر، تدبّر، عقل کے استعمال کے معروف طریقے ہیں۔ سیر و سیاحت، تجربہ، تبادلہ خیالات اس میں مددگار ہوتے ہیں۔ فطرت بنانے کے انداز یا ڈیزائن کا نام ہے۔ اچھائی اور سچائی کی پہچان اور برائی اور جھوٹ سے ان کو الگ کر سکنا انسان کی بناوٹ کا جز ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں اس طرف اشارے ملتے ہیں:

و اذ قال ابرٰھیم لابیه وقومه انّنی برآءٌ ممّا تعبدون. اِلّا الّذی فطرنی فانّه سیھدین. [الزخرف:۲۶،۲۷]

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلّق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔

فاقم وجھک للدین حنیفًا، فطرت الله الّتی فطر النّاس علیھا، لا تبدیل لخلق الله، ذلک الدین القیّم، ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون.

[الروم:۳۰]

پس یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

Marfat.com

دونوں آیتوں میں انسانی بناوٹ اور صانع کے درمیان حقیقی رابطے کا ذکر ہے۔ اسی امر کی تاکید دوسری آیات میں بھی ملتی ہے:

و نفس وّ ما سوّٰھا، فالھمھا فجورھا و تقوٰھا.[الشمس: ۸-۷]

نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔

فطرت میں جڑی ہونے کی وجہ سے یہ چیزیں، سچائی اور اچھائی انسانوں کے درمیان جانی پہچانی چیزیں بن جاتی ہیں۔ اسی معروف کو ہدایت الٰہی کی بنیاد بنایا گیا ہے:

خذ العفو وأمر بالعرف و اعرض عن الجٰھلین.[الاعراف:۱۹۹]

نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

کنتم خیر امّةٍ اخرجت للناسِ تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ.[آل عمران:۱۱۰]

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

سچائی اور اچھائی کو جاننے اور پہچاننے میں عقل کی بڑی اہمیت ہے۔ عقل خود شناسی اور خدا شناسی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ انسانوں میں کسی بات کے مقبول یا ناقابل قبول ہونے کا علم بھی عقل ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ اللہ کی ہدایت جب نبی اور رسول کے ذریعہ آتی ہے تو اس سے استفادہ کے لیے بھی

Marfat.com

عقل ناگزیر ہے۔ قرآن کریم میں عقل، فکر، نظر، سمع، بصر، تفکّر، تدبّر، تفقہ، وغیرہ الفاظ اسی سیاق میں آئے ہیں۔ سورۂ روم کی ۸ سے ۴۲ آیات میں ان میں سے کئی الفاظ آئے ہیں۔

مقاصد

سچائی، اچھائی، خوبصورتی اور انصاف۔ یا حق، خیر، جمال اور عدل وہ بنیادی قدریں ہیں جن کے گرد سارے مقاصد گھومتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمیں استقراء سے معلوم ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا، سچائی اور اچھائی کی پہچان فطرت میں ودیعت ہے۔ یہی حال خوبصورتی یا جمال کا بھی ہے۔ البتہ عدل کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ عدل کا تعلق انفرادی سے زیادہ اجتماعی زندگی سے ہے۔ اس کی پہچان میں عقل کا کردار زیادہ نمایاں ہے اور اس پہچان کی تکمیل اللہ کی ہدایت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد عدل سے جوڑا گیا ہے:

> لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت و انزلنا معهم الکتٰب و المیزان لیقوم الناس بالقسط. [الحدید:۲۵]
>
> ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں (اور ہدایات) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انسانی افراد اور گروہوں کے درمیان اس امر پر اتفاق رائے کم دیکھا گیا ہے کہ عدل کیا ہے۔ حسن و جمال یا خوبصورتی ایک موضوعی (subjective) امر ہے، پھر بھی فطرت سے راست تعلّق کی بنا پر کسی چیز کے خوبصورت ہونے کے بارے میں اتفاق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

Marfat.com

اچھائی کے بارے میں بھی فطرت سے اس کے تعلّق کی بنا پر اتفاق وارد ہے۔ سچائی ایک معروضی (objective) امر ہے۔ اگر زیر بحث معاملہ کا تعلّق امور غیب سے نہ ہو تو اتفاق آسان ہے۔ مگر عدل کے تصوّر سے مفادات وابستہ ہوں گے۔ فطرت فیصلہ نہیں کرا سکتی۔ عقل بیشک رہنمائی کرتی ہے مگر تجربہ اور تاریخ گواہ ہیں کہ اختلافات ختم نہیں ہوتے۔ الٰہی ہدایت عدل کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہے اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ کا طریقہ بھی بتاتی ہے۔ ہمارا موضوع، مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت، بہت وسیع ہے۔ زندگی کے تمام پہلو اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ مگر دور جدید کے مباحث کا تعلّق زیادہ تر عدل اور امن کے قیام سے ہے اس لیے آئندہ مباحث زیادہ تر انہی پر مرکوز ہوں گے۔ چوں کہ خود عدل کا سچائی اور اچھائی اور خوبصورتی سے گہرا تعلّق ہے اس لیے یہ قدریں بھی ہمارے سامنے رہیں گی۔

قیام عدل

قرآن کریم میں عدل کے تصوّر پر تجریدی بیانات کی بجائے عملاً پیش آنے والے حالات اور سماجی، سیاسی اور اقتصادی رشتوں کے سیاق میں بات کی گئی ہے۔ یہ بات کبھی خاندان کے اندر عادلانہ تعلّقات برقرار رکھنے کے بارے میں ہوتی ہے تو کبھی اس کی نظر پوری قوم یا بین الاقوامی دائرے پر ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم بعض آیات کا مطالعہ کریں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان کے فہم و تطبیق میں عقل و فطرت کا کیا کردار ہے۔

> اِنّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان و اِیتآء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر والبغی، یعظکم لعلّکم تذکرون۔[النحل:۹۰]
>
> اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی

Marfat.com

اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔

و لا تقربوا مال الیتیم الاّ بالّتی ھی احسن حتّی یبلغ اشدّہ، و اوفوا الکیل والمیزان بالقسط، لا نکلّف نفساً الّا وسعھا، واذا قلتم فاعدلوا و لو کان ذا قربٰی، و بعھد اللہ اوفوا، ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلّکم تذکّرون.[الانعام: ۱۵۲]

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنّ رشد تک پہنچ جائے اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمّہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمھیں کی ہے، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

یاَیّھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّمین للہ شھدآء بالقسط، ولا یجرمنّکم شناٰن قومٍ علی الَّا تعدلوا، اعدلوا، ھو اقرب للتقوی واتّقوا اللہ، انّ اللہ خبیرٌ بما تعملون.[المائدہ: ۸]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح با خبر ہے۔

ان آیات میں دوسری اہم ہدایات کے علاوہ خاندان اور رشتہ داروں کے

Marfat.com

حلقہ میں بڑے گروہ اور قوم کے دائرے میں اور آخری آیت میں بین الاقوامی تعلّقات میں عدل و انصاف سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اقرباء کی امداد، زور زیادتی سے اجتناب، یتیم کے مال کو امانت جاننا، ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرنا، بولنا تو سچ بولنا، گواہی بے لاگ دینا خواہ اس کی زد کسی پر پڑے...... یہ سب اصل قدر یعنی عدل کی مثالیں ہیں۔ کسی عملی صورت حال میں ان کی تطبیق تو متعلق فرد ہی کر سکے گا۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں جو بات کہی گئی ہے، اس کے عملی تقاضے کسی متعیّن صورت حال میں انسان کو خود متعیّن کرنے پڑیں گے:

اِنّ اللہ یامرکم ان تؤدّوا الْامٰنٰت الی اھلھا و اذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل۔

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو......۔

سورۂ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی عدل و قسط کی بات کی گئی ہے:

یٰٓایّھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّٰمین بالقسط، شھدآء للہ و لو علی انفسکم أو الوالدین والاقربین، ان یکن غنیاً او فقیراً فاللہ اولی بھما، فلا تتّبعوا الھوٰی ان تعدلوا......

اے ایمان لانے والو! انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو......۔

Marfat.com

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲-۲۸۳ میں ادھار لین دین میں عدل و قسط کے تقاضے پورا کرنے کی جو شکل تجویز کی گئی ہے اس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے زمانے اور دوسرے حالات میں انہی تقاضوں کی تکمیل دوسرے طریقہ سے کی جا سکے گی۔ ان آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کسی مقررہ وقت کے لیے تم آپس میں ادھار لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تیار کرے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہو (یعنی ادھار لینے والا) اور اسے اللہ، اپنے ربّ سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر ادھار لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو، یا املا نہ کرا سکتا ہو، تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمھارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو جب گواہی دینے کے لیے کہا جائے تو انھیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمھارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمھارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے......''۔

Marfat.com

عدل و قسط کا حوالہ خاندانی زندگی میں میاں بیوی کے تعلقات کے ضمن میں بھی آیا ہے۔ سورۂ نساء آیت ۱۲۷ سے ۱۳۰ تک نیز سورۂ حجرات آیت ۹ اور ۱۰ میں دو مسلمان گروہوں کے درمیان جھگڑے کی صورت میں عدل پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم ہر حال میں عدل پر قائم رہیں۔ خاندان میں رشتہ داروں سے واسطہ ہو یا اپنے ہی گروہ میں ہم قوموں سے معاملہ کرنا ہو، یا عام انسانوں سے سابقہ پیش آ جائے۔ ہر حال میں انصاف کا دامن مضبوط تھامے رہنا چاہیے۔ عادلانہ معاملت سچائی پر مبنی ہوتی ہے، اس کا نتیجہ اچھا نکلتا ہے۔ اس میں ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ قرآن کے نزدیک اصل اہمیت اس کی ہے کہ ہم عدل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور اس ارادہ میں مخلص ہوں۔ اس کا زور انسانوں میں عدل کرنے کا عزم (commitment) پیدا کرنے پر ہے۔ رہی یہ بات کہ مختلف حالات میں عدل کے تقاضے پورا کرنے کی تفصیلی شکلیں کیا ہوں گی تو وہ اس کے سلسلہ میں مخلص لوگوں کی سمجھ بوجھ پر بھروسہ کرتا ہے۔ البتہ اگر مسئلہ اجتماعی ہو تو وہ ضروری قرار دیتا ہے کہ فیصلہ باہم مشورے سے کیا جائے۔

ازالۂ ظلم

قیام عدل کے لیے ضروری ہے کہ ظلم دور کیا جائے۔ ظلم عدل کا متضاد ہے، ظلم کی تعریف ہے: وضع الشئ فی غیر محلہٖ کسی چیز کا بے جا استعمال، اس کا بے موقع دخل دینا۔ قرآن کریم میں ظلم کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ظلم کی تمام شکلوں کا احاطہ ممکن نہیں مگر درج ذیل آیات کے مطالعہ سے ہمیں مدد ملے گی۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے، ان آیات

Marfat.com

میں اکثر اوقات ظلم کی پہچان فطرت اور عقل کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت میں عقل و فطرت کی آواز حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی صاف سنائی دیتی ہے:

و هل اَتٰک نبؤا الخصم اذ تسوّروا المحراب، اذ دخلوا علیٰ داؤد ففزع منهم. قالوا لاتخف، خصمٰن بغیٰ بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحقّ ولا تشطط واهدنا الیٰ سوآء الصراط. انّ هٰذا اخی له‘ تسعٌ و تسعون نعجةً و لیَ نعجةٌ واحدةٌ فقال اکفلنیها و عزّنی فی الخطاب. قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الیٰ نعاجهِ. و انّ کثیراً من الخلطآء لیبغی بعضهم علیٰ بعض الاّ الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت و قلیلٌ ما هم. و ظنّ داؤد انّما فتنّٰه فا ستغفر ربّه و خرّ راکعاً و اناب. [ص ۲۱، ۲۴]

پھر تمھیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی جو دیوار چڑھ کر اس کے بالاخانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انھیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا ڈریے نہیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتایئے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤد نے کہا: اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے

Marfat.com

کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔ (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ربّ سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔

ظلم کی ایک کھلی قسم دوسرے کا مال ہڑپ کرنا ہے خواہ ایسا کرنے کا موقع بااقتدار ہونے کی وجہ سے ملے یا لین دین میں فریق ثانی کی کمزوری کی وجہ سے ملے:

انّ الّذین یأکلون اموال الیتٰمٰی ظلماً انّما یأکلون فی بطونھم ناراً و سیصلون سعیرًا۔ [النساء: ۱۰]

جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں دراصل وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

یٰٓایّھا الّذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الاّ ان تکون تجارةً عن تراضٍ منکم و لا تقتلوا انفسکم اِنّ اللہ کان بکم رحیما۔ و من یفعل ذٰلک عدواناً و ظلماً فسوف نصلیہ ناراً و کان ذٰلک علی اللہ یسیرا۔ [النساء: ۲۹، ۳۰]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تمھارے اوپر مہربان ہے۔ جو

Marfat.com

شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

قرض دی جانے والی رقم پر سود لینا، لین دین میں اپنی پوزیشن سے بے جا فائدہ اٹھانا ہے۔ اسے ظلم قرار دیا گیا ہے:

یآ یّھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللہ وذروا مابقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین. فان لم تفعلوا فأذنوا بحربٍ من اللہ و رسولہ، و ان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تَظلمون ولا تُظلمون.[البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

انسانی تعلّقات میں ظلم وزیادتی کی ایک بڑی مثال لوگوں کو آزادئ ضمیر، آزادئ نقل و حرکت اور دوسری بنیادی آزادیوں سے محروم کرنا ہے۔ یہ روک ٹوک آگے چل کر جان و مال پر دست درازی اور فوج کشی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو ظلم کی ایسی تباہ کن شکل ہے جس کی روک تھام ضروری ہے۔ اس دفاعی جنگ سے عام انسانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی وابستہ ہے۔ ایسی دفاعی جنگ کے ذریعہ کمزور اور دبا کر رکھے ہوئے لوگوں کا عز و شرف بحال کرنا اور انھیں ظلم سے نجات دلانا ضروری ہے:

ومن اظلم ممّن منع مسٰجدَ اللہ ان یذکر فیھا اسمہٗ و سعیٰ فی

Marfat.com

خرابها. اولٰئِک ما کان لهم ان یدخلو ها اِلّاَ خائفین. لهم فی الد نیا خزیٌ و لهم فی الأخرۃِ عذابٌ عظیم. [البقرۃ:۱۱۴]

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبدوں میں اس کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔

اُذن للّذین یُقتلون بانّھم ظُلموا، و انّ اللّٰہ علیٰ نصرھم لقدیر. الّذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا ان یقولوا ربّنا اللہ. و لو لا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لّھدّمت صوامع و بیعٌ وصلوٰتٌ و مسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا، و لینصرنّ اللہ من ینصرہٗ، انّ اللہ لقویٌ عزیز.[الحج: ۳۹، ۴۰]

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا ربّ اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا گھر اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النسآء

Marfat.com

والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالِمِ اھلھا و اجعل لنا من لدنک ولیّا، واجعل لنا من لدنک نصیرا[النساء: ۷۵]

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

انسان اپنے اوپر بھی ظلم کر سکتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ یہ بے عقلی کی بات ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ایسا نہیں کرتا کہ کسی بے اثر و بے اختیار کو اپنے سر چڑھا لے:

ضرب لکم مثلاً من انفسکم، ھل لکم من مّا ملکت ایمانکم من شرکآء فی مَارزقنکم فانتم فیہ سوآءٌ تخافونھم کخیفتکم انفسکم، کذٰلکَ نفصّل الاٰیٰت لقومٍ یعقلون. بل اتّبع الّذین ظلموا اھوآء ھم بغیر علمٍ، فمن یھدی من اضل اللہ و ما لھم من نٰصرین.

[الروم: ۲۸، ۲۹]

وہ تمھیں خود تمھاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمھارے ان غلاموں میں سے جو تمھاری ملکیت میں سے ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمھارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟...... اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل

Marfat.com

پڑے ہیں، اب کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ زیادہ برے ہیں جو بار بار سمجھانے کے باوجود یہ بات نہ سمجھ سکیں:

ومن اظلم ممّن ذکّر بایٰتِ ربّہ فاعرض عنھا و نسی ما قدّمت یداہ.
انّا جعلنا علیٰ قلوبھم اکنّۃً ان یفقھوہ و فی اٰذانھم وقراً، و ان تدعھم الی الھدیٰ فلن یھتدوا اذًا ابداً.[الکہف:۵۷]

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے ربّ کی آیات سنا کر ہدایت کی جائے اور وہ اس سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سر و سامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انھیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے، اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انھیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

قرآن بتاتا ہے کہ یہ ظلم عقل نہ استعمال کرنے کا نتیجہ ہے:

ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک و لا یضرّک فان فعلت فانک اذاً من الظّٰلمین.[یونس: ۱۰۶]

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہو گا۔

اپنی عقل نہ استعمال کر کے شرک میں مبتلا ہونے والوں سے زیادہ ظلم کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانے لگیں۔ سورۂ انعام کی

Marfat.com

آیت ۱۴۴ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔ خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن ایسے لوگوں کو بے نقاب کرنے اور سادہ لوح عوام کو ان کی گمراہ کن قیادت سے نکالنے کے لیے عقل عامّہ پر مبنی سوالات سے کام لیتا ہے۔ آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے ہیں جن سے سواری اور باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمھیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ یہ آٹھ نر و مادہ ہیں۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔ اے محمدؐ! ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے نر حرام کیے ہیں یا مادہ یا وہ بچّے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں۔ ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچّے ہو اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔ پوچھو ان کے نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا مادہ، یا وہ بچّے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے حرام ہونے کا حکم دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط رہنمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

سورۂ انعام آیت ۲۱ میں بھی ایسے مرتکبین ظلم کا ذکر آ چکا ہے۔ ایسے لوگ تاریخی حقائق کو توڑ موڑ کر اپنی روش کا جواز فراہم کرنے اور دوسروں کو حق کی پیروی سے روکنے کی کوشش کر کے مزید ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں:

Marfat.com

اَم تقولون انّ ابرٰهم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط کانوا هوداً او نصاریٰ. قل ءَ اَنتم اعلم ام اللہ. و من اظلم ممّن کتم شھادۃً عندہ‘ من اللہ. و ما اللہ بغافلٍ عمّا تعملون.[البقرۃ:۱۴۰]

پھر کیا تمھارا یہ کہنا ہے کہ ابراھیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی یانصرانی تھے؟ کہو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمّے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ تمھاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔

ازالۂ فساد اور قیام امن و صلاح

مقاصدِ شریعت کی فہرست میں زمین سے فساد دور کر کے امن قائم کرنے اور اصلاح کا اہتمام کرنے کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم کی متعدّد آیات میں مثالوں کے ذریعہ زمین میں فساد کا مطلب بتایا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سلسلہ کو روکنا کیوں ضروری ہے اور امن قائم کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ قران کریم کی ان آیات کے مطالعہ سے ان دونوں کاموں، فساد کو پہچاننے اور اس کے دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنے نیز امن و صلاح کا اہتمام کرنے میں عقل اور فطرت کا اہم رول سامنے آئے گا:

ومن النّاس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا و یشھد اللہ علیٰ ما فی قلبہ و ھو الدّ الخصام. و اذا تولّیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا و یھلک الحرث و النسل، واللہ لایحبّ الفساد[البقرۃ:۲۰۴،۲۰۵]

انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیّتی پر وہ بار بار خدا

Marfat.com

کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔
جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ
دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور
نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو
ہرگز پسند نہیں کرتا۔

انسانی زندگی اور زندگی قائم رکھنے کے لئے درکار وسائل کی تباہی فساد ہے۔ غلط کار لوگ برسراقتدار آکر جو فساد برپا کر سکتے ہیں اس کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض کا تاریخ مشاہدہ کر چکی ہے۔ ایسا ہی ایک فسادی فرعون تھا:

انّ فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعاً یستضعف طآئِفۃً منھم
یذ بّح ابنآءَ ھم ویستحی نسآءَ ھم. انّہ کان من المفسدین.
[القصص:۴]

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو
گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا
تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا
تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

مگر فساد فی الارض کا مرتکب ہونے کے لیے اقتدار میں آنا شرط نہیں۔ عام لوگ بھی اپنے غلط طرز عمل سے سماج کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا سکتے ہیں:

ظھر الفساد فی البرّ و البحر بما کسبت ایدی النّاس لیذیقھم بعض
الّذی عملوا لعلّھم یرجعون.[الروم:۴۱]

Marfat.com

ان کے حوالے سے حوالہ مذکورہ صفحہ

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔

ہم کو تلقین کی گئی ہے کہ ہم زمین میں فساد مچانے والوں سے دور رہیں، جیسا کہ نبی صالحؑ کی زبانی قرآن میں آیا ہے:

فاتّقوا اللہ و اطیعون. ولا تطیعوا امرالمسرفین. الّذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون. [الشعراء:۱۵۰۔۱۵۲]

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

نبی صالحؑ کی اپنی قوم کو تلقین کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے:

......فاذکروا آلآءَ اللہ و لا تعثوا فی الارض مفسدین. [الاعراف:۷۴]

پس اللہ کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

مذکورہ بالا آیات میں فساد کی بعض شکلوں کا ذکر آیا ہے: جان و مال تباہ کرنا، انسانی گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا، کمزوروں پر دست درازی...... دوسری آیات میں فساد کی بعض دوسری شکلوں کا ذکر ہے، مثلاً غیر فطری جنسی تعلقات (عنکبوت: ۳۰-۲۸)، کھلے عام فحّاشی (عنکبوت:۳۰-۲۸)، رشتہ داروں کے حقوق نہ ادا کرنا (محمدؐ:۲۲)، راہ حق میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنا (انفال:۷۱-۷۳) اور دوسروں پر تسلّط جمانے اور ان پر حکم چلانے کی کوشش۔ (قصص ۸۳)[1]۔

Marfat.com

انسانی سماج میں امن جب قائم ہوگا جب فساد کی تمام شکلوں کا سدّ باب کیا جائے۔ اس مقام پر آ کر قیام عدل اور قیام امن کے تقاضے ایک ہو جاتے ہیں۔ پرامن عادلانہ سماج وہ ہو گا جس میں افراد ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھیں اور برتیں:

الّذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلمٍ، اولٓئک لھم الامن وھم مھتدون۔ [الانعام: ۸۲]

حقیقت میں تو امن انہی لوگوں کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

اسلام کا مقصدایک عادلانہ پرامن معاشرہ برپا کرنا ہے جس کے لیے وہ ظلم و فساد کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس موضوع پر بعض آیاتِ قرآنی کا جو مطالعہ اوپر کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اصل اہمیت اس کی ہے کہ افراد انسانی ان مقاصد کے لیے یکسو ہوں اور دل و جان سے ان کے حصول میں لگ جائیں۔ یہ commitment ہو تو تفصیل جاننا دشوار نہ ہو گا۔ کن حالات میں ظلم و فساد کیا ہے جسے مٹانا چاہیے اور عدل و امن کیوں کر بحال کیا جائے، ان سوالات کے جوابات ہماری عقل و فطرت، محوّلہ بالا قرآنی اپروچ کی روشنی میں دے سکے گی۔

کارِ نبوّت میں عقل و فطرت کا رول

نبی اکرم ﷺ نے عقل و فطرت پر مبنی جو اجتہادات کیے ہیں ان پر ایک وسیع لٹریچر موجود ہے، یہاں اس کی تلخیص ممکن نہیں۔ البتہ یہ بات یاد دلانا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ کلام الٰہی کو انسانوں

Marfat.com

تک پہنچا دیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو سمجھنا، سمجھانا، ان پر عمل کرنا اور دوسروں کی ان پر عمل کے سلسلہ میں رہنمائی کرنا بھی کارِ نبوّت کا جزء تھا۔ اس وسیع الاطراف کام میں خداداد سمجھ بوجھ اور فطری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال ضروری تھا۔ ہمارے دینی ادب میں جو تصانیف، رسول اللہ ﷺ کے عدالتی فیصلوں(۲) یا آپ کے ادارتی اور انتظامی اقدامات(۳) پر مشتمل ہیں ان میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن کی روشنی میں عام انسان بھی عقل و فطرت کی رہنمائی میں فیصلے کر سکتے ہیں۔ عقل و فطرت پر مبنی اقداماتِ نبویؐ میں جہاں قیام عدل، ازالۂ ظلم و فساد اور قیامِ امن و صلاح جیسے بڑے مقاصد پیش نظر رہے ہیں وہاں روز مرّہ زندگی کے آداب، اصلاح ذات البین اور خوشگوار انسانی تعلقات اور امور دین و دنیا کی اعلیٰ معیارِ کارکردگی کے مطابق انجام دہی، وغیرہ بھی سامنے رہے ہیں۔

ذیل میں احادیث نبویؐ میں سے بعض مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ اختصار کی خاطر صرف ترجمانی کی جا رہی ہے، متن حدیث کا مطالعہ دیے ہوئے حوالوں کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔

پیش نظر مقصد کے لیے موزوں طریقہ

جب نبی کریم ﷺ نے قیصرِ روم کو خط بھیجنا چاہا تو مجلس میں موجود ایک صاحب نے کہا کہ جب تک خط پر مہر نہ لگائی جائے وہ لوگ خط نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گئی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ آئندہ تمام خطوط پر مہر ثبت کی جانے لگی۔(۴)

جمعہ کو جب نبی کریم ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو (پیچھے بیٹھنے والوں کی) آسانی کے لیے کسی نے تجویز کیا کہ منبر بنا لیا جائے۔ یہ تجویز پسند کی گئی،

Marfat.com

منبر بنا اور منبر سے خطبہ دینے کا طریقہ رائج ہو گیا۔(۵)

جب نمازیوں کی تعداد بڑھی تو ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دینے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز (باجماعت) شروع ہونے جا رہی ہے تاکہ وہ مسجد نبوی تک پہنچ سکیں۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقے تجویز کیے، بالآخر جو طریقہ پسند کیا گیا وہ اذان دینے کا طریقہ تھا۔(٦)

تینوں مثالوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ایک دینی اہمیت والے کام کی مؤثر ادائیگی کے لیے اس وقت کے فنی حالات میں جو طریقہ مشوروں کی روشنی میں موزوں پایا، اختیار کیا گیا۔

اذیّت اور نقصان سے بچانے کی موزوں تدابیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کچی پیاز یا لہسن کھا کر نماز کے لیے مسجد آنے سے منع کر دیا تھا، تاکہ کسی کے منہ سے ایسی بو نہ آئے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔(۷)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (مدینہ میں) زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کرنے والے تھے۔ ان کے پاس نوکر نہیں تھے (جو ان کے لیے محنت کرتے) چنانچہ ان کے بدن سے بری مہک آتی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ بہتر ہو کہ جمعہ کے دن نہا کر (مسجد) آیا کریں۔(۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہدایت کی کہ رات میں سونے سے پہلے چراغ بجھا دیں، پانی کے مشکیزوں کے منہ باندھ دیں اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھک دیں نیز دروازے بند کر لیں۔(۹)

اس زمانے میں گھروں میں روشنی کے لیے کپڑے کی بتّی بنا کر پیالی میں

Marfat.com

تیل کے اندر ڈبو دی جاتی تھی اس طرح کہ اس کا ایک سرا باہر رہے۔ اس سرے میں آگ لگانے سے چراغ جلتا تھا۔ بعض روایات میں ارشاد نبویؐ کی مصلحت کا بھی بیان ہے، اندیشہ تھا کہ چوہا بتی لے جا کر کسی ایسی جگہ پہنچا دے کہ گھر میں آگ لگ جائے۔

ایک آدمی کندھے پر تیر رکھے مسجد میں آ گیا، تیروں کی نوکیں کھلی ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے کہا کہ لوہے کی نوکوں کو ہاتھ سے ڈھک لے تاکہ وہ کسی کو زخمی نہ کر سکیں۔[۱۰]

مذکورہ بالا مثالوں میں لوگوں کو تکلیف سے بچانا مقصود ہے جس کے لیے ایسی ہدایات دی گئیں جو عقل عامہ کو اپیل کرتی ہیں۔

انفرادی حالات کی رعایت سے خصوصی تدابیر

جو غیر شادی شدہ افراد شادی نہ کر پائے ہوں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (نفلی) روزے رکھنے کا مشورہ دیا۔ فرمایا: روزے سے جنسی خواہش کا زور کم ہوتا ہے۔[۱۱]

ظاہر ہے کہ یہ مشورہ فطرت انسانی سے واقفیت اور عقل و تجربہ پر مبنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جو دعائیں مانگتے تھے ان میں یہ دعا بھی شامل تھی: یاالٰہی! قرض کے بوجھ سے بچانا۔ یا یہ کہ: خدایا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بار بار اس دعا کی وجہ؟ فرمایا: مقروض آدمی بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدے کرتا ہے تو نباہ نہیں پاتا۔[۱۲]

جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی بڑے گناہوں میں سے ہے جن سے بچنا فرض ہے۔ مقروض آدمی قرض دینے والے سے معاملت میں، اکثر مجبوراً، دونوں گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرض لینے سے بچے۔

Marfat.com

اللہ سے دعا اس لیے کہ ایسی مجبوری نہ پیش آ جائے کہ قرض لیے بغیر چارہ نہ رہے۔ یہ حکمت پارہ بدیہی طور پر مشاہدہ اور فطرت شناسی پر مبنی ہے۔

حکیمانہ مشورے

ذیل میں مزید ارشادات نبویؐ نقل کیے جا رہے ہیں جو فطرت شناسی، عقل عامہ اور سمجھ بوجھ کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا آغاز ہم آپ ﷺ کے ایک مختصر مقولہ سے کرتے ہیں، فرمایا: بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔ (۱۳)

فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و دولت اور حسن و جمال میں اس سے بڑھ چڑھ کر ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے آدمی کی طرف بھی دیکھے جو (ان باتوں میں) اس سے فروتر ہو، جس سے خود اس کو بہتر بنایا گیا ہو۔ (۱۴)

فرمایا: جب تین آدمی ساتھ ہوں تو دو آدمیوں کو اس طرح باہم سرگوشی نہیں کرنا چاہیے کہ تیسرا کٹ جائے کیوں کہ اس بات سے اسے رنج ہو گا۔ البتہ جب بہت سے لوگوں کے درمیان ہوں تو دو آدمی باہم بات کر سکتے ہیں۔ (۱۵)

فرمایا: تمھیں ایسی بات نہ سکھا دوں جس کے کرنے سے آپس میں محبت بڑھے، ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ (۱۶)

دونوں ہدایات کا منشاء انسانوں میں خوش گوار تعلّقات برقرار رکھنا ہے اور دونوں کا منبع فطرت شناسی اور سوجھ بوجھ ہیں۔

فرمایا: تم میں سے کوئی (امام بن کر) لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو نماز کو مختصر رکھو کیوں کہ لوگوں کے درمیان بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب تم اکیلے نماز پڑھ رہے ہو تو جتنی لمبی (نماز) چاہو پڑھ سکتے ہو۔ (۱۷)

Marfat.com

ایک دیہاتی آدمی مسجد (نبوی) میں ایک کنارے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ اس کی طرف (اسے روکنے اور سرزنش کرنے) دوڑے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے پیشاب میں خلل نہ ڈالو، پھر آپ نے اس جگہ پانی بہا دینے کو کہا۔(۱۸)

دونوں ارشادات نبویؐ انسانی کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھنے اور موقع محل کی مناسبت سے نرمی کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین پر مبنی ہیں جیسا کہ دانشمندی کا تقاضا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق آدمی کو اجازت لے کر گھر میں داخل ہونا چاہیے۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اپنی ماں سے بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ فرمایا: کیا تم انہیں ننگا دیکھنا پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: پھر اجازت لے کر داخل ہو۔(۱۹)

فرمایا: اگر تم میں سے کسی نے کوئی (بھلا) کام کرنے کی قسم کھائی ہو پھر اس کے اندر اس سے بہتر بھلائی کا جذبہ ابھر آئے تو قسم کا کفارہ ادا کرے مگر کام وہی کرو جو زیادہ اچھا ہو۔(۲۰)

رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ نظر خلق خدا کی بیش از بیش بھلائی پر رہی، اس کے لیے صاحب خیر کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کی زحمت اٹھانا پڑے تو کوئی حرج نہیں، کام وہ ہو جو بہتر ہو۔

عقل عامّہ پر مبنی مشورہ کی ایک اور مثال

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے صرف ایک کو ہدیہ بھیجنا ہو تو کسے ترجیح دوں؟ فرمایا: جس کا دروازہ تم سے قریب تر ہو اسے

Marfat.com

بھیجو۔ (۲۱)

ذخیرۂ حدیث ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ اپنی خداداد سمجھ بوجھ اور فطرت شناسی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے یا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں۔ ہم مذکورہ بالا چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے یہ گفتگو ذیل کی سبق آموز مثال پر ختم کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس مانگنے آیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمھارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ ہم بچھاتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ دونوں چیزوں کو ہاتھ میں لے کر آپؐ نے اعلان کیا: یہ دو چیزیں کون خریدنا چاہے گا؟ ایک صاحب بولے: میں ایک درہم میں دونوں خریدنے کو تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہو؟ آپؐ کے دو تین بار ایسا کرنے کے بعد ایک صاحب بولے: میں دونوں چیزیں دو درہم میں لے لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور (ان سے) دو درہم لے کر اس انصاری کو دیئے اور فرمایا: ایک درہم سے کھانے کا سامان لا کر گھر والی کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ اسے آپؐ کے پاس لائے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس میں ایک لکڑی کا دستہ لگایا اور اس آدمی سے کہا: جاؤ، اس سے لکڑی کاٹو اور فروخت کرو، پندرہ دنوں تک میرے سامنے نہ آنا۔ چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور لکڑی کاٹتا اور فروخت کرتا رہا۔ جب (آپؐ کے پاس) آیا تو دس درہم کما چکا تھا۔ ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا

Marfat.com

خریدا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ اس سے اچھا ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ نظر آئیں۔ مانگنا صرف تین (لوگوں) کے لیے مناسب ہے، جو شدید افلاس (میں مبتلا) ہو یا ناقابل برداشت قرض کا بوجھ ہو یا جس کے ذمہ دیت ادا کرنا واجب ہو اور وہ ایسا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔[۲۲]

نبی اکرم ﷺ کے مقاصد شریعت کے حصول کے لیے عقل و فطرت پر مبنی مذکورہ بالا اقدامات سے سبق حاصل کرتے ہوئے خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ آپؐ کی وفات کے بعد وحی آنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب اللہ کی ہدایت صرف قرآن کے مطالعہ سے حاصل کی جا سکتی تھی، آسمان سے کوئی نئی ہدایت نہیں آنے والی تھی۔ فیصلہ کرنے والوں کے سامنے ایسی نئی صورت حال بھی آنے لگی جیسی نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سامنے نہیں آئی تھی، جس سے نبٹنے کے لیے آپ ﷺ کے کیے ہوئے کسی فیصلہ کا نفاذ کافی نہ تھا بلکہ ایک نیا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ایسے حالات میں فیصلہ کرنے والوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق فیصلہ کیا۔ معاملہ اجتماعی امور سے متعلق تھا تو مشاورت بلائی گئی، اختلاف ہوا تو بحث و تمحیص کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس مسئلہ میں اتفاق رائے ممکن نہ ہو سکا اس میں کثرت رائے سے فیصلہ کیا گیا۔ خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرامؓ کی فکری رسائی پر علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف مدارج السالکین[۲۳] میں بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم ان کے بعض اقتباسات کے ترجمے درج کریں گے:

'عمر بن الخطابؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو خط لکھا تھا اس میں آیا ہے: جو معاملات تمھارے سامنے لائے جائیں ان میں سوجھ بوجھ سے کام لو۔ فہم بندے پر خدا کی نعمت ہے۔ ایک نور ہے جو خدا بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے جس

Marfat.com

کے ذریعہ اسے ایسی پہچان اور (معاملات کی گہرائی تک) پہنچ حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتی'۔ (۲۴)

آگے چل کر ابنِ قیّم بصیرت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'بصیرت دل کی زمین میں سچّی معاملہ فہمی پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نور کا نام ہے جو اللہ دل میں ڈال دیتا ہے، جس کے ذریعہ حق اور باطل اور سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انّ فی ذٰلک لآیٰتٍ للمتوسّمین[الحجر: ۷۵]

'اس واقعہ میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فراست والے ہیں'۔ مجاہد نے کہا: (متوسّمین سے) مراد فراست والے ہیں۔ ترمذی میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فراستِ مومن سے بچ کر رہو کیوں کہ وہ نور خداوندی کی مدد سے دیکھتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: انّ فی ذٰلک لآیٰتٍ للمتوسّمین'۔ (۲۵)

ابنِ قیّم لکھتے ہیں: 'توسّم سیما سے باب تفعّل میں آیا ہے۔ سیما کے معنیٰ نشانی کے ہیں۔ صاحب فراست کو متوسّم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس پر استدلال کے ذریعہ (نہ دکھائی دینے والے) غائب کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی موجود و مشہود سے ایمان (بالغیب) تک پہنچتا ہے'۔ (۲۶)

ابنِ قیّم نے لکھا ہے کہ: 'ابنِ عباسؓ کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں نظر سے کام لینے والوں کا ذکر ہے جب کہ مقاتلؒ نے تفکّر سے کام لینے والوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابنِ قیّم کہتے ہیں کے یہ ساری تعبیریں ایک ہی معنیٰ کی طرف لے جاتی ہیں'۔ (۲۷)

Marfat.com

ابنِ قیّم لکھتے ہیں کہ: 'سوجھ بوجھ میں امت میں سب سے اونچا مقام حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کا نمبر تھا جن کی فراست کے واقعات مشہور ہیں۔ جب بھی انھوں نے کسی بات کے بارے میں کہا: میرا خیال ہے کہ ایسا ہو گا، تو ویسا ہی ہوا۔ ان کی سوجھ بوجھ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی'۔ (۲۸)

ابن قیّم لکھتے ہیں: 'اسی طرح حضرت عثمانؓ کو بھی سچّی معاملہ فہمی ملی تھی، انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں ایک عورت کو دیکھتا تھا جس کے حسن پر نگاہ ٹھہر جاتی تھی۔ عثمانؓ نے مجھے دیکھتے ہی کہا: کبھی تم میں سے کوئی اس حال میں میرے پاس آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں زنا کی جھلک ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی وحی آنے لگی؟ آپ نے جواب دیا: نہیں تو، بلکہ (یہ ثمرہ ہے) بصیرت، برہان اور سچّی فراست (کا)'۔ (۲۹)

سیّدنا علی ابنِ ابی طالبؓ کی فہم و فراست اور اس پر مبنی فیصلے اور مشورے مشہور ہیں۔ ان کے دانشمندانہ مشوروں کی اہمیت حضرت عمرؓ کے اس بے ساختہ ریمارک سے ظاہر ہوتی ہے: لو لا علیّ لھلک عمر! (۳۰) (علی نہ ہوتے تو عمر کا برا حال ہوتا)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو وہ بولے: وہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، ان کے درمیان آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اللہ تمھاری زبان میں قوت دے گا اور تمھارے دل کی رہنمائی کرے گا۔ (۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بس ایک ہدایت کی کہ

Marfat.com

جب بھی کوئی مقدمہ سامنے آئے، صرف ایک فریق کی بات سن کر کبھی فیصلہ نہ کرنا، طرفین کی بات سن کر ہی فیصلہ کرنا۔(۳۲)

ان مثالوں کے ذریعہ نئے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں اسلامی اپیروچ واضح ہے: ہمیں اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے، دل کی آواز پر دھیان دینا چاہیے اور اجتماعی امور باہم مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں قرآن و سنّت کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ عقل و فطرت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں، خلفاء راشدین نے مقاصدِ شریعت کی خاطر نئے پیش آمدہ مسائل میں بڑے اور نئے فیصلے بھی کیے ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ان میں سے بعض کا ذکر تو کیا جا سکتا ہے مگر تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ اکثر اوقات ان صورتوں میں فیصلہ کرنے والے کو فرمودات الٰہی یا ارشادات نبویؐ میں کوئی عبارت (text) نہیں ملی جس کی تطبیق سے مسئلہ حل ہو جاتا۔ باضابطہ قیاس بھی ممکن نہ ہوا۔ پیش آمدہ صورت صرف نئی نہیں، پیچیدہ بھی ہوتی تھی۔ جتنے ممکن فیصلے ہو سکتے تھے سب کے نتائج بڑے دور رس ہوتے۔ ان نتائج کا اندازہ لگانا اور ان کو نفع، نقصان کی ترازو پر تولنا ضروری ہوتا۔ چونکہ یہ پیش آمدہ نئے مسائل اجتماعی تھے اس لیے مشاورت بھی ہوئی۔ نفع نقصان کے اندازوں میں اختلاف کے علاوہ قرآن و سنّت کی تعبیر میں بھی اختلاف ہوا۔ خاص طور پر درج ذیل چار مسائل میں کیے گئے فیصلے تاریخ ساز اہمیت کے حامل رہے ہیں جن سے آنے والی نسلوں کو بڑے سبق سیکھنے ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر صدّیقؓ کا مانعین زکاۃ پر فوج کشی کرنے کا فیصلہ

۲۔ حضرت عمرؓ کا شام و عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کر

Marfat.com

کے سرکاری تحویل میں رکھنے کا فیصلہ

۳۔ حضرت عثمانؓ کا باغیوں کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرنے کا فیصلہ

۴۔ حضرت علیؓ کا خوارج سے ایک خاص نہج سے نبٹنا جو اس سے مختلف تھا جو کفار کے سلسلہ میں اختیار کیا جاتا رہا۔

ان چاروں کا مستند تاریخی مراجع کی مدد سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ اسلام کی مزاج شناسی کے لیے ضروری ہے۔ اس باب کے عنوان کی مناسبت سے ہم یہ نوٹ کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے کہ ان چاروں فیصلوں میں خلیفۂ وقت اور ان کو مشورہ دینے والے صحابہ کرامؓ کی فہم و فراست، دوربینی اور مقاصد شریعت سے ان کی بے لوث وابستگی (commitment) نے کلیدی کردار ادا کیا۔

خلاصۂ کلام

اس بحث سے ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ عقل اور فطرت کو مقاصدِ شریعت کے پہچاننے اور ان کو حاصل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ازالۂ ظلم اور قیام عدل نیز زمین سے فساد دور کرنے اور امن و صلاح برپا کرنے جیسے بڑے مقاصد کا ذکر اصولی انداز میں آیا ہے۔ کسی دوسرے زمانہ میں کسی اور جگہ جو صورت حال درپیش ہو اس میں ان مقاصد کے حصول کی مناسب تدابیر ہمیں خود طے کرنا ہوں گی۔ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ عقل و فطرت کی روشنی میں کام کرنے کا ہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد جو ایسے مسائل سامنے آئے جن میں قرآن و سنّت سے براہ راست ہدایت نہ ملتی ہو ان میں فیصلہ کرنے والوں نے خدا داد فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے باہم مشوروں کے بعد مناسب فیصلے کیے۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب سوئم

۱۔ دوسروں پر تسلط جمانے کی خواہش ظلم و فساد کی جڑ ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: و ذالک انّ ارادۃ العلو علیٰ الخلق ظلمٌ لانّ النّاس من جیشٍ واحدٍ فارادۃ الانسان ان یکون ھو العلی و نظیرہ تحتہ ظلم. [بات یہ ہے کہ خلق خدا پر تسلط جمانے کا ارادہ ظلم ہے کیوں کہ سارے انسان ایک ہی جُھنڈ سے وابستہ ہیں، پس کسی کا یہ چاہنا کہ وہی سب سے اونچا ہو کر رہے اور اسی جیسے دوسرے اس کے ماتحت بن کر رہیں ظلم ہے]۔ ابن تیمیہ: السیاسۃ الشرعیۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۹۔۴۰۔ (باب ثانی۔ فصل ۸)۔ ہمارے سامنے التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلی کی تیار کردہ لیزر ڈسک ہے جو ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء میں مؤلّفات الشیخ وتلمیذہ ابن القیم۔ اصدار ۱۰۵ کے عنوان سے ملتی ہے۔

۲۔ ابوالفرج القرطبی: اقضیۃ الرسول ﷺ، حیدرآباد، دائرۃ المعارف، بدون تاریخ

۳۔ عبدالحیّ الکتّانی: نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّیٰ بالتراتیب الاداریۃ، بیروت، دارالکتاب العربی، بدون تاریخ۔

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: صحیح، کتاب نمبر ۴۷، حدیث نمبر ۴۶۷

۵۔ ایضاً، کتاب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۷۸۴، ۷۸۵

۶۔ ایضاً، کتاب نمبر ۱۱، حدیث نمبر ۵۰۰

۷۔ ایضاً، کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۸۱۳، ۸۱۴، اور ۸۷۶۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، مسلم: صحیح، کتاب نمبر ۶، حدیث نمبر ۱۱۴۲ اور امام مالک: مؤطأ، کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۱۹۸۔

۸۔ مسلم: صحیح، کتاب نمبر۴، حدیث نمبر ۱۸۴۰

۹۔ بخاری: صحیح، کتاب نمبر ۶۹، حدیث نمبر ۵۲۸

۱۰۔ ایضاً، کتاب نمبر ۸۸، حدیث نمبر ۱۹۵

۱۱۔ ایضاً، کتاب نمبر ۶۲، حدیث نمبر۵

۱۲۔ ایضاً، کتاب نمبر ۴۱، حدیث نمبر ۵۸۲

۱۳۔ ایضاً، کتاب نمبر ۳۷، حدیث نمبر ۱۶۶

Marfat.com

۱۴۔ ایضاً، کتاب نمبر ۷۶، حدیث نمبر ۴۹۷

۱۵۔ نوویؒ نے ریاض الصالحین میں اسے متفق علیہ حدیث بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو، ریاض الصالحین، جدّہ، مکتبۃ الشرق الاسلامی، بدون تاریخ، صفحہ ۴۵۰، حدیث نمبر۲/ ۱۰۹۹

۱۶۔ ایضاً، صفحہ ۲۶۹-۲۷۰، حدیث نمبر ۴/ ۸۴۸، صحیح مسلم سے نقل کی گئی۔

۱۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۹، حدیث نمبر ۸/ ۲۰۔ متفق علیہ

۱۸۔ بخاری: صحیح، کتاب نمبر ۷۳، حدیث نمبر ۵۴

۱۹۔ امام مالک: مؤطأ، کتاب نمبر ۵۴، حدیث نمبر۱

۲۰۔ بخاری: صحیح، کتاب نمبر ۸۹، حدیث نمبر ۲۶۰

۲۱۔ ایضاً، کتاب نمبر ۷۳، حدیث نمبر ۴۹

۲۲۔ ابو داؤد: سنن، حدیث نمبر ۱۶۱۴

۲۳۔ ہمارے سامنے مدارج السالکین کا وہ نسخہ ہے جو مؤلفات الشیخ و تلمیذہ ابن القیم، اصدار ۱۰۵۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کے نام سے لیزر ڈسک پر التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلی نے تیار کیا ہے۔ متن میں کتاب کی جلد، صفحات اور فصلوں کے حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ کاغذ پر مطبوعہ نسخوں سے مراجعت میں آسانی ہو۔

۲۴۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد۱، صفحہ ۴۱، فصل المرتبۃ الخامسہ، مرتبۃ الافہام

۲۵۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۹

۲۶۔ ایضاً، صفحہ ۱۳۰

۲۷۔ ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۴۸۲

۲۸۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۵

۲۹۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۶

۳۰۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ: خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۰۴، پیراگراف ۱۱۴

۳۱۔ یہ روایت میں نے ویب سائٹ www.sunnah.org سے نقل کی ہے۔ حدیث کے انڈکس کے ذریعہ مطبوعہ مراجع کے حوالے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔

۳۲۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ: محولہ بالا، صفحہ ۲۱۶، پیراگراف نمبر ۲۱۸

Marfat.com

چوتھا باب

مقاصدِ شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف کا حل

اختلاف ہماری انفرادیت اور آزادی کا ایک لازمی پہلو ہے۔ اختلاف چیزوں کو سمجھنے میں بھی ہوتا ہے اور ان کو برتنے میں بھی۔ نئے پیش آمدہ مسائل کو سمجھنے، ان سے متعلق مقاصدِ شریعت کی تعیین اور کسی مخصوص صورت حال میں ایسے فیصلہ (حکم) تک پہنچنے میں اختلاف ایک قدرتی بات ہے جس کے ذریعہ مقاصدِ شریعت کی تکمیل و تحصیل مطلوب ہو۔ اس باب میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ اسلام نے ہمیں اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے۔

اس سے پہلے ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل و فطرت کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ اس باب کا آغاز ہم اس صورت حال کے تجزیے سے کریں گے جو غور و فکر کا سبب بنا۔ یہ بتانے کے بعد کہ یہ تجزیہ ایک عقلی کام ہے، اس بات پر غور کیا جائے گا کہ اس صورت حال سے متعلق مقاصد شریعت کو پہچاننے میں اختلاف کیوں وارد ہے۔ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ یہ کوئی نئ بات نہیں، ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ اس کے بعد ہم باہم مشورے سے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے اس طریقے پر غور کریں گے جو اسلام نے سکھایا ہے۔ اس سیاق میں یہ دیکھا جائے گا کہ شورائی طریق فیصلہ کے کیا تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ آخر میں اس بات کا جائزہ لیا

Marfat.com

جائے گا کہ معاصر مسلم معاشرہ نے اس سلسلہ میں اب تک کتنی پیش رفت کر لی ہے۔

یہ طے کرنا بڑا مشکل کام ہے کہ اختلاف ہوتا کیوں ہے۔ پھر بھی اس امر پر غور کرنے سے فائدہ ہو گا اور اختلافات سے نبٹنے میں مدد ملے گی۔ ہمارے لیے تین طرح کے اختلافات زیادہ قابل توجہ ہیں: پیش آمدہ صورت حال کو سمجھنے میں اختلاف، اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو سمجھنے میں اختلاف اور اس بات میں اختلاف کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔

حالات کے تجزیے میں اختلاف

اپنے ماحول کو ہم اپنے حواس کی مدد سے جانتے ہیں۔ مگر کسی چیز کو سمجھنے کے لیے محض اسے جان لینا کافی نہیں۔ عقل کو بہت کچھ اور کرنا پڑتا ہے۔ حافظہ، تجربہ اور تخیّل (imagination) کے علاوہ علوم پر دسترس کی بھی اس عمل میں بڑی اہمیت ہے۔ افراد انسانی چونکہ ان تمام باتوں میں ایک دوسرے سے کم و بیش مختلف ہوتے ہیں، اس لیے قدرتی طور پر اپنے ماحول کے تجزیے میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں اور زیادہ ہوتا ہے جب ایسے پیچیدہ مظاہر سے واسطہ ہو جیسے ماحولیاتی تلوث (global warming)، افراط زر، اقتصادی پس ماندگی، وغیرہ۔ اس اختلاف کو رفع کرنا یا اس میں کمی کی کوشش اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ صورت حال کو سمجھنے میں جتنا اتّفاق ہو گا اجتماعی طور پر کسی فیصلہ تک پہنچنے اور اس پر عمل درآمد میں اتنی ہی آسانی ہو گی۔ اختلاف میں کمی کی پہلی شرط باہم تبادلۂ خیالات ہے۔ اجتماعی سطح پر ریسرچ کا اہتمام اور مسئلہ زیر غور سے متعلّق جو معلومات میسّر ہوں ان کی عام اشاعت بھی ضروری

Marfat.com

ہے۔ مگر ان سب باتوں سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ اس بارے میں وہم و گمان، ظن و تخمین، سنی سنائی باتوں اور خرافات یا mythology پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ جسمانی امراض کا معاملہ ہو یا سماجی الجھنوں کا، کسی تشخیص پر صرف اس لیے اصرار نہ کیا جائے کہ آبا و اجداد سے یہی مانتے چلے آئے ہیں، جب کہ نئی تحقیقات سے پرانی تشخیص غلط ثابت ہو چکی ہو۔

ہدایات الٰہی کو سمجھنے میں اختلاف

اللہ تعالیٰ کی ہدایات جاننے کے لیے ہم قرآن و سنّت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی زبان عربی ہے، وہ ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوا تھا اور اس کا نزول ایک خاص جغرافیائی خطّہ میں بسنے والی قوم پر ہوا تھا۔ آج اکّیسویں صدی میں مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان اس کے سمجھنے میں اختلاف کی جڑیں زیادہ تر انہی تین میں پیوستہ ہیں: زبان، مکان اور زمان۔ جہاں تک ان اختلافات سے عہدہ برآ ہونے کا تعلّق ہے، ان تینوں میں سب سے آسان وہ ہے جو بادی النظر میں سب سے مشکل معلوم ہوتا ہے، یعنی زبان کا اختلاف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ علماء نے زبان سے متعلّق علوم، لغت و معانی، نحو و صرف، بلاغت......وغیرہ کو مرتّب کر دیا اور یہ ممکن ہو گیا کہ وہ لوگ بھی عربی زبان میں مہارت حاصل کر لیں جن کی مادری زبان عربی نہ ہو۔ نیز مترجمین کی خدمات کے طفیل دنیا کی بیشتر زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے اور تفاسیر بھی میسّر ہو گئے۔ ان سب کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لسانی، لغوی اور مماثل بنیادوں پر فہم قرآن میں اختلاف کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔

Marfat.com

جغرافیائی طور پر مختلف علاقوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کا احاطہ دشوار ہے۔ درجۂ حرارت، رات دن کی لمبائی میں کمی بیشی، بارش کی مقدار اور اس کا زراعت وغیرہ پر اثر...... ان میں سے چند نمایاں چیزیں ہیں۔ مجموعی طور پر ان چیزوں کا اثر لباس، وضع قطع، مکانوں کی ساخت، غذا...... اور رہن سہن سے متعلق دوسرے امور پر پڑتا ہے۔ قرآن کا منشاء سمجھنے میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے، جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے۔ یہاں صرف یہ نوٹ کرنا ہے کہ قرآن فہمی میں اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے اور رہے گی کہ حکم شرعی کی تعیین، یعنی مسئلہ زیر غور سے متعلق فیصلہ کرنے میں ان باتوں کا کس حد تک لحاظ کیا جائے جن کا تعلّق مکانی فرق سے ہے۔

زمانہ آگے بڑھتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ بڑی بڑی تبدیلیاں آتی ہیں۔ ان میں بعض تبدیلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو سامنے رکھنا قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے۔ پہلے ہم زمانہ آگے بڑھنے کے ساتھ آنے والی بعض بڑی تبدیلیوں کا ذکر کریں گے۔ انسانی آبادی میں اضافہ، نقل و حمل اور مواصلات کے بہتر اور زیادہ تیز رفتار ذرائع میسّر آنا۔ اشیاء و خدمات کی پیداوار میں توسیع اور اس کے ساتھ ان کے مبادلہ کے ذرائع و وسائل اور طریقوں میں تبدیلی، نیز نئے پیداواری رشتوں اور تنظیم کی نئی شکلوں کا اختیار کیا جانا...... مگر ان تمام تبدیلیوں سے زیادہ اہم وہ نیا علم ہے جو انسان کو اپنے جسم و دماغ، اپنے سماج، اپنے جغرافیائی ماحول، اور بالعموم کائنات کے بارے میں سائنس کی ترقی کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہے۔ قرآن ہم سے کیا چاہتا ہے اور اس کا منشاء پورا کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے، یہ ان باتوں کو سامنے رکھے بغیر نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ سارے لوگ ان تبدیلیوں کو نہ یکساں وزن دیتے ہیں نہ ان کو ان کے بارے میں یکساں

Marfat.com

معلومات ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ قرآن فہمی میں اختلاف کی ایک بڑی وجہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں لوگوں کی بصیرت اورپس منظر (perception and perspective) کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہے۔

سنّت قرآن کی شرح ہے۔ رسول کریم ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھے بغیر ہدایتِ الٰہی کا فہم مکمل نہیں ہو سکتا۔ سنّت کے فہم میں بھی (زمان و مکان اور زبان سے متعلّق) وہ تینوں باتیں سامنے رکھنا ہوں گی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مزید برآں سنّت کو سمجھنے میں کچھ اور باتیں بھی سامنے رکھنا ہوں گی۔ سنّت رسولؐ کا بیان جن احادیث میں آیا ہے وہ سند کے اعتبار سے ایک درجہ کی نہیں ہیں اور اس درجہ بندی میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس کے علاوہ ہے کہ کسی حدیث کا درجہ کتنا ہی بلند ہو وہ قرآن کے درجہ کونہیں چھو سکتی۔ اسناد میں اختلاف کے ماسوا حدیث کے بارے میں اختلاف کی دوسری بنیادیں بھی ہیں جن کا مطالعہ مناسب مراجع کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے موضوع کے پیش نظر ہمارے لیے مسئلہ پر ایک دوسرے زاویہ سے نگاہ ڈالنا زیادہ مفید ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فہمِ قرآن اور اس فہم کے مطابق عملی اقدامات ہمارے لیے سند ہیں۔ مگر منشاء ہدایت کا یہ فہم اور اس کی یہ تطبیق ایک مخصوص زمان و مکان میں عمل میں آئی اور اس کو اسی سیاق میں دیکھا اور سمجھا جانا چاہیے۔ اس بات کی متعدّد مثالیں موجود ہیں کہ سیاق (context) بدل جانے کی وجہ سے اس سے مختلف فیصلہ کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا[1]۔ یہاں ان تفصیلات میں جانے کی بجائے صرف یہ نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ فہم سنّت میں اختلاف کی بہت سی وجہیں ہو سکتی ہیں جن میں یہ وجہ بھی شامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس

Marfat.com

سیاق میں فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں لوگ ایک رائے نہ رکھتے ہوں۔ اس کی تاریخی مثالیں آگے سامنے آئیں گی۔

فیصلہ میں اختلاف

ماحول کا تجزیہ اور قرآن و سنّت کی طرف رجوع اس لیے ضروری ہوا کہ ہم یہ طے کر سکیں کہ کرنا کیا ہے۔ کچھ لوگ اس رائے کے بھی ہو سکتے ہیں کہ کسی نئے فیصلہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ فرض کیجیے اس مرحلہ سے گزر گئے، تو بھی فیصلہ در پیش آ جانے پر اختلاف واقع ہونے کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کرنے والا کون ہو۔ دوسرا یہ کہ فیصلہ اگر بہت سے لوگوں کو مل کر کرنا ہوا تو سب کی رائے یکساں وزن رکھے گی یا نہیں۔ اس بارے میں بھی اختلاف وارد ہے کہ مجرّد کثرت رائے سے فیصلہ کیا جائے یا اس سے بھاری اکثریّت درکار ہو گی۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ فیصلہ وہی قابل قبول ہے جو مکمّل اتّفاق رائے سے ہو۔ یہ اختلاف بھی موجود ہے کہ جو فیصلہ کیا جائے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہے یا کسی ایک ملک یا چند ملکوں کے لیے۔ اس بات کے بارے میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کہ فیصلہ عارضی یا کسی متعیّن مدّت کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے۔ یہ سوال بھی ہو گا کہ فیصلہ ایسا ہے جو متعلّقہ افراد کی مرضی کے علی الرغم ان پر لاگو ہو گا یا انھیں اس کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی آزادی ہو گی...... یہ بڑے اہم اختلافات ہیں لیکن ان سے کہیں زیادہ سنگین وہ اختلافات ہیں جو کسی فیصلہ سے متوقّع فوائد یا ان ممکنہ نقصانات کے بارے میں ہوں جن کا اندیشہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر پیش آمدہ نئے مسائل کا تعلّق ایسے امور سے ہوتا ہے جو نہ خالصۃً مفید ہوں نہ سر تا پا مضر، بلکہ جن میں نفع و نقصان دونوں پہلو ہوتے ہیں اور فیصلہ کا مدار دونوں کے درمیان موازنہ پر

Marfat.com

ہوتا ہے۔ یہ موازنہ بہت مشکل کام ہے۔ فوائد کبھی کسی گروہ کو ہونے والے ہوتے ہیں اور نقصانات کسی دوسرے گروہ کو اور اکثر اوقات ملی جلی صورت حال سے سابقہ پڑتا ہے۔ یعنی نفع عام بھی ہو تو سب کو برابر نہیں ہوتا اور یہی حال نقصان کا بھی ہو سکتا ہے۔ نفع کا تعلق کبھی ہمارے جسم و جان سے ہوتا ہے، کبھی خاندان اور سماج سے۔ کبھی نفع نقصان اقتصادی نوعیت کے ہوتے ہیں، کبھی سیاسی نوعیت کے، بلکہ اکثر کئی طرح کے منافع اور کئی طرح کی مضرتیں سامنے ہوتی ہیں ان سب پر مستزاد یہ کہ بعض منافع یا مضرتیں وقتی سمجھی جاتی ہیں اور بعض طویل المیعاد، ایسے میں اختلافات کا ہونا ناگزیر ہے۔

اس فہرست کو مزید طول دیے بغیر اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹیں گے: مقاصد شریعت کے فہم و تطبیق میں بہت سی وجوہ کی بنا پر اختلاف ہوتا ہے، پھر اختلاف کی صورت میں کیا کیا جائے؟ اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ اختلاف کو نہ صرف موجود سمجھا جائے بلکہ اس کے وجود کو برا، قابل مذمّت یا قابل افسوس و ندامت قرار دینے کی بجائے اسے ایک نارمل امر واقعہ سمجھتے ہوئے اس سے عہدہ برآ ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اختلاف دور کرنے یا کم سے کم اس کا دائرہ محدود کرنے کو ایک پسندیدہ کام اور مطلوب قرار دیا جائے، کیوں کہ اس سے پیش آمدہ صورت حال میں مقصدِ شریعت کی شناخت اور اس کے عملی تقاضے پورا کرنے میں مدد ملے گی۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جو رفع اختلاف کے لیے ضروری ہیں، مثلاً تبادلۂ خیالات اور اظہار خیال کی آزادی، آزادیِ اجتماع و تنظیم وغیرہ۔ متعلقہ معلومات کو جمع کرنے اور انہیں پھیلانے کا انتظام بھی درکار

Marfat.com

ہے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ رفع اختلاف کو مطلوب قرار دینے اور اس کے لیے کوشش کرنے کے ساتھ لوگ اس بات پر قانع ہوں کہ اگر ان کے درمیان صورت احوال کے تجزیے، اس کے بارہ میں ہدایت الٰہی کو سمجھنے اور متعلّقہ مقاصد شریعت کی تعیین میں پورا اتّفاق نہ ہو سکا تو بھی فیصلہ کی شکل نکالی جا سکے گی اور وحدتِ امّت برقرار رہے گی، نیز یہ کوئی عجوبہ نہ ہو گا، مسلمان پہلے بھی ان جیسے حالات سے گزر چکے ہیں۔

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ زبان، مکان اور زمان کے فرق سے پیدا ہو سکنے والے اختلافات کو کم کرنے اور ان کا دائرہ محدود کرنے اور معاشرہ میں ان کی وجہ سے تشویش اور افسردگی پیدا ہونے کی روک تھام کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

زبان کے فرق کو بناءِ اختلاف بننے سے روکنا

اس بات کا اہتمام کرنا ہو گا کہ ہر ملک میں ایسے تعلیمی اور تحقیقی ادارے موجود ہوں جو ایسے عالم تیار کر سکیں جو عربی زبان و ادب پر اعلیٰ درجہ کی قدرت اور مکمّل عبور رکھتے ہوں۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی انتظام کرنا ہو گا کہ اس ملک کی زبان یا زبانوں میں اسلام کی بنیادی کتابیں دستیاب ہوں تاکہ عام مسلمانوں کے لیے بھی، جو عربی زبان میں دسترس نہ رکھتے ہوں، زیر غور امور پر بحث و مذاکرہ میں حصّہ لینا ممکن ہو۔ ترجموں کی صحت کی جانچ کے علاوہ ان کی وسیع اشاعت بھی ضروری ہے۔ جن اسلامی علوم کی امّہات کتب کا ترجمہ نجی دائرے میں نہ سامنے آ رہا ہو ان کے ترجمہ اور نشر کا اجتماعی سطح پر اہتمام کیا جانا چاہیے۔

Marfat.com

اصل ہدف یہ ہے کہ زبان کا فرق حل طلب مسائل پر غور و فکر اور تبادلۂ خیال میں نہ تو مانع بنے نہ اختلافات کا دائرہ وسیع کرے۔

مکانی فرق سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت

اللہ کا آخری ہدایت نامہ عرب میں نازل ہوا جب کہ اس کی پیروی دنیا کے ہر حصّے میں کی جاتی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف تو سرزمینِ عرب کا علم ہو اور دوسری طرف ان ملکوں کا جس میں تعمیل احکام و ہدایات مطلوب ہو۔ دنیا کے بارے میں عام معلومات کے ساتھ انسانی جغرافیہ (human geography) کی طرف خصوصی توجّہ درکار ہے۔ پہاڑی علاقوں، میدانی علاقوں، ریگستانی علاقوں اور ساحلی علاقوں میں بسنے والوں کے عادات و اطوار، بود و باش اور عرف میں قدیم سے جو فرق پائے جاتے ہیں ان کا تعلّق بہت سے ایسے مسائل سے ہوسکتا ہے جو ہمارے سامنے آئیں، لہٰذا ان کے بارے میں علم سے اختلاف کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جگہ سے متعلّق معلومات کا تعلّق قرآن و سنّت کو سمجھنے کے ساتھ تو ہے ہی، فقہ، تفسیر، شرحِ احادیث اور اسلامی تاریخ کی تدوین چونکہ زیادہ تر جزیرۃ العرب کے باہر، عراق، شام اور مصر وغیرہ میں ہوئی اس لیے ان علاقوں کے بارے میں جغرافیائی معلومات کی بھی اہمیت ہے۔ کسی بات کے گہرے فہم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کہاں کہی گئی۔ ان معلومات میں کمی اکثر اس بات کی تعبیر میں اختلاف کا سبب بن جاتی ہے۔ بحث کے اس حصّہ میں ہم ان باتوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جو اختلافِ آراء کا دائرہ محدود کرسکتی ہیں۔

چوں کہ زیرِ غور مسئلہ کے بارے میں فیصلہ کا نفاذ دنیا کے کسی بھی علاقہ میں

Marfat.com

کیا جا سکے گا اس لیے مختلف علاقوں کے ایسے جغرافیائی حالات جو زمانہ کے ساتھ ہونے والی ترقّیات سے متأثر نہ ہوئے ہوں، مثلاً دن رات کی کمی بیشی، ان کے بارے میں معلومات کی زیادہ اہمیت ہے۔

زمانہ بدلنے سے رونما ہونے والے فرق کے بارے میں اختلافات کا مسئلہ

زمانہ کے آگے بڑھنے کے ساتھ جو تبدیلیاں بالفعل واقع ہو چکی ہیں ان کو جاننے اور سمجھنے میں اختلاف کی وجہ صرف ناواقفیّت ہو سکتی ہے۔ بعض امور زندگی کے بارے میں واقفیّت عام کرنا آسان ہے، مثلاً ذرائع نقل و حمل اور مواصلات میں آنے والی تبدیلیاں۔ مگر بعض پیچیدہ امور کا معاملہ اتنا آسان نہیں۔ انسانی نفسیات، سماجی اداروں، تعلیم و تربیت، مرض و علاج، جرم و سزا......وغیرہ کے بارے میں علوم میں بڑی ترقی ہوئی ہے مگر ان کے بارے میں معلومات عام کرنے میں دو بڑی مشکلیں سامنے آتی ہیں: پہلی مشکل یہ ہے کہ یہ باتیں عام فہم نہیں ہوتیں، ان کو سمجھنے کے لیے کچھ اور جاننا سمجھنا ضروری ہوتا ہے جو سب کو میسر نہیں ہوتا۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ مواصلات وغیرہ میں مذکورہ بالا تبدیلیوں کی طرح یہ دوسری تبدیلیاں جو نفسیّات، سماجیّات، اقتصادیات، علم تعلیم و تربیت، علم الامراض، علم الادویہ، اور علم الجرائم (Criminology) وغیرہ میں آئی ہیں ان کا تعلّق محسوسات سے نہ ہونے کی وجہ سے خود اہل علم و ہنر کے درمیان ان کے بارے میں بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ جو نیا مسئلہ زیر غور آئے اس سے متعلق تازہ ترین معلومات سامنے رکھیں۔ اگرچہ اس بارے میں ہر ایک کی رائے ایک نہ ہو سکے گی کہ کل اور آج میں کتنا فرق ہے پھر بھی اس بارے میں اختلاف کا دائرہ ضرور محدود ہو جائے گا۔

Marfat.com

یہاں یہ بات سامنے رکھنا ضروری ہے کہ کل سے مراد صرف وہ زمانہ نہیں جس میں قرآن نازل ہوا بلکہ حدیث کی جمع و تدوین، فقہ کے مختلف اسکولوں کا ظہور و عروج، اور دیگر اسلامی علوم کے نشوونما کا زمانہ بھی، حسب موقع اور مسئلہِ زیرِغور کی مناسبت سے، اہم ہے۔ عمومی طور پر یہ بات سامنے رہے کہ جب بھی کسی عبارت (text) یا امر واقعہ (event) کا حوالہ دیا جائے اس کے زمانۂ بیان یا زمانۂ وقوع کا ذکر آئے اور بتایا جائے کہ اس وقت اور آج میں کوئی ایسا فرق تو واقع نہیں ہوا جس کا فیصلہ پر اثر انداز ہونا ناگزیر ہو؟ ظاہر ہے اس سوال کا جواب مختلف شرکاءِ بحث مختلف دیں گے، اہم بات یہ ہے کہ لوگ اختلاف کی ان وجہوں سے باخبر ہوں، ان کو عقیدہ و مسلک کا اختلاف نہ بننے دیں اور اختلافات کے باوجود تبادلۂ خیالات اور بحث و مذاکرہ کے لیے تیار رہیں۔

میرا خیال ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کے ذریعہ کسی فیصلہ تک پہنچنے کے عمل میں آج ہمیں جن ممکن اختلافات سے واسطہ ہے ان میں اس قسم کے اختلاف کی اہمیت سب سے زیادہ ہے جس کا اس وقت ذکر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امّت کو جتنی کامیابی زبان اور مکان کے فرق پر مبنی اختلافات سے نبٹنے میں ہوئی ہے اتنی زمانہ کی تبدیلی پر مبنی اختلافات سے نبٹنے میں نہ ہوسکی۔ آئندہ ہم اس بات پر گفتگو کریں گے کہ اس کمی کی تلافی کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے، مگر پہلے اس بات پر غور ضروری ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

مسلمانوں کے فکری احوال اور بدلتا ہوا زمانہ

اس سلسلہ میں دو باتیں سب سے نمایاں ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ زمانہ آگے بڑھنے کے ساتھ زندگی میں آنے والی تبدیلیوں کی رفتار یکساں نہیں رہی۔

Marfat.com

عہد نبویؐ کے بعد کئی صدیوں تک نقل و حمل اور مواصلات کے ذرائع میں کوئی بڑی ترقی نہیں ہوئی، زراعت و صنعت کا حال بھی یہی رہا۔ طاقت (energy) جب تک صرف انسانوں کی قوت بازو، حیوانات یا ہوا اور پانی سے حاصل کی جاتی رہی، یہی حال رہا۔ سترہویں صدی عیسوی میں، یعنی عہد نبوت کے ہزار سال بعد، بھاپ کا انجن دریافت ہونے سے نقل و حمل کی دنیا میں ایک بڑی تبدیلی آئی۔ مگر دو صدی بعد بجلی کی دریافت نے انقلابی اثرات مرتب کیے اور بیسویں صدی میں پہلے پٹرول کے بڑے پیمانے پر استعمال اور پھر ایٹمی طاقت کی دریافت نے دنیا بدل دی۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی تاریخ کے پہلے ہزار سال اور اس کے آخر کے پانچ سو سالوں میں تبدیلیوں کی رفتار اتنی مختلف رہی کہ کوئی مقابلہ ممکن نہیں۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان خود مختار رہے ان کا رویّہ فکری اختلافات، اظہار خیالات کی آزادی، اور بحث و مذاکرہ کے بارے میں اس سے مختلف رہا جو انھوں نے دوسری غیر مسلم اقوام کے زیر حکومت آجانے کے بعد اختیار کر لیا۔ بلکہ ضروری ہے کہ اوّل الذکر دور کو بھی دو ادوار میں تقسیم کیا جائے، زمانۂ عروج و استحکام جو پہلے دور کے نصف اوّل میں رہا اور اضمحلال اور زوال کا زمانہ جو مختلف علاقوں میں مختلف رہا، مگر دوسرے پانچ سو سالوں میں کہیں بھی وہ بات نہ رہی جو شروع کے پانچ سو سالوں میں تھی۔ چوتھی صدی ہجری تک آزادی فکر اور علمی ترقی اپنے انتہائی عروج پر تھی جس کے بیان سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ اس کے بعد سیاسی اختلافات اور طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ عوام کو انتشار فکر و عمل سے بچانے کے خیال سے ہر ایک کو کسی فقہی مذہب سے وابستگی کا مشورہ دیا جانے لگا، کلامی بحثوں کے لاطائل سلسلہ پر بند

Marfat.com

باندھنے میں عافیت سمجھی گئی اور اس خوداعتمادی کی جگہ جس نے عروج کے زمانے میں سارے جہاں کی حکمتیں سمیٹنے اور انھیں اسلامی جامہ پہنانے کی ہمّت دی تھی، اَنجانے کے خوف اور ہر نئی بات کی طرف سے اندیشہ نے لے لی۔ ادھر یہ کیفیت جڑ پکڑ رہی تھی ادھر استعمار کی یلغار نے پوری امت کو دفاعی انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں اسپین سے نکالا جانا اور اس کے دو سو سال بعد مغل اور عثمانی زوال کا آغاز، اٹھارویں، انیسویں صدیوں میں پوری دنیائے اسلام پر استعماری تسلّط اور مسلمانوں کی فکری فضا میں عیسائی مشنریوں کے مچائے ہوئے شور و غوغا کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یہی زمانہ تھا جب یورپ میں صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں زمانہ آگے بڑھنے کے ساتھ رونما ہونے والی مذکورہ بالا تبدیلیاں نئے سوالات اٹھا رہی تھیں مگر امّت کا اندرونی فکری ماحول بدل چکا تھا، تقلید جامد کو اضمحلال و انحطاط سے بچانے کا واحد طریقہ سمجھا گیا جو آواز کسی نئے گوشے سے اٹھی اس پر دشمن کے ایجنٹ ہونے کا گمان ہوا، کسی شامت کے مارے نے اگر یہ کہہ دیا کہ دشمنوں کے پاس کچھ ایسا بھی ہے جو سیکھنے کے لائق ہے تو اسے خارج از ملّت قرار دیا گیا۔

بیسویں صدی کے وسط میں یکے بعد دیگرے سارے مسلمان اکثریت والے علاقوں کی آزاد مملکتیں قائم ہونے کے بعد صورت حال تیزی سے بدلنے لگی۔ مگر صورت حال میں ان خوش آئند تبدیلیوں کا ذکر بعد میں، ابھی ہمیں اس سوال کا جواب دینا ہے جو اوپر کیا گیا، سوال یہ ہے کہ امّت زمانہ آگے بڑھنے کے ساتھ آنے والی تبدیلیوں سے کماحقہ کیوں نہ نمٹ سکی؟ جیسا کہ اوپر کی سطروں میں بتایا گیا کہ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب تیز رفتار تبدیلیوں کا سیلاب آیا تو مسلمان معاشرہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے اسباب کی بنا پر خود اعتمادی سے محروم،

Marfat.com

اندیشوں سے لبریز اور خوفِ شکست و ریخت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اپنے ماضی کے سرمایوں کو بچانے کی خاطر اس نے مستقبل کی دنیا کی لگام کو دوسروں کے ہاتھوں میں جانے دیا مگر اس کی ہمّت نہ کر سکا کہ ایک نئے اسلامی مستقبل کی تعمیر کے لیے ماضی پر تنقیدی نظر ڈالے، تقلید کی مانوس راہوں کو چھوڑ کر نئے راستوں پر قدم رکھنے کی جرأت کرے اور اپنے دور اوّل کی طرح دنیا بھر سے مفید مطلب چیزوں کو سیکھتا ہوا آگے بڑھے۔ اب ان تاریخی اسباب کا ماتم کرنے یا ان کا تدارک نہ کر سکنے پر دوسروں یا اپنوں کو مطعون کرنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ اس صورت حال کو بدلا کیسے جائے۔

تلافیٔ مافات کا آغاز

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس بات کا احساس عام ہو چکا ہے کہ زمانہ جو تبدیلیاں ساتھ لایا ہے ان سے نمٹنے کے لیے کچھ کرنا ہے۔ اس فکری تبدیلی کا آغاز ہوئے دو صدیاں گزر گئیں، ان پر کافی گفتگو بھی کی جاتی رہی ہے۔ ان باتوں کو دہرانے کی بجائے آگے کی بات کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے حالات کے مطابق ایک فعاّل فکری ماحول کی تعمیر میں حصّہ لینے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ خواندگی، تعلیم، صحّت، مالی حالت، فکر عالم، ربط باہم، انکسار و تواضع، سب کے ساتھ تعاون، سب کے لیے اپنے ہی جیسے مقام و احترام کا اعتراف، اس اصول کو مان کر آگے بڑھنا کسی فرد یا گروہ کو کسی دوسرے فرد یا گروہ پر تسلّط جمانے کا حق نہیں۔ یہ آداب دوسروں سے تعلّقات میں برتنے سے پہلے مسلمانوں کو خود آپس میں برتنے ہوں گے۔ اس کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ نئے پیش آمدہ اجتماعی مسائل میں فیصلہ (یا فتویٰ دینے) کا مجاز صرف اپنے گروہ یا اپنے حلقہ کے علماء و فقہاء کو سمجھنے کی بجائے ان مسائل میں فیصلہ کا اسلامی طریقہ

Marfat.com

اختیار کریں۔

شورائی طریق فیصلہ

اسلام نے یہ سکھایا ہے کہ اجتماعی امور میں فیصلہ باہم مشورہ سے کیا جائے۔

قرآن کریم کے مطابق مسلمان وہ ہیں جو:

والّذین استجابوا لربّھم و اقاموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم.

[الشوریٰ: ۳۸]

جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں......

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی مشاورت کے بعد فیصلہ کرنے کی تلقین کی:

و شاور ھم فی الامر، فاذا عزمت فتوکّل علی اللہ. [آل عمران:۱۵۹]

اور معاملات میں ان سے مشورہ کرو، اور جب (کسی کام کا) تہیّہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

باہم مشورہ سے فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ سارے ان امور میں مطلوب ہے جن سے کئی لوگوں کا مفاد وابستہ ہو، مثلاً خاندانی امور:

فان ارادا فصالاً عن تراضٍ منھما و تشاورٍ فلا جناح علیھما.

[البقرۃ: ۲۳۳]

لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی مشاورت کی تاکید فرمائی ہے:

سعید ابن مسیّب نے علیؓ سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا،

Marfat.com

اے اللہ کے رسولؐ، کبھی ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ آ جاتا ہے جس کے بارے میں نہ تو قرآن نازل ہوا نہ آپ کی طرف سے کوئی سنّت قائم ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس معاملہ (میں فیصلہ) کے لیے مسلمانوں میں سے عالم لوگوں (یا فرمایا، عبادت گزار لوگوں) کو بلاؤ اور مشورے سے طے کرو، کسی ایک کی رائے پر فیصلہ کا مدار نہ ہو(۲)۔

معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ ﷺ نے انہیں جو نصیحت فرمائی اس میں یہ بات سرفہرست ہے، فرمایا: جو فیصلہ کرنا' یا جو بات بولنا' علم کے بغیر نہ ہو۔ اگر کوئی اشکال وارد ہو تو بے جھجک (کسی سے) پوچھنا۔ مشورہ کرنا کیونکہ مشورہ کرنے والے کی (من جانب اللہ) مدد ہوتی ہے(۳)۔

ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی جتا دیا کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کی بڑی ذمہ داری ہے:

جابرؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے مشورہ ضرور دینا چاہیے(۴)۔

ابوھریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے مشورہ کیا جائے تو وہ امانت کا ذمّہ دار ہے(۵)۔

اسوۂ نبویؐ

نبی ﷺ خود ہر اجتماعی معاملہ میں مشورہ سے فیصلہ کرتے تھے:

ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے تم لوگوں میں کسی کو اپنے ساتھیوں سے اس قدر مشورے کرتے نہیں دیکھا جس قدر کہ

Marfat.com

رسول اللہؐ کرتے تھے(۶)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشوروں کا تاریخی ریکارڈ بہت طویل ہے، یہاں نہ تو اس کا احاطہ ممکن ہے نہ ہمارے موضوع کا تقاضا ہے کہ ایسا کیا جائے۔ ذیل میں جو مثالیں نقل کی جا رہی ہیں ان سب کا تعلق اختلافی امور سے ہے۔ ہمارے موضوع کی نسبت سے اہم بات یہ ہے کہ جب کوئی اجتماعی معاملہ ایسا درپیش ہوا جس میں لوگوں کی رائیں مختلف تھیں تو اس پر آپؐ نے تبادلۂ خیالات اور بحث و مباحثہ کے بعد فیصلہ کیا۔

جنگ بدر کے موقع پر سب سے مشورہ ہوا پھر آگے بڑھ کر قریش کو مزاحمت دینے کا فیصلہ کیا گیا(۷)۔

پھر جب کچھ لوگ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشاورت ہوئی جس میں بڑا اختلاف ہوا، مگر جس نے جو رائے دی، دلیل کے ساتھ دی۔ چوں کہ بعد میں وحی بھی نازل ہوئی اس لیے اس بحث کی پوری تفصیل کا مطالعہ سورۂ انفال، آیات ۶۷-۶۹ کی تفسیر اور سیرت کی کتابوں، خاص طور پر سیرت ابن ھشام کی مدد سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ ایک تاریخ ساز مشاورت وہ ہے جو جنگ اُحد کے موقع پر ہوئی کہ لڑائی کے لیے مدینہ سے باہر نکلنا چاہیے یا شہر کے اندر رہ کر لڑنا بہتر ہو گا۔ سورۂ الِ عمران آیت ۱۵۹ کا تعلق اسی مشاورت اور فیصلہ سے ہے۔ ہمارے موضوع، اختلافی اجتماعی امور میں فیصلہ کا طریقہ، کی نسبت سے اس نظیر کی بڑی اہمیت ہے۔ سیّد قطبؒ نے اپنی تفسیر، فی ظلال القرآن، میں مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں اس پر بصیرت افروز بحث کی ہے، اس موضوع پر ابن ھشام اور ابن قیم کا مطالعہ بھی مفید رہے گا(۸)۔

Marfat.com

اسی طرح جنگ خندق اور خیبر کے مواقع پر مشاورت اور فیصلہ کی رپورٹوں پر نظر ڈالنا مفید رہے گا۔ اسی طرح قبیلہ غطفان سے صلح کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جو اختلاف ہوا اور جس بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا وہ بھی سبق آموز ہے[۹]۔

خلفاءِ راشدین کے نظائر

حضرت ابوبکرؓ کے اہم فیصلوں میں سے جو تبادلۂ خیال، اختلاف، بحث اور مشورے کے بعد کیے گئے مانعینِ زکاۃ سے جنگ اور جمع قرآن نیز اہل روم سے لڑائی کے لئے فوج بھیجنا شامل ہے۔ ان کا مطالعہ تاریخی مراجع کی مدد سے کیا جا سکتا ہے[۱۰]۔

حضرت عمرؓ کا عہد خلافت زیادہ طویل تھا اس لیے اختلافی امور میں بحث و نظر کے بعد فیصلہ کی نظیریں بھی آپ کے عہد میں زیادہ ملتی ہیں۔ سب سے معرکتہ الآرا مثال عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کی ہے جس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے[۱۱]۔ ذیل کے نظائر بھی سبق آموز ہیں۔

حارثہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: شام کے کچھ لوگ عمرؓ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے نصیب میں کچھ مال، گھوڑے اور غلام آئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کچھ زکوٰۃ ہم سے لی جائے (کہ یہ) پاک ہو جائے۔ (حضرت عمرؓ نے) فرمایا: میرے دونوں پیش رووں نے ایسا نہیں کیا کہ میں ایسا کر سکوں۔ آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں سے مشورہ طلب کیا جن میں علیؓ بھی شامل تھے۔ علیؓ نے کہا، اچھی تجویز ہے بشرطیکہ یہ مستقل ٹیکس نہ بن جائے جو آپؐ کے بعد بھی لوگوں سے وصول کیا جانے لگے[۱۲]۔

Marfat.com

عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے شام کا سفر کیا۔ جب وہ سرغ (نامی جگہ پر) پہنچے تو فوج کے امراء، ابو عبیدہؓ بن الجراح اور ان کے ساتھیوں نے ان سے ملاقات کی۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ سرزمین شام میں (طاعون کی) وبا پھیل چکی ہے۔ ابن عبّاسؓ کہتے ہیں کہ عمر بن الخطّابؓ نے کہا مہاجرین اوّلین کو میرے پاس بلاؤ۔ چنانچہ وہ بلا لیے گئے۔ آپ نے ان سے مشورہ کیا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی رائیں مختلف تھیں۔ بعض نے کہا، آپ ایک کام سے نکلے ہیں، ہماری رائے تو یہی ہے کہ اسے چھوڑ کر واپس نہ جائیں۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا، آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور باقی (بزرگ) لوگ ہیں ہم نہیں چاہتے کہ آپ ان لوگوں کو اس وبا میں جھونک دیں۔ عمرؓ نے کہا، آپ لوگ جائیے، پھر آپ نے کہا، انصار کو میرے پاس بلاؤ تو میں نے انھیں بلوا لیا اور آپ نے ان سے بھی مشورہ کیا تو انھوں نے بھی وہی موقف اختیار کیا جو مہاجرین کا تھا اور ان کے درمیان بھی اختلاف ہوا جیسا مہاجرین کے درمیان ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ جائیے، پھر کہا، یہاں جو قریش کے شیوخ ہوں جنھوں نے فتح (مکّہ) کے موقع پر ہجرت کی ہو ان کو بلاؤ۔ میں نے ایسے لوگوں کو بلا دیا، ان کے درمیان کوئی دو رائے نہیں تھیں، سب نے یہی کہا کہ ہماری رائے میں آپ (اپنے ساتھ آئے) لوگوں کے ساتھ واپس جائیں اور انھیں اس وبا کے حوالہ نہ کریں۔ (سب کی باتیں سننے کے بعد) عمرؓ نے اعلان عام کر دیا کہ صبح سویرے میں (واپسی کے لئے) اپنی سواری پر ہوں گا۔ چنانچہ (آپ کے ساتھ آئے) سب لوگ سوار ہو لیے۔ ابوعبیدہؓ بولے، کیا تقدیر الٰہی سے فرار اختیار کیا جا رہا ہے؟ عمرؓ نے جواب دیا، ابو عبیدہ! کاش یہ بات تمھارے سوا کسی اور نے کہی ہوتی! ہاں، ہم تقدیر الٰہی سے بھاگ کر تقدیر

Marfat.com

الٰہی کی طرف جا رہے ہیں۔

مطالعہ کرنے والا بآسانی یہ دیکھ سکتا ہے کہ رائے دینے والے بے جھجک بولتے تھے اور رائے ظاہر کرنے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا۔ ان فیصلوں کے پہلو بہ پہلو سیّدنا عمرؓ کا ایک کلیتہً مختلف قسم کا فیصلہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہجرت سے کرنے کا فیصلہ تھا جو عام صلاح و مشورہ کے بعد کیا گیا۔ ان چند جھلکیوں سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسلامی سماج میں اظہار رائے کی آزادی اور تبادلۂ خیال کی رسم کتنی گہری تھی اور اختلافی امور میں فیصلہ کرنے میں اس سے کتنی مدد ملتی تھی۔

حضرت عثمانؓ کا تاریخ ساز فیصلہ قرآن کریم کے مستند نسخے تیار کرانا اور ہر علاقہ میں ان کی اشاعت ہے۔ یہ اقدام خاصے غور اور بحث و مباحثہ کے بعد عمل میں آیا[۱۳]۔

آپ کے دور حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس دور میں اختلافات کا بازار گرم رہا۔ اپنے موضوع کی نسبت سے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کبھی زبان بندی کی کوشش نہیں کی۔ ہر عام و خاص کو اپنی رائے کے اظہار کی پوری آزادی تھی۔ نہ تو منبر وعظ سے جہنم کا خوف دلا کر ان کی زباں بندی کی گئی نہ کسی کے پیچھے پولیس لگائی گئی۔ سب سے حساس معاملہ افسران حکومت کی تقرری کا تھا۔ نہ صرف عوام کو بلکہ اکابر صحابہؓ کو بعض تقرریوں سے اختلاف تھا۔ وہ خاموش نہیں رہے، مگر حضرت عثمانؓ نے انؔ کو ان وجوہ سے باخبر کیا جو ان کے فیصلہ کا سبب بنی تھیں۔ یہاں اس مسئلہ کی تنقیح ممکن ہے نہ مطلوب، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بنیادی آزادیوں کو سلب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آیا کیوں کہ اسلام میں انھیں سلب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ ہر اختلاف دور ہونا انسان کے مقدر میں نہیں ہے۔

Marfat.com

ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ رفع اختلاف کے اسلامی طریقوں پر کاربند رہیں اور نتائج اللہ پر چھوڑ دیں۔ جو حکمران یا مصلحین اس حد سے آگے بڑھ کر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی خاطر اسلامی اصول و آداب کی پروا نہ کرتے ہوئے دوسرے انسانوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کرتے، آزادیٔ رائے اور اظہار خیال سے روکتے اور تبادلۂ خیالات پر قدغن لگاتے ہیں وہ اسلام پر ظلم کرتے ہیں۔ سیّدنا عثمانؓ کے عہد کے ان حالات کا مطالعہ مستند تاریخی مراجع کی مدد سے کیا جاسکتا ہے(۱۴)۔

چوتھے خلیفۂ راشد، سیّدنا علیؓ ابن ابی طالب کا دور بڑا مختصر اور پر آشوب رہا مگر اختلاف سے نبٹنے کے معاملہ میں آپ نے جو نظیر چھوڑی ہے وہ بہت اہم ہے۔ سب سے نازک مسئلہ خوارج کا تھا جو بزعم خود دینی بنیاد پر ایک انتہا پسندانہ موقف اختیار کیے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے درمیان اس بارے میں کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، مختلف رائیں پائی جاتی تھیں مگر خلیفہ نے سمجھانے بجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور جس طریقہ پر آپ عمل پیرا رہے اس کی جھلک ذیل کے واقعہ میں دیکھی جا سکتی ہے:

ایک مرتبہ پانچ خارجی ان کے پاس گرفتار کر کے لائے گئے جو علی الاعلان ان کو گالیاں دے رہے تھے اور ان میں سے ایک برسرعام کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔ مگر حضرت علیؓ نے ان سب کو چھوڑ دیا اور اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ ان کی بد زبانی کا جواب تم چاہو تو بدزبانی سے دے لو، مگر جب تک وہ عملاً کوئی باغیانہ کارروائی نہیں کرتے، محض زبانی مخالفت کوئی ایسا جرم نہیں ہے جس کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا جائے(۱۵)۔

عہدِ خلافتِ راشدہ سے آگے بڑھنے سے پہلے اس نکتہ پر توجہ مرکوز کرنا مفید

Marfat.com

ہو گا کہ آزادانہ رائے قائم کرنے والوں کے اظہارِ رائے اور ان کی آراء سے مشاورت کے ذریعہ استفادہ میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک اہم عنصر معلومات کا ہے۔ ایسے مسائل میں سابق تجربہ نہیں ہوتا جو رہنمائی کر سکے۔ قدرتی طور پر ایسی معلومات جن سے فیصلہ میں مدد مل سکے ہر فرد کو یکساں میسّر نہیں ہوتیں۔ آزادانہ رائے قائم کرنے والوں کے مشوروں کی روشنی میں کیے جانے والے فیصلے کا سماجی فائدہ یہ ہے کہ جو معلومات مختلف افراد کے پاس الگ الگ ہوں ان سے استفادہ کا موقع مل جاتا ہے۔ آج جب کہ معلومات کی اہمیّت پر بڑا علمی کام ہو چکا ہے، یہ بات اہم نہیں لگتی مگر اس کا ادراک اسلاف کو بھی تھا۔ ابنِ قیم نے حاکم کے لئے رعیّت سے مشاورت کے فائدے گناتے ہوئے 'ایسی مصلحت جاننے کے لیے جس سے واقفیّت ان میں سے صرف بعض لوگوں تک محدود ہو' کو بھی شمار کیا ہے(۱۶)۔

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر وہ مؤمن کی ذمہ داری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> پس واجب یہ ہے کہ حق جاننے کی طلب ہو اور اس تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کیا ہے کہ استطاعت کے مطابق اس کا تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ کے تقویٰ کا مطلب ہے جو اس نے کرنے کو کہا اسے کیا جائے اور جس سے منع کیا اس سے دور رہا جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بندہ معلوم کرے کہ اس نے کیا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اسے بجا لائے اور کس بات سے روکا ہے تاکہ اس سے بچا رہے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ کن باتوں کی اجازت ہے تاکہ (چاہے تو) انھیں کر

Marfat.com

سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ جاننا یک گونہ اجتہاد اور حق کی تلاش اور اندازہ کے بغیر ممکن نہیں (۱۷)۔

ظاہر ہے اس تلاش حق میں کامیابی ہر فردِ معاشرہ کے نصیب میں یکساں نہ ہو گی۔ مگر مشاورت پورے سماج کو ان تمام افراد کے نصیب سے فائدہ پہنچانے کا طریقہ ہے اور اسلام نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے۔ ابن تیمیہؒ نے خوب لکھا ہے:

> اب جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس بات کی طرف رہنمائی کی کہ حق اختیار کرے، چاہے وہ جہاں بھی ملے اور جس کے پاس سے ملے...... تو ایسا آدمی سب سے بڑا عالم اور سب سے ٹھیک راستے پر قائم اور سب سے اچھے موقف کا حامل قرار پائے گا۔ ایسے لوگوں کے درمیان جب اختلاف واقع ہوتا ہے تو یہ اختلاف رحمت اور ہدایت ثابت ہوتا ہے، یہ لوگ ایک دوسرے کی تائید و حمایت کرتے ہیں اور ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ دراصل یہ اس تعاون اور باہم مل کر غور و فکر کرنے میں داخل ہے جس سے انسان نہ اپنے دینی امور میں مستغنی ہو سکتے ہیں، نہ دنیوی امور میں۔ (ان کے لئے ضروری ہے کہ) رائے قائم کریں، ایک دوسرے کی آراء کو جانیں اور ان پر غور کریں اور آپس میں مشورہ کریں اور سوچیں کہ صحیح فیصلہ تک پہنچنے کے لیے کیا اسباب و وسائل درکار ہوں گے۔ چنانچہ ہر ایک اپنے نتائج فکر سامنے لائے اور اس کی بصیرت نے جو روشنی عطا کی ہو اس کو پیش کرے (۱۸)۔

بڑی اہم بات کہی گئی کہ آزادانہ رائے قائم کرنا، اپنی رائے کا بے محابہ اظہار اور تبادلۂ خیالات دراصل تقویٰ کا تقاضا ہے اور مشورہ کے ذریعہ اختلافات

Marfat.com

کا حل چاہنا اس تعاون باہمی کا تقاضا ہے جسے مومن کا طریق زندگی بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیاء بعض. [التوبۃ:۷۱]
>
> مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔
>
> و تعاونوا علی البرّ والتقویٰ. [المائدۃ:۲]
>
> اور بھلائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

اصحاب بصیرت نے بجا طور پر خود اسلامی حکومت کو اسی تعاون باہمی کا ایک عملی اظہار قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہؒ امام کی پوزیشن ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: 'وہ اور رعایا ایک دوسرے کے شریک ہیں، یہ لوگ اور وہ دین اور دنیا کے مصالح (کے حصول) کے لیے باہم تعاون کرتے ہیں'۔(۱۹)

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا، اس تعاون کا تقاضا ہے کہ ہر فرد موقع آنے پر اپنی رائے ضرور ظاہر کرے۔ نبی ﷺ نے کس پیارے انداز میں یہ بات ذہن نشین کرائی:

> ابوسعید سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی اپنے کو حقیر نہ سمجھے! لوگ بولے، اے اللہ کے رسول! کوئی خود کو حقیر کیوں کر گردانے گا؟ فرمایا، (اس طرح کہ) وہ دیکھ رہا ہے کہ ایک کار الٰہی میں اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ بولے، مگر وہ اس کے بارہ میں نہیں بولتا۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ عزوجل اس سے پوچھیں گے، فلاں مسئلہ میں بولنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ وہ جواب دے گا، لوگوں کا خوف۔ (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے، تجھے تو

Marfat.com

صرف مجھ ہی سے ڈرنا چاہیے تھا! (۲۰)

مسلمانوں کی شروع کی نسلوں کو ان حقائق کا پورا شعور تھا کیوں کہ نبی ﷺ نے جن لوگوں کی تربیت کی تھی، ان کے تربیت یافتہ لوگ اس فیض کو عام کرتے رہے۔ بعد میں سیاسی مصالح اور گروہی مفادات نیز قبائلی عصبیتوں کا اثر بڑھتا گیا اور بنیادی آزادیوں کو سلب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو خوف اور طمع نے ڈیرے ڈالے۔ آزادانہ فکر، بے مہابہ اظہار رائے، کھلے عام تبادلۂ آراء کے اسلامی طریقوں میں کمزوری کا مظاہرہ ہونے لگا۔ عوام کیا خواص کے لیے بھی سیاسی امور میں زبان کھولنا دشوار ہو گیا۔ سیاسی امور میں فیصلے اب مشاورت کی بجائے حکمراں مصاحبینِ خاص کی مدد سے کرنے لگے جن پر کھلے عام تنقید کی بھاری قیمت چکانی پڑتی۔ چنانچہ خلافت راشدہ کی جاری کردہ رسم رفتہ رفتہ بدل گئی اور ملوکیت نے اسلامی سماج کو اس کی اہم خصوصیت سے محروم کر دیا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس مخصوص دائرہ میں جو آگے چل کر فقہ کہلایا، ایسا نہیں ہوا۔ عبادات اور معاملات کے بیشتر مسائل میں آزادانہ اظہار رائے، تبادلۂ خیالات اور یک گونہ اجتماعی طریق فیصلہ رائج رہا۔ دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں غور و فکر اور بحث و نظر کے متعدد حلقے کوفہ، مدینہ، بغداد، دمشق، قاہرہ وغیرہ شہروں میں نمودار ہوئے اور پھلے پھولے۔ ان کے بارے میں تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ فکر و نظر کے ساتھ اختلاف کا بازار بھی گرم رہا۔ بڑے بڑے بزرگان دین جن کی آج ہم یکساں عزت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی آراء سے اختلاف کرتے اور ان پر کھلے عام تنقید کرتے۔ نہ تو کوئی اس کا برا مانتا نہ اسے دبانے کی کوشش کرتا۔ یہی نہیں، مختلف مذاہب فقہ مختلف فیصلے کرتے اور ان پر جمے رہتے مگر ایک دوسرے کو گمراہ نہ قرار دیتے۔ لوگوں کو اپنے خلوصِ نیت پر اعتماد تھا

Marfat.com

اور اللہ پر بھی بھروسہ تھا کہ وہ دلوں کے حال سے واقف ہے۔ اس کی جزا و سزا کا مدار صرف ظاہر پر نہیں۔

قاری کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث ہو گی کہ بڑے بڑے فقہاء ایک دوسرے سے نہ صرف علی الاعلان اختلاف کرتے رہے بلکہ اس اختلاف پر مبنی کتابیں بھی لکھتے رہے، مثال کے طور پر:

الردّ علی سیر الاوزاعی لابی یوسف یعقوب بن ابراهیم

الردّ علی ابی حنیفة لابی بکر بن ابی شیبه

بات یہ ہے کہ اختلاف سے ڈرنا اسلامی سماج میں نسبتاً بعد کی پیداوار ہے اور اس کی کمزوری کی علامت ہے۔ قرنِ اول میں اسے ایک نارمل چیز سمجھا جاتا تھا، کیوں کہ خود نبی ﷺ نے یہی سکھایا تھا:

عطاء ابن یسارؒ ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: دو آدمی سفر کے لیے چلے، نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کیا اور نماز ادا کی۔ پھر وقت ختم ہونے سے پہلے ہی ان کو پانی دستیاب ہو گیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے وضو کیا اور نماز دوبارہ پڑھی، مگر دوسرے نے نماز نہیں دہرائی۔ پھر دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپؐ نے ان سے جس نے نماز نہیں دہرائی تھی فرمایا: تم نے سنت کے مطابق کام کیا (یعنی فرض شرعی پورا ہو گیا اور تمہاری نماز ادا ہو گئی)۔ دوسرے آدمی سے جس نے وضو کر کے نماز دہرائی، آپؐ نے فرمایا: تمھیں دو بار اجر ملے گا، یعنی حکم پر دوبار عمل کرنے کے عوض (۲۱)۔

Marfat.com

ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں کسی نے حکم کی حرفی تعمیل پر اصرار کیا اور کسی نے حکم شرعی کے مقصد کو سامنے رکھا۔ اہم بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دونوں میں سے کسی پر اعتراض نہیں کیا، چونکہ اس طرح کے اختلاف فہم کو دور نہیں کیا جا سکتا۔

> ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ احزاب سے واپس آ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: عصر (کی نماز) کوئی بھی بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔ بعض لوگ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ ان میں سے کچھ نے کہا: جب تک ہم وہاں پہنچ نہ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض نے کہا ہم تو پڑھیں گے، آپؐ کا منشا یہ نہیں تھا۔ جب نبی ﷺ سے یہ بات بتائی گئی تو آپؐ نے ان میں سے کسی کو بھی سرزنش نہیں کی۔ (۲۲)

اگر سیاسی اور سماجی امور میں اوپر سے کیے گئے فیصلے تھوپنے کا رواج ملوکیت کے ساتھ آیا تو روزمرہ معاملات اور فقہی مسائل میں زبان بندی، تقلید اور انفرادی آراء اور ان پر تبادلۂ خیال سے عوام کی محرومی بھی قرون اولیٰ کے طور طریقوں سے ایسا انحراف تھا جو وقتی، علاقائی اور گروہی مفادات و مصالح کی دین معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی رفتہ رفتہ آئی۔ گزشتہ پانچ سو سال میں اسلامی سماج کا جو حال رہا وہ اس سے پہلے کے پانچ سو سالوں میں آئی تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ پہلے جابر اور زیادہ تر دین سے غافل اور بے بہرہ مسلمان حکمرانوں کی دخل اندازی سے بچانے کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کیا گیا، پھر یوروپین اقوام کی سامراجی حکمرانی کے دور میں دفاعی اقدام کے طور پر نئی سوچ پر تالے لگے اور قدیم سے وابستگی اور وفاداری مدارِ دین داری قرار پائی۔ مگر بیسویں صدی عیسوی/چودھویں صدی ہجری کے آتے آتے حالات بدلنے لگے۔ ایک طرف تو وہ قوتیں نہ رہیں

Marfat.com

یا مائل بہ زوال ہوئیں جن سے دفاع کے لیے عام غور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے ذریعہ فیصلہ تک پہنچنے کی اصل اسلامی ریت بدلی گئی تھی اور دوسری طرف نئے مسائل در پیش ہوئے، بلکہ نئے مسائل کا ایسا سیلاب آیا جس نے آخر کی صدیوں میں اختیار کی گئی روش پر قائم رہنا ناممکن بنا دیا۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں[۲۳]۔

اسلامی سماج اب زوال کی صدیوں کے فکری جمود، سیاسی آمریت یا دینی چودھراہٹ پر مبنی طریق فیصلہ کے دلدل سے نکل کر اپنی اصل ڈگر کی طرف واپس آ رہا ہے۔ یہ عمل کم سے کم سو سال سے جاری ہے۔ اب اہم سوال یہ ہے کہ کیا اس بازیافت کی رفتار ان چیلنجوں کا ساتھ دے رہی ہے جن سے امت کو سامنا ہے؟ اگر نہیں تو اسلامی طریق فیصلہ کی بحالی کا عمل تیز تر کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

راقم الحروف اپنی بعض دوسری تحریروں میں اس موضوع پر کچھ روشنی ڈال چکا ہے[۲۴]۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ گزشتہ ایک سو سال کی نسبت آج مسلمانوں کی صورت حال میں جن نئے عوامل کو دخل ہے ان پر توجہ مرکوز کی جائے تا کہ سو سال سے جاری تدابیر کو دہراتے رہنے کی بجائے ایسے نئے اقدامات بھی کیے جا سکیں جن میں بدلتے حالات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہو۔

خوش آئند حالات

ایک بات جس میں تیزی سے فرق آیا ہے وہ معلومات کی سہل الوصولی اور ذرائع ابلاغ کی ارزانی و فراوانی ہے۔ یہ ایک ایجابی تبدیلی ہے۔ اس نے یہ ممکن

Marfat.com

بنا دیا ہے کہ ہر خاص و عام پیش آمدہ مسائل سے واقف ہو سکے، اس کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کر سکے اور اس پر بحث و مباحثہ میں حصہ لے سکے۔

دوسری خوش آئند بات امت کے وسیع آغوش میں ایک ایسے اضافہ کی ہے جو اپنی فکری توانائی اور مادّی وسائل میں امت کے پرانے روایتی عناصر پر فوقیت رکھنے کے سبب نئے غور و فکر میں زیادہ حصّہ لے سکتا ہے۔ آج تقریباً دو کروڑ مسلمان یورپ، شمالی اور جنوبی امریکا اور آسٹریلیا میں رہتے ہیں۔ ان کے درمیان آج روایتی انداز میں پڑھے اور تربیت یافتہ علماء دین کی تعداد برائے نام ہے مگر ایسے دانشوروں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے جن کی اسلام سے وابستگی اور وفاداری کسی دوسرے سے کم نہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد عربی داں لوگوں کی ہے، نیز ان کے درمیان عام خواندگی کی شرح تقریباً صد فی صد ہے۔ نئے پیش آمدہ مسائل جو پوری دنیاءِ اسلام میں زیر بحث ہیں، ان میں سے اکثر سے ان کو روز مرہ واسطہ ہے۔ چوں کہ نئے غور و فکر میں مقاصدِ شریعت سے آگاہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی بھر پور حصّہ لینا ہے، اس لیے آئندہ اس عنصر کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ نئے مسائل میں وہ بھی شامل ہیں جن کا تعلق یورپ امریکا وغیرہ سے دنیاءِ اسلام کے تعلقات (صرف سیاسی، سماجی اور معاشی ہی نہیں دعوتی تعلقات) سے بھی ہے۔ خیال یہی ہے کہ ایسے مسائل کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔ امت کا نوخیز مغربی بازو مغرب سے مکالمہ اور مفاہمت میں مددگار ہو سکتا ہے۔ ان کے اس رول (role) کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس میں سیاسی اقتدار اور علاقائی مفادات اس طرح حائل نہ ہوسکیں گے جس طرح وہ مسلمان ملکوں کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

ایک جاذب توجہ واقعہ مشرق سے آنے والی وہ روشنی ہے جو اسلامی افق پر ابھرنے والے نئے ستاروں سے آنا شروع ہوئی ہے۔ ہماری مراد ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ جنوبی مشرقی ایشیا کے ممالک میں ہونے والی ذہنی اور عملی کاوشوں سے ہے۔ ابھی ان کا اظہار زیادہ تر اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں ہو رہا ہے، مگر ان کی تازگی اور ان کا نیا پن پورے عالم اسلامی پر اثر انداز ہو کر رہے گا۔

صدیوں کی بگڑی عادت کے سبب عالم اسلامی میں خصوصاً ان ممالک میں جو شورائی طریق فیصلہ، عوام کی شرکت سے انتظام و انصرام مملکت، اور اظہار رائے اور آزادئ اجتماع وغیرہ سے محروم ہیں، زندگی کے ہر دائرہ میں ضابطہ بندی کا زور ہے۔ چنانچہ نئے اجتہاد اور پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر اور تبادلہ آراء کے ذریعہ فیصلوں تک پہنچنے کے عمل کو بھی وہ آزادی میسر نہیں ہے جو دوسری تا چوتھی صدی ہجری میں میسر تھی۔ ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ ضابطہ بندیوں میں ہمیشہ پھیلاؤ کا رجحان پایا جاتا ہے اور یہ کہ نئی فکر نئے حل اور نئی راہیں نکالنے کے عمل کو قید و بند راس نہیں آتی۔ ہمیں اس ماڈل پر بھروسہ کرنا ہو گا جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پایا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ افراد کو آزادانہ سوچنے اور تبادلہ خیالات کی دعوت دینے میں کچھ خطر (risk) مضمر ہے۔ اس کے نتیجہ میں طرح طرح کے خیالات سامنے آئیں گے، ان پر بحث و مباحثہ میں بڑا وقت لگے گا، اہل علم کا بڑا وقت ضائع ہو گا کیوں کہ گمانِ غالب یہی ہے کہ ان نئے افکار میں سے اکثر غلط اور لاحاصل ثابت ہوں گے۔ کچھ لوگ سوچ سکتے ہیں کہ وہ صورتِ حال اس سے بہتر ہے جو صدیوں سے قائم چلی آ رہی ہے، یعنی نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی کوشش کو امت کے علماء اور فقہاء کا کام قرار دیا جائے اور باقی لوگوں کو اس بات پر قانع رکھا جائے کہ ان کا کام سمع و طاعت ہے۔

Marfat.com

یہ سوچ درست نہیں۔ اس کی پہلی غلطی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو ایک ایسے عمل میں شرکت سے محروم کرنا چاہتی ہے جس میں حصہ لینا ان کا صرف حق نہیں بلکہ ان کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ اوپر دیئے گئے اقتباسات سے ظاہر ہے۔ دوسری غلطی یہ امید رکھنا ہے کہ جمہور امت کی فعال شرکت کے بغیر دینی درس گاہوں سے فارغ علماء اور فقہاء مسائل زمانہ سے نمٹ سکیں گے۔ رہا یہ تجربہ کہ علماء اور فقہاء کو حسبِ ضرورت جدید علوم کے ماہرین کی رائیں سننے کا موقع ملتا رہے تو کام چل سکتا ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے کام نہیں چل رہا ہے(۲۵)۔

اس طرز فکر کا تیسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر محتاط افراد تو پیچھے ہٹ جائیں گے مگر ان لوگوں کی اجتہادی کوششوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا جو موجودہ زمانہ کے علماء اور فقہاء کے کام سے مطمئن نہیں اور زمانہ کے دباؤ کے تحت نئی سوچ کے عمل میں کافی آگے جا چکے ہیں۔ اس غیر متوازن فضا سے وہ فضا زیادہ اچھی رہے گی جس میں دین دار و پرہیز گار لوگ بھی نئے اجتہادی عمل میں بھرپور حصّہ لیں۔ چوتھی غلطی مبالغہ آرائی ہے۔ ہم سو سال سے اس صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ امت کو اپنے افراد کی اجتہادی کوششوں سے کیا نقصان پہنچا؟ آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ جو قیمت ہمیں لاتعداد نئے افکار کو بحث و نظر کے بعد ردّ کرنے میں لگے، وقت کی شکل میں ادا کرنی ہو گی، اس کے عوض جو متاع بے بہا حاصل ہونے کی امید ہے اسے حاصل کرنے کا اس عمل تفکر و مناظرہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ دوسری سے چوتھی صدی تک جاری رہنے والے عمل، جس کے سہارے امت آج ہزار سال سے جی رہی ہے، اس عمل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ جس خطر کا آج اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے وہ فی الواقع پیش آیا، مگر اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق مفید اور کارآمد کو بقاء و استمرار

Marfat.com

نصیب ہوا اور باقی افکار و آراء تاریخ کی نذر ہوئے:

فامّا الزبد فیذھب جفاءً و امّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض۔ [الرعد:۱۹]

جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ سے سبق لیتے ہوئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو نئے حالات میں نئی سوچ سے نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ نہ سوچنے اور حرکت میں نہ آنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان فرد، مرد اور عورت، مسلمان گھرانے، محلّے، مسجدیں، مدرسے، اسکول، کالج، یونیورسٹیاں، مسلمانوں کی دینی، سیاسی یا سماجی تنظیموں سب کی فضا غور و فکر، بحث اور جرح و تنقید، اختلاف اور ردّ و کد، اور فی الجملہ نئی سوچ کی ہمت افزائی نہیں کرتی بلکہ اس سے ڈرتی ہے، اس کو دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ بسا اوقات ہمارے بزرگ اپنی اس روش کے لیے ماضی کے کچھ ایسے مقولات اور اقدامات کا حوالہ دیتے ہیں جو مخصوص حالات اور محدود وقت کے لیے تھے۔ اب نہ وہ حالات رہے نہ وہ زمانہ۔ ضروری ہے کہ ہم خود اپنے حالات کا تجزیہ کریں، اپنے زمانہ کو سمجھیں اور ہدایاتِ الٰہی اور اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل خود متعین کریں۔

آئین نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اَڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

خلاصۂ کلام

جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں ان میں مقاصدِ شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف ہونا ایک نارمل بات ہے، اس پر تشویش کی ضرورت نہیں۔ ایسی

Marfat.com

صورت حال نادر نہیں، پہلے بھی ایسا ہوا اور آئندہ بھی ایسا ہو گا۔ اسلام نے ہمیں اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتایا ہے۔ پہلا قدم یہ ہے کہ ہدایت الٰہی سے ہر مسلمان مرد اور عورت کا بلا واسطہ رشتہ بحال کیا جائے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ ہر فرد یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اسلام کا تقاضا کیا ہے، خدا کی مرضی کس میں ہے۔ تیسرا قدم یہ ہے کہ جو اس کی سمجھ میں آئے اس کو دوسروں کے سامنے بھی رکھے، ان کی رائے لے، اس پر غور کرے، اس کے بارے میں رائے ظاہر کرے۔ اس عام غور و فکر کو رسمی اور غیر رسمی مجالس اور اداروں سے بھی گزرنا ہو گا۔ اس میں ویب پر بھی مذاکرے ہوں گے اور مساجد میں بھی منبر سے ان پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔ ان باتوں کا چرچا گھروں میں بھی ہو گا اور بازاروں میں بھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ آراء میں تقارب اور ارتکاز نمودار ہو گا۔ ایسے اجتماعی امور جن میں ایک ملک میں ایک ہی فیصلہ ممکن ہے، ان میں شورائی طریقِ فیصلہ سے لائقِ نفاذ حکم تک پہنچا جا سکے گا۔ جن افراد کی رائے فیصلہ سے مختلف رہی ہو گی انھیں بھی اس کی پابندی میں تردّد نہ ہو گا کیوں کہ وہ جانتے ہوں گے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرانے کی کوشش جاری رکھ سکتے ہیں۔ رہے انفرادی مسائل جن میں مختلف افراد کے مختلف مسلک اختیار کرنے میں نہ کوئی اشکال ہے نہ مضرّت، تو پہلے کی طرح لوگ آزاد ہوں گے کہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ رفتہ رفتہ ان کا عمل چند راہیں منتخب کر لے گا۔ انفرادی اور ملکی سطح کے علاوہ دوسری سطحیں بھی ہیں جن پر فیصلے ہو رہے ہیں۔ ماحولیاتی تلوث (global warming) جیسے مسائل عالمی سطح پر فیصلہ چاہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مسائل علاقائی سطح پر اور بعض مقامی آبادیوں کی سطح پر مفاہمت کے طالب ہو سکتے ہیں۔ اصولی بات یہ ہے کہ جس فیصلہ سے جن لوگوں کے مفادات و

Marfat.com

مصالح وابستہ ہوں ان پر کسی فیصلہ تک پہنچنے کے عمل میں ان سب کو، بالواسطہ یا بلا واسطہ، شرکت کا موقع ملنا چاہیے۔

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، اکثر مسائل میں متعلقہ مقصدِ شریعت کی پہچان، کلّی اور اصولی سطح پر، آسان ہوتی ہے۔ ہر خاص و عام اسے سمجھ سکتا ہے۔ مشکل تب پیش آتی ہے جب کہ مقاصدِ شریعت کے ممکنہ طریق حصول کے نتائج اور عواقب جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی مرحلہ ہے جس میں ماہرین فن، سائنسی اور سماجی علوم پر عبور رکھنے والے علماء اور صنعت و تجارت نیز بزنس مینجمنٹ اور پبلک ایڈمنسٹریشن وغیرہ کا تجربہ رکھنے والوں کی فعال شرکت کے بغیر صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں۔ چوں کہ ان تمام امور کا تعلق نئے عوامل اور ان کے مستقبل میں پیش آ سکنے والے اثرات سے ہے، اس لیے ماضی کا فقہی لٹریچر زیادہ رہنمائی نہیں کر سکتا۔ آئندہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ فی الحال ایسے مسائل کے بارے میں کیا ہو رہا ہے، کیا آراء سامنے آ رہی ہیں، رائے دینے والے کون ہیں اور اگر کسی سطح پر کوئی فیصلے کیے گئے تو ان فیصلوں تک پہنچنے کا طریقہ کیا رہا، ان کی قبولیت کا درجہ کیا رہا، وغیرہ۔

امید ہے کہ اس مطالعہ کے نتیجہ میں ہم مقاصدِشریعت کی روشنی میں حکمِ شرعی تک پہنچنے کے عمل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب چہارم

۱۔ ایسی مثالیں خود نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ملتی ہیں۔ شروع میں آپ نے فرمایا تھا کہ قربانی کا گوشت ذخیرہ نہ کیا جائے، بلکہ ایّامِ تشریق میں ہی خود کھا کر اور دوسروں میں تقسیم کرکے ختم کردیا جائے، بعد میں آپ نے ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے مال دینا بند کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ضروری قرار دیا کہ کوئی کسی کا گم شدہ اونٹ پائے تو اسے لا کر حوالہ کرے، چھوڑ نہ دے، جیساکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ ان تمام مثالوں کی تفصیلات مناسب مراجع میں مل جائیں گی۔

۲۔ دارمی: مسند، المقدّمہ، بحوالہ لیزر ڈسک، موسوعۃ الحدیث الشریف، صخر، ۱۹۹۷

۳۔ ابن عساکرؒ مختصر تاریخ دمشق' ترتیب ابن منظور' جلد۲۴' صفحہ۲۷۱' دمشق' دار الفکر'۱۹۹۰ء

۴۔ ابن ماجہ، سنن، حدیث نمبر۳۷۴۷، کتاب الادب، باب المستشار مؤتمن

۵۔ ایضاً، حدیث نمبر۳۷۴۵، کتاب الادب، باب المستشار مؤتمن

۶۔ ترمذی،سنن، حدیث نمبر ۳۰۰۹۔ کتاب الجہاد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی المشورہ

۷۔ امام احمد: مسند، حدیث نمبر ۱۲۴۶۸؛۱۲۸۱۹، کتاب باقی مسند المکثرین، ملاحظہ ہو: (www.al-islam.com)

۸۔ ابن قیّم: زاد المعاد، جلد ۳، صفحہ ۱۷۳-۱۸۰، فصل فی غزوۃ احد۔ بحوالہ: (www.al-islam.com) اور اسی ویب سائٹ پر، ابن ھشام: سیرۃ النبی، جلد ۲ صفحہ۶۳-۶۴ (مشاورۃ الرسول القوم فی الخروج او البقاء)

۹۔ ملاحظہ ہو سیرت ابنِ ھشام، جلد۲

۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو، خالد اسماعیل نایف الحمدانی: الجذور التاریخیّہ للشوری وتطبیقاتھا فی عصر النبوّۃ والخلا فۃ الراشدہ. الدراسات الاسلامیّہ، اسلام آباد، جلد ۳۸، عدد ۲۔ اپریل-نومبر۲۰۰۳،صفحات ۶۲-۶۴

Marfat.com

اس موضوع پر مزید روشنی کے لیے ملاحظہ ہو، توفیق الشاوی: فقه الشوریٰ والا ستشاره. قاهره،دار الوفاء للطباعة والنشرو التوزیع. ۱۹۹۲

۱۱۔ اراضی عراق و شام کے بارے میں مشاورت کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں مل جائیں گی۔ نیز ملاحظہ ہو محمد نجات اللہ صدّیقی: اسلام کا نظام محاصل، ترجمہ: کتاب الخراج، (مصنف) قاضی ابویوسف، کراچی، مکتبۂ چراغ راہ۔ لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۶۔ صفحات ۱۷۰-۱۶۹۔ اور محمد نجات اللہ صدّیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت، باب ۱۱، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، اور، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز

۱۲۔ امام احمد: مسند، حدیث نمبر۷۸، کتاب مسند العشرۃ المبشرہ بالجنۃ باب اوّل مسند عمر بن الخطاب، بحوالہ موسوعة الحدیث الشریف صخر، ۱۹۹۷ء

۱۳۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۴۶۰۴۔ فضائل القرآن اور ترمذی: سنن، حدیث نمبر۳۰۲۹۔ تفسیرالقرآن عن رسول اللہ، ومن سورۃ التوبہ۔ بحوالہ (www.al-islam.com)۔

۱۴۔ ملاحظہ ہو، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی: خلافت و ملوکیت، لاہور، ادارۂ ترجمان القرآن، ۱۹۷۹، صفحہ ۱۰۹

۱۵۔ سرخسی، المبسوط، جلد ۱۰، صفحہ ۱۲۵، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۴ھ، بحوالۂ: خلافت و ملوکیت، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور، ادارۂ ترجمان القرآن، ۱۹۷۹، صفحہ ۱۰۲

۱۶۔ ابن قیم: زاد المعاد، جلد ۳ صفحہ ۲۰۳، بحوالہ لیزر ڈسک: مولّفات الشیخ و تلمیذہ، مرکز التراث لابحاث الحاسب الآلی۔ عمّان۔۱۹۹۹ء

۱۷۔ ایضاً، جلد ۲ صفحہ ۲۳۰

۱۸۔ ابنِ تیمیّہ: الصوائق المرسلة، جلد ۲، صفحات ۵۱۶-۵۱۷، بحوالہ لیزر ڈسک: مولّفات الشیخ وتلمیذہ، مرکزالتراث لابحاث الحاسب الآلی، عمان ۱۹۹۹ء

۱۹۔ ابن تیمیہؒ: منہاج السنة، جلد۵، صفحہ۴۶۳، ریاض، جامعۃ الامام سعود الاسلامیۃ، ۱۹۸۶

۲۰۔ ابن ماجہ، سنن، حدیث نمبر۴۰۰۸

۲۱۔ ابوداؤد، سنن، حدیث نمبر۳۳۸

۲۲۔ بخاری، صحیح، باب صلاۃ الطالب والمطلوب

۲۳۔ ملاحظہ ہو دوسرا باب

Marfat.com

۲۴۔ ملاحظہ ہو: اکیسویں صدی میں اسلام، مسلمان اور تحریکِ اسلامی نئی دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۲۰۰۵؛ اسلام معاشیات اور ادب، خطوط کے آئینہ میں، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰، صفحات ۳۹۷۔۴۲۶ اور تحریکِ اسلامی عصرِ حاضر میں دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۱۹۹۵؛ نیز نجات اللہ صدیقی: معاصر اسلامی فکر[چند توجہ طلب پہلو]، ایفا پبلیکیشن، نئی دہلی، تاریخ اشاعت درج نہیں۔

۲۵۔ یہ بحث طویل ہے، چند باتوں کے لیے ملاحظہ ہو www.siddiqi.com/mns پر

"Shariah, Economics and the Progress of Islamic Finance: The Role of Shariah Experts Concept", paper presented at Pre-Forum Workshop on

Select Ethical and Methodological Issues in Shari`a -Compliant Finance, Seventh Harvard Forum on Islamic Finance, Harvard Law Schoo, Cambridge: Massachusetts, USA, Friday 21 April 2006.

Marfat.com

پانچواں باب

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اجتہاد کی حالیہ کوششیں

اس باب میں ہماری کوشش ہو گی کہ یہ معلوم کریں کہ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں اور اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں مسلمانوں کے درمیان نئے مسائل پر ہونے والے غور و فکر، بحث و نظر اور اختلافی امور میں فیصلہ تک پہنچنے کی روئداد کیا رہی۔ اس عمل کے دوران مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع کی کیا کیفیت رہی، کیا اس ریکارڈ میں مستقبل کے لیے کچھ سبق ہیں جن کو سیکھ کر آئندہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں؟ اس مطالعہ سے ہمیں یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ اپنے اصل سوال کا کہ، مقاصدِشریعت کی رہنمائی میں فیصلہ تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے؟، تشفی بخش جواب حاصل کرنے میں کچھ پیش قدمی کر سکیں۔

بعض اوقات انسان کو اپنے بدن یا اپنے ماحول کے بارے میں نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی روشنی میں مقاصدِ شریعت کی تحصیل کے نئے امکانات سامنے آتے ہیں۔ مگر یہ معلومات یا متعلقہ امکانات مختلف فیہ ہو سکتے ہیں اور اس اختلاف کا فتویٰ اور فیصلہ پر اثر پڑ سکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ایک ایسی مثال بھی سامنے رکھی جائے گی۔

اس جائزہ کے بعد ہم بعض ایسی مثالیں نوٹ کریں گے جن میں وقت گزرنے کے ساتھ فتوے بدل گئے، دریں حالیکہ پہلے فتویٰ میں بھی مصالح اور مقاصد پیشِ نگاہ تھے اور دوسرے فتویٰ میں بھی ان ہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

پہلے مرحلہ پر اس مطالعہ کے لیے ہم نے جن مسائل حاضرہ کا انتخاب کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

☆ مسلمان عورت کتابی مرد کے نکاح میں۔
☆ غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں کے لیے اور مسلم اکثریتی ممالک میں غیر مسلموں کے لیے، شہریت، حکومت میں شرکت اور فوج میں شمولیت وغیرہ۔
☆ عورت کی سربراہی۔

مذکورہ بالا مسائل میں سے ہر ایک اپنی آغوش میں مسائل کا ایک مجموعہ لیے ہوئے ہے۔ نیز ہر مسئلہ کا تعلّق زندگی کے ایک منفرد دائرے سے ہے۔

مسلمان عورت کتابی مرد کے نکاح میں

فقہ میں یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ مسلمان مرد اہلِ کتاب عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن مسلمان عورت اہلِ کتاب مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اگر اہلِ کتاب میاں بیوی میں سے شوہر مسلمان ہو جائے تو اس کی بیوی، اہلِ کتاب ہونے کے باوجود، اس کے نکاح میں رہے گی مگر بیوی مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح باقی نہیں رہے گا، اس کی اہلِ کتاب مرد سے علیحدگی لازم ہو گی۔ مگر جب سے مغربی ممالک میں، جہاں غالب اکثریت اہل کتاب کی ہے، قابل لحاظ مسلمان اقلیتیں بسنے لگیں، انہیں کچھ ایسے حالات سے سابقہ پیش آیا جن میں اس حکم پر عمل سے شریعت کے مقاصد فوت ہوتے نظر آئے جن کی بنا پر بعض علماء نے جن میں یوسف قرضاوی اور حسن ترابی کا نام سر

Marfat.com

فہرست ہے، سابقہ حکم کو پیش نظر صورت حال کے لیے ناموزوں قرار دیتے ہوئے نیا فتویٰ دیا ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے یہ کہا ہے کہ اگر کتابی میاں بیوی میں سے بیوی مسلمان ہو جائے مگر بیوی کو توقع ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا کتابی شوہر اسلام میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس کے نکاح میں باقی رہے گی، البتہ اسے چاہیے کہ شوہر کے اسلام لانے تک اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔

اس اجمال کی تفصیل اس فتویٰ میں ہے جو المجلس الاوروبی للافتاء و البحوث (European Council for Fatwa and Research) نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ جولائی ۲۰۰۱ء میں جاری کیا۔ اس اجلاس کی صدارت شیخ یوسف قرضاوی کر رہے تھے جو اس مجلس کے صدر بھی ہیں۔

القرار 8/3

المجلس الاوروبی للافتاء والبحوث کا ریزولوشن در مسئلہ: عورت کا اسلام لانا اور اس کے شوہر کا اپنے دین پر قائم رہ جانا۔

مجلس نے ان مختلف بحثوں اور تحقیقات پر غور کیا جو تین مسلسل جلسوں میں اس کے سامنے پیش کی جاتی رہی تھیں، مختلف آراء پر مشتمل ہونے کے باوجود گہرائی اور تفصیل پر مشتمل تھیں۔ مجلس نے فقہی آراء کا ان کے دلائل کے ساتھ مطالعہ کیا اور ان کو قواعدِ فقہ اور اصول فقہ کی روشنی میں پرکھا، نیز شریعت کے مقاصد کی روشنی میں جانچا۔ اس نے ان خاص حالات کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جن سے ان نو مسلم خواتین کو مغربی ممالک میں سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے شوہر اپنے

Marfat.com

مذہب پر قائم رہتے ہیں۔ مجلس تاکید کرتی ہے کہ مسلمان عورت کے لیے شروعات کے طور پر غیر مسلم مرد کے ساتھ شادی کرنا حرام ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔ اسلاف و اخلاف سب متفق ہیں۔ البتہ اگر یہ شادی اس عورت کے اسلام لانے سے پہلے ہوئی تھی تو اس بارے میں مجلس یہ طے کرتی ہے کہ:

......نمبر تین: اگر بیوی مسلمان ہوئی اور شوہر اپنے مذہب پر قائم رہا تو مجلس کی رائے ہے کہ:

ا۔ اگر اس کا اسلام لانا اس کے شوہر کے اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہو تو دونوں کے درمیان علیحدگی فوراً واجب ہو گی۔

ب۔ اگر وہ عورت اس شوہر سے مباشرت کرنے کے بعد اسلام لائی ہو مگر اس کا شوہر عدت گزرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کا رشتہ نکاح باقی رہے گا۔

ج۔ اگر اس عورت کا اسلام لانا شوہر کے اس کے ساتھ مباشرت کرنے کے بعد ہوا اور عدّت کی مدّت بھی گذر گئی، تو اسے اختیار ہے کہ اس شوہر کے اسلام لانے کا انتظار کرے، چاہے یہ انتظار کتنا ہی طویل ہو۔ پھر اگر شوہر اسلام لے آیا تو وہ دونوں اپنے پہلے نکاح پر باقی سمجھے جائیں گے، اس نکاح کی تجدید کی کوئی ضرورت نہیں۔

د۔ اگر وہ عورت عدّت گزرنے کے بعد اپنے اس شوہر کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو اسے عدالت کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرانا ہو گا۔

......مذاہب اربعہ کے نزدیک ایسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ

Marfat.com

عدّت گزرنے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہے، یا اس کو اپنے ساتھ (جنسی) تعلق قائم کرنے دے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہتی رہے، ان تمام حقوق اور واجبات کے ساتھ جو بیوی ہونے کے ناطے وارد ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ امید کرتی ہو کہ شوہر اسلام لے آئے گا اور (اس کے ساتھ رہنا) اس (عورت) کے دین میں رکاوٹ نہ ہو۔ اس رائے کی حکمت یہ ہے کہ عورتیں یہ جان کر اسلام میں داخل ہونے سے نہ رک جائیں کہ اسلام لانے سے ان کا اپنے شوہروں کو چھوڑنا اور خاندان کو خیرباد کہنا لازم آئے گا۔ (اس رائے کے حامل علماء) اپنی دلیل میں عمرؓ بن الخطّاب کے اس فیصلہ کا حوالہ دیتے ہیں جو آپ نے حیرہ میں رہنے والی اس عورت کے بارے میں دیا تھا جو خود اسلام لائی تھی مگر اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوا تھا، کہ 'اگر وہ چاہے تو اس آدمی کو چھوڑ دے اور چاہے تو اسی کے ساتھ باقی رہے'۔

یہ روایت یزید بن عبداللہ الخطمی سے ثابت ہے۔ اسی طرح یہ علماء امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کی اس رائے کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی عورت جو کسی یہودی یا عیسائی مرد کی بیوی ہو، اسلام لے آئے تو چوں کہ اس کے ساتھ ایک عہد ہو چکا ہے اس لیے اس مرد کا اس عورت کے (جنسی عضو) پر حق رہے گا۔ یہی رائے ابراہیم نخعی، شعبی اور حماد بن ابی سلیمان سے بھی ثابت ہے۔

ڈاکٹر حسن ترابی کی رائے پھر سے ان کے حالیہ انٹرویو کے ذریعہ سامنے آئی

Marfat.com

ہے جو اخبار الشرق الاوسط کے نمائندہ کو انھوں نے دیا ہے۔ یہ انٹرویو، جسے ۲۱ مئی ۲۰۰۶ء کے الشرق الاوسط اخبار کے لیے امام محمد امام نے لیا تھا اور اس اخبار کے عربی اور انگریزی ایڈیشنوں میں لندن میں چھپا ہے، اس اخبار کی ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے[1]۔

یہی انٹرویو سوڈان ٹربیون کی ۵ مئی ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ انٹرویو لمبا ہے اور بہت سے سیاسی اور سماجی مسائل سے تعرض کرتا ہے۔ ذیل میں صرف اپنے موضوع سے متعلق حصے نقل کیے جا سکیں گے۔

سوال: کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ شادی شدہ عورتیں جو اسلام لائیں ایک غیر مسلم شوہر کے نکاح میں باقی رہ سکتی ہیں......؟

جواب: ایک بار ایسا ہوا کہ ایک امریکی خاتون ایک اسلامک سنٹر میں اسلام لانے کی غرض سے گئی مگر وہ چاہتی تھی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ اپنے غیر مسلم شوہر کے نکاح میں باقی رہے۔ سنٹر کے ذمہ داروں نے اس سے کہا کہ اگر وہ اپنے اسلام لانے کے ارادہ میں مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ طلاق کی کارروائی شروع کر دے، باوجود اس کے کہ اس میں بڑا خرچہ تھا اور ڈر تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تولیت سے محروم ہو جائے گی۔ ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ ایسے افراد سے جو ابھی اسلام کی طرف پہلا قدم اٹھانے جا رہے ہوں یہ مطالبہ بہت ہی بڑا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس رویہ کی وجہ سے بہت سی عورتیں اسلام قبول کرنے سے جھجکتی ہیں۔

مجھے یہ فتویٰ دینے سے پہلے اسلامی قانون کے بارے میں خاصی ریسرچ کرنا پڑی۔ خاص طور پر میں نے اسلامی فقہ پر بعض ایسی

Marfat.com

کتابوں کا مطالعہ کیا جو تاریخ کے بعض مخصوص ادوار میں مرتب کی گئی تھیں۔ ماضی کے سارے فتاویٰ جن میں مسلمان عورت کی غیر مسلم مرد سے شادی ممنوع قرار دی گئی تھی، ایسے زمانہ میں جاری کیے گئے تھے جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی جھگڑے چل رہے تھے۔ دوسری طرف مجھے قرآن یا سنت میں ایک لفظ بھی نہ ملا جو ایسی شادیوں کو ممنوع قرار دیتا ہو(۲)۔

اس مخصوص واقعہ کی نسبت سے جس میں امریکہ میں ایک عورت اسلام قبول کرنا چاہتی تھی، میری رائے یہ تھی کہ اسے اپنے شوہر کے نکاح میں رہنے دیا جائے۔ ہو سکتا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ آدمی اسلام میں داخل ہو جاتا، ہو سکتا تھا کہ بعد میں دوسری خواتین اور ان کے خاندان بھی یہی کرتے......

ہمیں ان مسلمان اقلیتوں کو جو مغرب میں اہلِ کتاب کے درمیان رہتے ہیں، اختیار دینا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں کہ کیا طریقہ مناسب ہو گا کیوں کہ وہی اس سے اوّلین مرحلہ میں متأثر ہوتے ہیں۔ وہ اسی نتیجہ تک پہنچیں گے کہ اپنی بیٹیوں کو عیسائی اور یہودی مردوں کے ساتھ شادیاں کرنے دیں کیوں کہ غالباً یہ شادیاں ان کے شوہروں کو اسلام کی طرف لے آئیں گی، بصورت دیگر عورت خود اسلام پر قائم رہ سکے گی۔ مغرب میں انفرادی آزادی کا دائرہ عام طور پر زیادہ وسیع ہے، لوگوں کو حالات کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے اور مناسب طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

یہ بات بھی سامنے رہے کہ بیس سال پہلے جب شمالی امریکہ کے معروف

Marfat.com

اسلامی ادارے المعہد العالمی للفکر الاسلامی نے جدّہ میں منّظمة المؤتمر الاسلامی کی مجمع الفقه الاسلامی کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تھا تو اس نے مذکورہ بالا رائے کے برعکس معروف فقہی مسلک پر اصرار کیا تھا[۳]۔

المجلس الاوروبی للافتاء و البحوث کے ایک اور رکن نے بھی جو امریکہ میں مقیم ہیں، اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے جس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے[۴]، بعض اقتباسات ذیل میں درج ہیں:

> فقہ المقاصد ہی کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی حل کیا جانا چاہیے کہ اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور اس کے شوہر نے اسلام قبول نہ کیا ہو تو کیا دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی؟[۵]
>
> فکر مقاصدی کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عورت کو بچایا جائے اور ایسی عورتیں امریکی معاشرہ میں لا تعداد ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ اگر تم اسلام قبول کرو گی تو تمہیں شوہر کو چھوڑنا پڑے گا، اولاد کو چھوڑنا پڑے گا تو اس کا کوئی شوہر نہ ہو گا، کوئی اس کے اخراجات پورے کرنے والا نہ ہو گا، اب وہ اس سلسلہ میں اور اپنے بال بچوں کے سلسلہ میں کیا راستہ اختیار کرے گی؟ بیشتر عورتیں یا تو اسلام قبول کر کے مرتد ہو جائیں گی یا اسلام قبول ہی نہیں کریں گی...... ہم اس فتویٰ کے ذریعہ بندگانِ خدا کو اللہ کے دین سے روکنے والے ہوں گے[۶]۔

آپ نے دیکھا کہ ایک نیا موقف اختیار کرنے والوں نے کس طرح نئے حالات میں اسلام کے اس مقصد کو کہ اللہ کے بندے راضی خوشی اللہ کے دین میں داخل ہو سکیں اور ان کو اس پر قائم رہنے میں ناقابلِ برداشت مشکلات کا

Marfat.com

Marfat.com

دو سو سال پہلے شمالی اور جنوبی امریکہ نیز آسٹریلیا میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یورپ میں بھی چند جگہوں کے علاوہ مسلمان برائے نام تھے۔ جب اسلامی ممالک یوروپین اقوام کے زیرِ نگیں ہوئے تو صورت حال بدلنے لگی اور تعلیم، ملازمت اور فوجی خدمت وغیرہ کی غرض سے ان ملکوں میں طویل اقامت کی ضرورت پڑنے لگی۔ اسلامی ممالک آزاد ہوگئے تو یہ سلسلہ اور بڑھا۔ پچھلی صدی میں یورپ، شمالی اور جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا میں بڑی بڑی مسلم آبادیاں نمودار ہوئیں۔ شروع شروع میں ان ممالک میں جا بسنے کی بڑی مخالفت ہوئی۔ ایسے فتوے صادر ہوئے جن کا منشاء لوگوں کو ان ممالک میں مستقل اقامت پذیر ہونے سے روکنا تھا۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ ان ممالک کے شہری بن کر نہ رہ پڑیں، بلکہ کام پورا ہو جانے پر واپسی کی نیّت سے رہیں۔ مگر بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں یہ آوازیں خاموش ہوگئیں۔ ایسا ہونے میں بڑا دخل ان ممالک کے حالات کا بھی تھا جن سے لوگ 'ہجرت' کر کے مغربی ممالک کا رخ کر رہے تھے۔ بعض مسلمان اقلیتیں اپنی مظلومیت کا حوالہ دے رہی تھیں تو بعض مسلم اکثریت والے ممالک میں دیندار مسلمانوں اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے کوشش کرنے والے اپنے اوپر ہونے والے مظالم سے پریشان تھے۔ مغربی ممالک میں مذہب کی بنیاد پر عدم تفریق کی پابند بنیادی انسانی حقوق کی ضامن، سیکولر حکومتیں ان کے لیے نہ صرف ذاتی پناہ گاہ بن کر سامنے آئیں بلکہ ان کو وہاں اپنی دینداری اور اسلامی سرگرمیوں کے لیے بھی وسیع میدان ملا۔ ایسے حالات میں یہ سن کر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے:

اگرچہ اوّلینِ صحابہ کی حبشہ کی طرف ہجرت مستقل قیام یا بس رہنے کی نیّت سے نہیں تھی مگر وہ ہجرت جن علاقائی اور ملکی نیز داخلی اور نفسیاتی

Marfat.com

احوال کے درمیان ہوئی تھی، وہ بہت سی باتوں میں ان حالات سے مشابہت رکھتے ہیں جن سے آج مسلمانوں کو سابقہ ہے۔ ان اوّلین مسلمانوں کو جس معاشی تنگی، کمزور رکھے جانے، اجنبیوں جیسے برتاؤ اور زبردستی دیس نکالے سے واسطہ تھا، وہ کسی نہ کسی درجہ اس سلوک سے مماثلت رکھتے ہیں جن سے ان کے بعد میں آنے والوں، یعنی موجودہ نسل کو واسطہ پڑا، جن کے سبب ان کو اس وطنِ عزیز کو خیرباد کر کے جو انہیں راس نہ آ سکا ایسے ممالک میں جا بسنا پڑا جہاں اب بھی کچھ عدل اور صداقت باقی ہے(۷)۔

آج جو آوازیں سنائی دے رہی ہیں وہ یہی تلقین کر رہی ہیں کہ مغربی ممالک کے مسلمان ان ملکوں کے شہری بن کر رہیں۔ شہریت کے تمام حقوق سے فائدہ اٹھائیں اور شہریت کے تمام فرائض ادا کریں۔ آج کی شہریت اسی طرح ہے جیسے آغازِ اسلام میں کسی قبیلہ سے وابستگی۔ وہ کل کا عرف تھا، یہ آج کا عرف ہے۔ مسلمانوں نے جس طرح قبائلی دور کے معروفات کو اسلام کے حق میں استعمال کیا اسی طرح انہیں آج کی ریاستوں کے معروفات کو اسلام کے مفاد میں استعمال کرنا چاہئے۔ علامہ یوسف قرضاوی، شیخ راشد الغنوشی......وغیرہ علماء اور دانشوروں کی انفرادی آوازوں کے علاوہ یہی فتویٰ المجلس الاوروبی للافتاء والبحوث کا بھی ہے۔

المجلس الاوروبی للافتاء والبحوث کے رکن اور برطانیہ کی فتویٰ کمیٹی کے جنرل سکریٹری، شیخ سالم الشیخی کہتے ہیں:

مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان سیاست میں حصہ لینے کے بارے میں بنیادی طور پر تین مراحل سے گزرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ

Marfat.com

بحث و مباحثہ اور فقہی تحقیق کا ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کا سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے۔ کتنے ہی فتوے ہیں جن کا آج بھی حوالہ دیا جاتا رہتا ہے کہ مسلمانوں کو یورپ میں سیاست سے دور رہنا چاہئے۔ ہم اس مرحلہ سے تقریباً گزر چکے ہیں۔ دوسرا مرحلہ عملاً سیاست میں حصہ لینے کا ہے۔ اس کام کو اب بھی صورت حال کے صحیح فہم اور سیاسی کارکنوں کی تائید کرنے والے شرعی فتاویٰ کی ضرورت ہے۔ تیسرا مرحلہ جو فی الواقع ہنوز آنا باقی ہے، ایسے سیاسی رسوخ کا ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو سیاسی وزن حاصل ہو سکے اور وہ ایسے حلقوں کی تائید کرسکیں جو یورپ میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں مددگار ہوں......(۸)۔

مغربی ممالک کی شہریت حاصل کرنے کا مسئلہ اس سے پہلے ۱۹۹۲ء میں فرانس میں منعقد ہونے والے ایک فقہی سیمینار میں بھی زیرِ غور آیا تھا۔ اس سیمینار میں اکابر علماء، شیخ مصطفیٰ زرقاءؒ، شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ اور شیخ یوسف قرضاوی وغیرہ شریک تھے۔ ڈاکٹر سیّد درشؒ کے تیار کردہ انگریزی خلاصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک فرانس جیسے ملکوں میں پایا جانا خود ایک مسئلہ تھا، اگرچہ یہ بات سمجھی جا چکی تھی کہ وہاں مسلمانوں کا وجود عارضی نہیں رہا، اور اس وجود کے مسائل کو مستقبلِ بعید کے امکانات کو سامنے رکھتے ہوئے زیرِغور لانا ہو گا۔ چنانچہ مجلس نے اس بارے میں ایجابی موقف اختیار کیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ بحث و مذاکرہ میں مقاصدِ شریعت کا حوالہ دیا گیا یا نہیں، مگر مستقبل کے دعوتی امکانات اور فی الجملہ ایک مثبت رول ادا کرنے کی تاکید اسی طرف لے جاتی ہے(۹)۔

مشہور اسلامی دانشور اور مصنف، طارق رمضان نے شہریت سے وابستہ

Marfat.com

فرائض کی ادائیگی کو، جن فرائض میں سب کے ساتھ مل کر عدل و انصاف کے لیے جدوجہد سرِفہرست ہے، ایک دینی تقاضا قرار دیا ہے[١٠]۔ ایک دوسرے صاحب فکر، احمد صدقی دجانی نے ۲۰۰۲ء میں جرمنی میں جاری کیے جانے والے اسلامی چارٹر پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی رائے کا اظہار کیا ہے[١١]۔ تونس کی اسلامی تحریک کے رہنما اور مشہور صاحب فکر، راشد غنوشی نے اس مسئلہ پر عمومی حیثیت سے گفتگو کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> مسلمانان عالم کی تقریباً ایک تہائی تعداد اپنے ممالک میں اقلیت کے طور پر رہتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی امید نہیں کر سکتے کہ ان پر اسلام کے مطابق حکمرانی کی جائے، اس کے برعکس ان میں سے بہتوں کو اس خطرہ کا سامنا ہے کہ ان کو مٹانے کی کوشش کی جائے یا ان کے خلاف تعصب برتا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے پاس ان کے لیے کیا امکانات ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسوں کو قریب ترین اسلامی ملک میں ہجرت کر کے چلے جانا چاہیے۔ اکثر اوقات یہ ممکن ہی نہیں، اگر یہ ممکن ہو تو بھی سوال یہ ہے کہ کیا یہ مفید ہو گا؟ یہ تو ایک ایسا تباہ کن راستہ معلوم ہوتا ہے جسے دشمنان اسلام، اپنی کوششوں کے ضمن میں پیش کرتے ہیں۔ بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کی ایسی حالت میں مسلمانوں کو (نظام حکومت سے) کنارہ کشی کر کے (حالات بدلنے کا) انتظار کرنا چاہیے، مگر یہ تجویز اس ایجابی اور حرکی رویہ سے نہیں میل کھاتی جس کی اسلام اپنے پیروؤں سے توقع کرتا ہے۔
>
> ایسے لوگوں کے لیے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ سیکولر جمہوری جماعتوں

Marfat.com

کے ساتھ مل کر ایک ایسے سیکولر جمہوری نظام کے قیام کے لیے جدّوجہد کریں جس میں انسانی حقوق کا احترام کیا جائے، جن حقوق میں کہ وہ ضروری مصالح شامل ہیں جن کے تحفظ کے لیے اسلام آیا ہے، مثلاً جان، عقل، نسل، مال، آزادی اور خود دین، جس میں ان سوسائٹیوں میں مسلمانوں کے عقیدہ، مذہبی شعائر اور پرسنل لاز کا تحفظ شامل سمجھا جاتا ہے......(۱۲)۔

شیخ راشد غنوشی کے نزدیک مسئلہ یہ نہیں کہ اقلیتی ممالک کے مسلمانوں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ وہ مقاصد شریعت کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا واجب ہے:

یہ جان لینے کے بعد کہ اسلامی حکومت کا مقصود تمام انسانی مقاصد کو ایک ساتھ حاصل کر دکھانا ہے، جب ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اصول استطاعت کے مطابق، واجب ہو گا کہ جس قدر حاصل کرنا ممکن ہو اسی کے حصول کی کوشش کی جائے۔ یعنی ہم اسی قدر مکلّف ہیں جتنی ہم میں استطاعت ہو۔ اب بھلا ایسے حالات میں کوئی اسلامی گروہ مشترکہ جدوجہد سے کیسے پیچھے ہٹ سکتا ہے جب کہ ہمارے بس میں ہو کہ دوسرے گروہوں کے ساتھ مل کر، قطع نظر اس کے کہ وہ گروہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں، جو اگرچہ شریعت پر نہ قائم ہو مگر شریعت کے اساسی قواعد میں سے ایک قاعدہ یعنی شوریٰ پر مبنی ہو، یعنی اس اصول پر کہ اقتدار جمہور کا ہے، جس (اشتراک عمل) کے ذریعہ کہ کسی شر، جیسے ڈکٹیٹر شپ پر مبنی حکومت، یا غیر ملکی تسلّط، یا مقامی افراتفری، یا بھک مری کا ازالہ

Marfat.com

مطلوب ہو۔ یا جس کے ذریعہ کسی اہم ملکی اور انسانی مصلحت مثلاً آزادیٔ وطن، یا ملک کی معاشی ترقی اور اس کا اتحاد، یا عام لوگوں یا کسی خاص گروہ کے لیے سیاسی حقوق کی ضمانت حاصل کرنا مقصود ہو جیسے انسانی حقوق، سیاسی پلورلزم، عدلیہ کی خود مختاری، صحافت کی آزادی، مساجد کی آزادی اور دعوت و تبلیغ کی آزادی۔ جن حالات میں ایک جمہوری اسلامی نظام کا قیام ناممکن ہو ان حالات میں ایک ایسے سیکولر جمہوری نظام کے قیام کی کوششوں میں حصہ لینے سے کیسے باز رہا جا سکتا ہے؟ تاکہ ابن خلدون کے الفاظ میں[١٣] اگر شرع کی حکمرانی ناممکن ہو تو عقل کی حکمرانی قائم کی جائے۔ اشتراک عمل سے دوری ہرگز مناسب نہیں۔ بلکہ واجب شرعی ہے کہ مسلمان ایسے نظام کے قیام کی کوشش میں انفرادی اور اجتماعی طور پر شرکت کریں۔ ایسا کرنا ان اصولوں اور مقاصد شریعت کی روشنی میں لازم آتا ہے جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے، جن کا جوہر ہے مصالح اور مفاسد کا موازنہ کر کے فیصلہ کرنا۔ وہ اصول بھی اس صورت حال پر منطبق ہے جس کا تعلق ضرورت اور استطاعت سے ہے، نیز شریعت کے وہ اصول بھی سامنے رہیں جن میں نتائج و عواقب کی روشنی میں فیصلہ کرنے پر زور دیا گیا ہے[١٤]۔

نئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے مجموعی مفادات و مصالح، نیز انسانیت کے عمومی اور طویل المیعاد مسائل کے حل کے لیے سوچنے میں مقاصد شریعت کا یہ حوالہ سبق آموز ہے۔

فوجی خدمت کا مسئلہ

Marfat.com

غیر مسلم اکثریتی ممالک کے مسلمان شہریوں کے لیے ایک نازک مسئلہ ملکی فوج میں ملازمت کا ہے۔ عام حالات میں بھی اس کا جواز یا عدم جواز موضوع بحث رہا ہے، مگر حال میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اکثر اوقات اس سے ان مسلمان فوجیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی آزمائش کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ہمارے موضوع کے اعتبار سے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں ان نزاکتوں کے باوجود ضروری سمجھا گیا کہ غیر مسلم اکثریتی مملک کے مسلمان اپنے ملک کی فوج میں شامل ہوں اور وہ جملہ فرائض ادا کریں جو اس سے وابستہ ہوں۔

۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی فوج میں ملازم، محمد عبد الرشید، کے سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ یوسف قرضاوی اور ان کے ساتھ فتویٰ کمیٹی کے دوسرے ممبران نے جو کچھ فرمایا، اس کو تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے[15]۔ بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

> مسلمان فوجیوں کو دوسرے مسلمانوں پر فوج کشی کرنے سے جو حرج واقع ہوتا ہے اس کی جڑ یہ ہے کہ لڑائی میں یہ ممکن نہیں کہ اصل مجرم جن کو ان کے کیئے کی سزا دینا مقصود ہے، ان کے اور بے گناہ لوگوں کے درمیان تمیز برتی جا سکے جن کا جو کچھ ہوا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ناممکن نہیں تو ایسا کر سکنا دشوار ضرور ہے۔ نبی ﷺ کی صحیح حدیث میں آیا ہے: 'جب دو مسلمان شمشیر بکف آمنے سامنے ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنّم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا، قاتل کی حد تک تو بات سمجھ میں آئی مگر مقتول (کیوں جہنّم میں جائے)؟ فرمایا: اس نے اپنے بھائی کو قتل

Marfat.com

کرنا چاہا تھا'۔ [اسے بخاری اور مُسلم نے روایت کیا]

اس حدیث شریف کا تعلق اس صورت حال سے ہے جب مسلمان اپنے فیصلہ میں آزاد ہو، اس کے لیے ممکن ہو کہ چاہے تو لڑے اور نہ چاہے تو نہ لڑے۔ مذکورہ حدیث ایسے حالات پر منطبق نہیں ہوتی جن میں مسلمان ایک شہری ہو اور ایک مملکت کی باضابطہ فوج میں سپاہی ہو۔ اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جو احکام صادر کئے جائیں ان کی تعمیل کرے۔ ایسا نہیں کرے گا تو اپنے ملک سے اس کی وفاداری مشکوک قرار پائے گی اور اس سے اس کے حق میں متعدد نقصان دہ عواقب رونما ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے شہریت کے حقوق سے فائدہ اٹھانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اس سے وابستہ ذمہ داریاں نہ ادا کرے۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا صحیح حدیث کے متن میں اور اس جیسی دوسری احادیث میں، جس حرج کا ذکر ہے وہ یا تو دور ہو جاتے ہیں یا ان اجتماعی نقصانات کے پیش نظر قابل معافی قرار پا جاتے ہیں جو امریکی فوج کے تمام مسلمان سپاہیوں کو پہنچ سکتے ہیں، بلکہ امریکہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو پہنچ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی اپنے اس ملک سے وفاداری ہی مشتبہ ہو جائے گی جس کی شہریت لے کر وہ اس ملک میں جملہ حقوق شہریت سے مستفید ہو رہے ہیں (اور جن کے تقاضے میں) انہیں چاہیے کہ شہریت کے جملہ فرائض بھی ادا کریں۔

اس فتویٰ میں (آگے کی عبارت میں جو نقل نہیں کی گئی ہے) مقاصد شریعت کا لفظ نہیں استعمال ہوا ہے۔ اس کی جگہ قواعد شرعیہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دونوں

Marfat.com

کے درمیان گہرا ربط ہے، جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے(۱۶)۔

بات صرف ان نقصانات تک محدود نہیں جن کا ذکر اوپر نقل کیے گئے فتویٰ میں آیا ہے۔ جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود تعداد میں بہت زیادہ ہیں، ان میں ان کے فوج میں ہونے نہ ہونے کا ان کے تحفظ، جان و مال کے اور دین و ملت دونوں کے تحفظ، پر گہرا اور دور رس اثر پڑتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا یہی حال ہے، چنانچہ ہندوستان کے مسلمان علماء اور دانشوروں نے فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی نمائندگی کے مسئلہ کو اہمیت کے ساتھ اٹھا رکھا ہے۔

ہمارے موضوع کے اعتبار سے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ کس طرح ایک مسئلہ جب تک کسی فرد واحد کی روزی روٹی کے مسئلہ کے طور پر دیکھا جاتا رہا تو فتویٰ یہ رہا کہ فوج میں ملازمت سے دور رہو، جب (امریکی) فوج میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد ہزارہا ہزار ہوگئی اور فوجی خدمت کو شہریت کے حقوق و فرائض سے مربوط کیا گیا تو فتویٰ جواز میں بدل گیا۔ پھر ہندوستانی مسلمانوں کے سیاق میں جب فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی نمائندگی کو مسلمانوں کے مفادات و مصالح کے پس منظر میں دیکھا گیا اور اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے طویل المیعاد مستقبل کے لیے اس کی اہمیت پر غور کیا گیا تو مسئلہ کی نوعیت یکسر بدل گئی۔ اب سوال جواز یا عدم جواز کا نہیں، مطالبات اور مہم جوئی کا ہو گیا۔ زیر بحث موضوع کے مزاج اور حدود کے پیشِ نظر ہمارا مرکزِ توجہ نہ تو زیرِ غور مسئلہ ہے نہ اس کے بارے میں اوپر نقل کی گئی آراء۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں مختلف حالات میں مختلف موقف اختیار کئے جاتے رہے ہیں، اور ایسا مقاصدِ شریعت کی رہنمائی میں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

مسلم اکثریتی ممالک کے غیر مسلم شہری

ابھی تک اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو، قدیم فقہی اصطلاح کی پابندی کرتے ہوئے، ذمّی کہا جاتا رہا ہے اور سارا زور اس پر رہا ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ اسلامی ریاست میں اہل ذمّہ کو بڑے حقوق حاصل ہوں گے۔ مگر زورِ بیان سے یہ حقیقت نہیں چھپ سکی کہ ذمّی کا درجہ شہری سے مختلف ہو گا۔ ظاہر ہے یہ مختلف درجہ شہریت سے اوپر کوئی درجہ تو نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تقسیم ایک عملی ضرورت کی علمی تعبیر تھی نہ کہ الٰہی سند رکھنے والی دائمی تقسیم، اسی طرح کسی اسلامی حکومت کے باشندوں کے درمیان (جو اکثر و بیشتر نہ صرف پیدائشی بلکہ پشتینی طور پر اسی ملک کے باشندے ہوں) کوئی تقسیم جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کی گئی اور فقہ کی کتابوں میں جگہ پا گئی، دائمی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ تقسیم بھی علماء کی طرف سے ایک زمینی حقیقت، ایک امر واقع، کی علمی تعبیر تھی۔ آج ہزار برس بعد زمینی حقائق بدلے ہوئے ہیں اور ان کے فہم و تعبیر کی نئی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کوششوں کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام انسانوں کے دنیوی حقوق کے بارے میں دین کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں برتتا اور شہریت کا موضوع ایسے ہی حقوق ہیں۔ تمام بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت ہر فرد بشر کو حاصل ہے۔ اس ضمانت کا تعلق اس امتحان و آزمائش سے ہے جس کے لیے ہم بنائے گئے ہیں کیونکہ اس کے بغیر آزادانہ فیصلہ و اختیار ممکن نہیں رہتا۔ رہی غلط فیصلہ کی سزا تو اس کا وقت آخرت کی زندگی ہے، سو اختیار کے اخلاقی عواقب ضرور دنیا میں بھگتنے پڑیں گے مگر اسلام کسی کو امتحان زندگی میں ناکام ہونے کے سبب بنیادی حقوق سے نہیں

Marfat.com

محروم کرتا۔ غور کیجئے تو یہی تقاضائے حکمت ہے کیونکہ رحمت الٰہی نے آدمی کو اس کی آخری سانس تک حسن اختیار کا موقع دیا ہے۔

اسلامی ملک میں غیر مسلم شہری کے حقوق کی تعبیر نو کا ایک بڑا محرک غیر اسلامی ملکوں میں مسلمان شہری کے حقوق ہیں۔ یہ بات انسان کی بنیادی اخلاقی حس کے خلاف ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان ہر طرح کے حقوق چاہیں اور جہاں ان کا اقتدار ہو وہاں غیر مسلم باشندوں کو اسلام کے نام پر انہی جیسے حقوق سے محروم کریں۔ اخلاقی معیار اور عدل و انصاف کے پیمانے سب کے لیے یکساں ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ اصول ہمیں تب یاد آیا جب کہ اسلامی دنیا کے باہر سو سے زیادہ ملکوں میں مسلمانوں کا وجود امر واقع بن کر سامنے آیا اور مسلم دنیا میں بسنے والے دنیا کی مسلم آبادی کے ساٹھ فیصد لوگوں کے مفادات و مصالح کو غیر مسلم دنیا میں بسنے والے چالیس فی صد مسلمانوں کے مفادات و مصالح سے مربوط کر کے دیکھا گیا۔ آج جب شیخ یوسف قرضاوی کہتے ہیں کہ 'سارے فقہاء اہل ذمہ کو اہل دار الاسلام شمار کرتے ہیں جس کے معنی آج کی زبان میں شہری ہونا ہے' تو اس کی پشت پر یہی ادراک ہے، اسی وجہ سے وہ دعوت دیتے ہیں کہ 'غیر مسلمین کے مسائل پر (پھر سے) غور کیا جانا چاہیے اور حالات کی تبدیلی کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے دانشمندانہ راستہ اختیار کرنا چاہیے'[۱۷]۔ بعض دانشوروں نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم ممالک کی غیر مسلم اقلیتوں نے مغربی اقوام کی حکمرانی کے دور میں آزادی کی جدو جہد میں جو شرکت کی، اسے بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے[۱۸]۔ جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا اس طرح کی باتیں اور بھی ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے، اہم چیز اس بات کا شعور ہے کہ نئے حالات ایک نئے موقف کا تقاضا کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے مقاصد

Marfat.com

شریعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ مقاصد شریعت نیا موقف اختیار کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

عورت کی سربراہی

اسلامی تاریخ میں عورت کی حکمرانی کی بعض مثالوں کے علی الرغم، فقہ یہی کہتی رہی کہ اسلامی ملک میں سربراہ حکومت مرد ہونا چاہیے۔ مگر ۱۹۶۲ء میں پاکستان میں ایوب خان کے مقابلہ میں صدارتی انتخاب لڑنے کے لیے علماء کی ایک معتدبہ جماعت نے فاطمہ جناح کو چنا جن کی کامیابی کے امکانات تھے۔ ان علماء میں دیوبندی مکتب فکر کے اکابر میں سے مولانا مفتی محمد شفیع اور دوسرے مکاتب فکر کے ممتاز علماء شامل تھے[۱۹]۔

صورت حال کا اندازہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے: ''مجھے یقین ہے کہ اگر اس انتخاب میں فاطمہ جناح کی تائید نہ کی گئی تو یہ آمریت پھر مسلط ہو جائے گی۔ اس کا مسلّط ہونا میرے نزدیک عورت کو سربراہ بنانے کی بہ نسبت کم از کم دس گنا زیادہ بڑا گناہ ہے''[۲۰]۔

شیخ راشد نے اپنی کتاب: **المراۃ بین القرآن الکریم و واقع المسلمین**[۲۱] میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کی رائے میں مسلمان عورت کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے اور اس کے مناصب حکومت پر فائز ہونے میں کوئی حکم شرعی مانع نہیں۔ ان مناصب میں صدر مملکت کا عہدہ بھی شامل ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں انھوں نے ڈاکٹر عبداللہ درازؒ، سیّد قطبؒ، شیخ محمد الغزالیؒ اور شیخ یوسف قرضاوی وغیرہ کے حوالے بھی دیے ہیں۔ ہمارے لیے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کی اس ضمن میں 'مقاصد اسلام' کا حوالہ بھی دیا گیا ہے[۲۲]۔

Marfat.com

عورت کا سماجی کردار

مذکورہ بالا مسئلہ کے ذیل میں ان مباحث پر ایک نگاہ ڈال لینا مناسب ہو گا جو اجتماعی زندگی میں مسلمان عورت کی حصہ داری اور سرگرمی سے متعلق ماضی قریب میں برابر اٹھتے رہے ہیں۔ اپنے موضوع کی مناسبت سے ہمیں ان مباحث پر خود رائے زنی سے نہیں بلکہ اس بات سے دلچسپی ہے کہ مسلمان علماء اور دانشور اِن مسائل سے کس طرح عہدہ برآ ہو رہے ہیں، ان کی سوچ میں مقاصد شریعت کے ادراک کی کیا اہمیت ہے؟ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ عرصہ دراز کے بعد ان مسائل کے زور شور سے اٹھنے کی وجہ کیا ہے۔

جہاں تک عورت کے سماجی کردار کا تعلق ہے، صدیوں سے وہ عالم اسلامی کے مختلف علاقوں میں مختلف رہا ہے، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ایک ہی علاقہ میں مختلف طریقے اختیار کئے جاتے رہے جیسا کی حکمرانی کے مسئلہ میں ہم نے پچھلے صفحات میں بتایا۔ ہندوستان میں ذات پات کے نظام، ستی کے رواج اور شوہر کو بے چون و چرا اطاعت کا مستحق قرار دینے کا جو ماحول تھا اس کا یہاں کی مسلم معاشرت پر بہت گہرا اثر پڑا۔ یہاں تک کہ بعض ایسے طور طریقے بھی رواج پا گئے جو اسوۂ نبوی کے سراسر خلاف تھے، مثلاً عورتوں اور مردوں کا ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھانا، عورتوں کو سلام نہ کرنا، یا ان کے سلام کا جواب نہ دینا، عورتوں کو مساجد میں نہ آنے دینا، وغیرہ۔ یہ مقامی عرف و عادات تھے جنہیں دانستہ یا نادانستہ مسلم معاشرہ نے بھی اپنا لیا۔

نو آبادیاتی نظام کے خاتمہ اور مسلمان ملکوں کی آزادی کے بعد مختلف وجوہ سے صدیوں سے قائم عرف و عادت کو بدلنے کا داعیہ نمودار ہوا۔ عورتوں میں خواندگی بڑھی اور اعلیٰ تعلیم بھی عام ہونے لگی۔ ملکوں کا نظم و انصرام اہل ملک کے ہاتھ میں آیا، مجالس قانون ساز بنیں اور ان میں عورتوں کی نمائندگی کا مسئلہ سامنے آیا۔ نجی دائرہ میں تجارت و صنعت نے فروغ پکڑا اور یہ ممکن ہوا کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی طرح مسلمان ممالک میں بھی عورتیں پیداواری عمل میں حصہ

Marfat.com

لیں۔ تعلیم کے لیے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں، صحت عامہ کا دائرہ وسیع ہوا، عورتوں کے لیے ذاتی پریکٹس، ملازمت، یا شراکت داری کے کاموں کے وسیع امکانات سامنے آئے۔ جیسا کہ شیخ راشد غنوشی نے اپنی محولہ بالا کتاب میں رقم کیا ہے، گزشتہ صدی کے نصف آخر میں اسلامی تحریکات کی سرگرمیوں میں عورتوں نے فعّال حصہ لیا جس سے مسلمان عورت کے سماجی رول کا دائرہ وسیع ہوا[۲۳]۔

ابھی ان نئے عوامل کے اثر سے پرانی عادات و اعراف اور ان کے مطابق فتاویٰ کے بدلنے کا سلسلہ جاری تھا کہ مغربی ممالک میں قابل لحاظ مسلمان آبادیاں نمودار ہوئیں۔ ان آبادیوں کا ایک عنصر اپنے ساتھ اپنے اصل وطن کے عرف و عادات ساتھ لایا تھا تو دوسرا عنصر وہ بھی تھا جو ان مغربی ممالک ہی میں پیدا ہونے اور اسی ماحول میں پروان چڑھنے کے سبب انھی مقامات کے عرف و عادات سے مانوس تھا۔ لباس، وضع قطع، کھانے پینے کے آداب، رہن سہن، ملنے جلنے کے طور طریقے، خوشی اور غم میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے آداب وغیرہ معاشرتی امور جن سے اللہ کی کتاب میں تعرض نہیں کیا گیا ان میں ان لوگوں کو اسلامی ملکوں سے ہجرت کر کے آئے مسلمانوں کے نمونے راس نہیں آئے، نئے موقف اختیار کرنے کی ضرورت پڑی۔

مغربی ممالک میں عورتیں عام طور پر سر نہیں ڈھانپتیں جب کہ مشرق میں غیر مسلم اقوام میں بھی سر ڈھکنے کا رواج رہا ہے۔ اس بارے میں کوئی واضح حکم نہیں، چنانچہ جس آیت قرآنی میں عورت کے لباس کا ذکر ہے[۲۴]، اس میں 'خمار' کو سینے پر ڈالنے کو کہا گیا ہے۔ خمار کے معنی اوڑھنی کے ہیں۔ عام طور پر اردو میں ترجمہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اوڑھنی سر پر ہوتی ہوئی سینہ تک لائی جائے۔ دوسری آیت جس میں ازواج مطہرات کو گھر سے باہر نکلنے میں 'جلباب' نیچے کر لینے کہ ہدایت ہے، اس میں اس کی حکمت یہ بتائی گئی

Marfat.com

ہے، 'پہچان لی جائیں تاکہ کوئی انھیں تنگ نہ کرے'(۲۵)۔

ڈاکٹر حسن ترابی کے نزدیک حجاب کا حکم ازواج مطہرات کے لیے تھا، مسلمان عورتوں کے لباس سے حجاب کے لفظ کا کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر سورۃ احزاب آیت ۳۵ میں ہے۔ مسلمان عورتوں کے لباس سے تعلق 'خمار' کا ہے(۲۶)۔ معروف نومسلم دانشور مراد ہوفمان مترجم قرآن محمد اسد کے حوالہ سے عورت کے سر ڈھانکنے کو عرب کے موسم کے سیاق میں پایا جانے والا ایک رواج قرار دیتے ہیں جس کی پابندی مغرب میں رہنے والی مسلمان عورت کے لیے ضروری نہیں(۲۷)۔

فرانس، چند دوسرے یورپین ممالک اور ترکی کی حکومتوں کی سخت گیر پالیسیوں کی وجہ سے مسئلہ حجاب نے اتنا طول کھینچا ہے کہ بعض نام نہاد (غیر مسلم) دانشور اسے اسلام اور مغربی تہذیب کے اس ٹکراؤ کا نمونہ سمجھنے لگے ہیں جس کی بات سیموئل ہنگنگٹن نے چلائی ہے۔ ایسی حالت میں یہ رائے وزن اختیار کرتی جا رہی ہے کہ اس فروعی اور اختلافی مسئلہ پر محاذ آرائی اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ یہ بھی مقاصد شریعت کی روشنی میں کسی رائے تک پہنچنے کی ایک مثال ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے واضح کیا ہے(۲۸)، بہت سے امور میں شرعی احکام اس قوم کی عادت اور عرف پر مبنی ہوتے ہیں، جن کے درمیان نبی بھیجا جاتا ہے۔ یہ ایک قدرتی اور حکیمانہ بات ہے، مگر اس کا تقاضا بنتا ہے کہ جہاں عرف و عادت مختلف ہوں وہاں کے لیے اصلِ دین اور مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھ کر سوچا جائے۔

ناقص یا نامکمل معلومات کی روشنی میں فیصلہ طلب امور پر غور کے تقاضے

جینی علوم (genetic sciences) نسبتاً نئے علوم ہیں جن کی روشنی میں

Marfat.com

دوسرے امکانات کے ساتھ بعض امراض کے علاج یا ان کو روکنے کی تدابیر کا انکشاف ہو رہا ہے۔ مقاصدِ شریعت میں حفظِ جان اور حفظِ نسل کو اونچے مقام حاصل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان genetic engineering سے کس حد تک مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس اہم سوال پر ملایا یونیورسٹی، کوالالمپور کی ھدیٰ ہلال نے قلم اٹھایا ہے[۲۹]۔ ان کی بحث کے چند نتائج درجِ ذیل ہیں:

کلوننگ کے بعض ممکنہ مفید استعمالات کے باوجود اس کے مفاسد کا پلّہ بھاری ہے، اسے حرام قرار دینا ہو گا۔

امّت کو human genome پروجکٹ میں بھرپور حصّہ لینا چاہئے کیوں کہ اس سے متعدّد علمی اور عملی فوائد وابستہ ہیں، جن کا تعلّق جان، نسل اور عقل کے تحفظ سے ہے۔ البتہ ڈی این اے ریسرچ کے نتیجہ میں نکلنے والے نئے طریقِ علاج چونکہ ابھی زیادہ تر تجرباتی دور سے گزر رہے ہیں اس لیے احتیاط لازم ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> ان نئے طریقوں سے متعلق حکمِ شرعی طے کرنے میں تجربات کے نتائج سامنے آنے تک انتظار مناسب ہو گا۔ اگر کچھ ناگوار نتائج بھی سامنے آتے ہیں اور ساتھ ہی بعض انسانی مصالح کی تحقیق بھی متوقع ہو تو اس قاعدہ کا سہارا لینا مناسب ہو گا جس کے مطابق مصلحتِ راجحہ کو مفسدۂ مرجوحہ پر مقدم رکھنا چاہئے۔ اس ریسرچ کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں مقاصدِ شریعت کی تحصیل اور مطلوبہ خلافت برپا کرنے کی خاطر ان علوم میں مہارت اور ان پر عبور حاصل کرنا واجب ہے[۳۰]۔

جینیٹک انجینئرنگ اور کلوننگ وغیرہ مسائل پر کچھ فتوے بھی آئے ہیں[۳۱]۔

Marfat.com

مذکورہ بالا اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد جدید مسائل کی ایک مخصوص قسم کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔ اس قسم کی پہچان یہ ہے کہ ابھی تک کسی کو بھی ان کی ماہیت کا مکمل علم نہیں، نہ ان سے متوقع منافع کا یا ان نقصانات کا ٹھیک اندازہ لگانا ممکن ہے جو ان کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں اٹھانے پڑ سکتے ہیں۔ پھر بھی ہم ان سے متعلق کوئی موقف اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ قسم صرف سائنٹیفک امور اور ٹکنالوجی کے دائرہ میں محصور نہیں، زندگی کے دوسرے دائروں میں بھی اس سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ اقتصادیات اور مالیات میں اس کی ایک نمایاں مثال hedge funds کی ہے[۳۲]۔ ظاہر ہے کہ جہاں نہ تو ماہیت پر اتفاق ممکن ہو نہ مصالح اور مفاسد کے موازنہ پر وہاں حکم شرعی طے کرنے میں بھلا کیسے اختلاف نہ ہو گا۔

پندرہ برس پہلے hedge funds میں سرمایہ کاری برائے نام تھی۔ مگر آج کل یہ مالیاتی بازار میں نفع آور سرمایے کاری کا ایک بڑا ذریعہ ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار بلین ڈالر کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ مگر اس کی افادیت کے بارہ میں ماہرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ سرمایہ کے بازار کی کارکردگی بڑھاتا، اس میں مزید سہولت liquidity پیدا کرتا اور عدم تیقن اور خطر سے عہدہ برآ ہونے کا ایک فعّال طریقہ ہے مگر بعض دوسرے ماہرین اس کی اس خوبی کے قائل نہیں ہیں۔ اسلامی مالیاتی بازار میں بھی رائیں مختلف ہیں اور عمل بھی۔ ایک طرف اسلامی ہیج فنڈ جاری کرنے کا اعلان ہے۔ جس کی پشت پر بعض علماء شریعت کی سند بتائی جاتی ہے تو دوسری طرف اس طریقہ پر نکیر ہے[۳۳]۔

بدلتے حالات میں بدلتے ہوئے فتوے

اب ہم بعض ایسے فتووں کا ذکر کریں گے جن میں حالات کی تبدیلی کے

Marfat.com

ساتھ تبدیلی کی جاتی رہی ہے اور بہر صورت مصالح و مقاصد ہی پیشِ نظر رہے ہیں۔ ان فتووں کا تعلق ملائشیا کی اسلامی امور سے متعلق نیشنل کونسل کی فتویٰ کمیٹی سے ہے(۳۴)۔ پہلا مسئلہ مسلمان مردوں کے کتابیہ عورتوں سے نکاح کا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں اس مجلس نے کہا تھا کہ:

> مجلس اس بات پر متفق ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم عورت عیسائی ہو جائے اور کوئی مسلمان مرد اس سے نکاح کرے تو ان دونوں کا نکاح باطل ہے، صحیح نہیں(۳۵)۔

جیسا کہ محولہ بالا کتاب کے اگلے صفحات میں واضح کیا گیا ہے، جمہور علماء اسلام کی رائے کے برخلاف اس فتویٰ کا سبب ملائشیا کے مخصوص حالات کو قرار دیا گیا تھا۔ فتویٰ کمیٹی کو اندیشہ تھا کہ ملائشیا میں مسلمان مردوں کو عیسائی عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے سے 'ملّتِ اسلامیہ ملائشیا کے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے گا'(۳۶) اس اندیشہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے محولہ بالا کتاب کے مصنف نے جنوب شرق ایشیا، بالخصوص انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایسی شادیوں کو عیسائیت کی آغوش میں لے جانے کا ذریعہ بنایا جا سکتا تھا(۳۷)۔ نیز کثیر تعداد میں مسلمان ملیشیائی خواتین شادی کے انتظار میں بیٹھی رہ گئیں تھیں(۳۸)۔ مزید برآں مجلس کے ایک رکن کا کہنا تھا کہ: 'اسلام نے کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ایسے حالات میں دی تھی جب مسلمان کی شخصیت قوی تھی اور اس کا اثر غالب تھا۔ اب اجتماعی حالات بدل گے ہیں اور عورتیں فیصلہ کن اثر رکھتی ہیں'(۳۹)۔

۱۹۸۰ء میں اسی کمیٹی نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ: 'جب عیسائی میاں بیوی میں سے کوئی، ایک اسلام لائے تو وہ دونوں اس شرط کے ساتھ اپنے نکاح پر قائم رہ سکیں گے کہ خاندان کی زندگی اسلامی رہے'(۴۰)۔ محولہ بالا کتاب کے مصنف کی یہ

Marfat.com

رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ اس نئے فتویٰ کی ضرورت اس لیے پڑی کہ نکاح کی خاطر ترکِ اسلام سے روکا جا سکے، اور کسی مخصوص فقہی رائے پر اصرار سے مقاصدِ شریعت کی خلاف ورزی نہ عمل میں آئے[۴۱]۔

دوسرا مسئلہ بینک کے سود کا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ملائشیا کی اسلامی امور سے متعلق مذکورہ بالا فتویٰ کمیٹی نے کہا تھا کہ: 'امت کی تجارت و صنعت کی ترقی کی خاطر بینکوں کے قرضوں پر سود (دینا) ضرورت کی بنیاد پر جائز ہے'[۴۲]۔ یہی اجازت بینکوں میں جمع رقوم پر سود لینے کے بارے میں بھی دی گئی: 'اسلامی ادارے یا تجارتی کمپنیاں جن کے ممبران مسلمان ہوں ان کے بنکوں میں جمع سرمایوں پر جو سود ملے اسے لینا اس حرج کی بنا پر جائز ہے جس میں آج کل مسلمانوں کی اقتصادیات مبتلا ہے...... یہی معاملہ افراد کی جمع کردہ رقوم کا بھی ہے......'[۴۳]

مذکورہ بالا کتاب کے مصنف، ڈاکٹر محمد فردوس نور الهدیٰ نے تفصیل سے ان مشکلات کا ذکر کیا ہے جن کے حوالہ سے، ضرورت اور رفع حرج کے فقہی اصولوں کی بنیاد پر یہ فتویٰ دیا گیا تھا[۴۴]۔ دس سال بعد، ۱۹۸۰ء میں اسی مجلس نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ: 'موجودہ بینک ربا پر مبنی ہیں لہٰذا ان سے نہ قرض لینا جائز ہے نہ ان میں رقوم جمع رکھنا۔ مجلس کے نزدیک معاشی ترقی کی خاطر لیے جانے والے قرضے اسلامی بینکوں کے ذریعہ لیے جانے چاہئیں، خواہ ملک کے اندر کے (اسلامی) بنکوں کے ذریعہ یا باہر، مثلاً جنیوا کے......'[۴۵]۔ جیسا کہ محوّلہ کتاب میں بتایا گیا ہے، ملائشیا میں اسلامی بینک کے قیام اور جنیوا میں دارالمال الاسلامی کی سرگرمیوں نے صورتِ حال بدل دی تھی۔ اب افراد اور ترقیاتی اداروں کے لیے حلال طریقہ سے قرض یا کاروباری سرمایہ حاصل کرنا ممکن ہو گیا تھا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کون سی رائے درست ہے اور کون سی نادرست۔ دیکھنا یہ ہے کہ بدلتے ہوئے حالات سے نبٹنے

Marfat.com

کے لیے معاصر فقہاء اور مفکرین مقاصدِ شریعت کی طرف کس طرح رجوع کرتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ ایسے فیصلے کریں جن سے کچھ لوگوں کو اتفاق ہو اور کچھ کو اختلاف۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ملک کے متفق علیہ فیصلوں سے دوسرے ملکوں میں اختلاف کیا جائے۔ جب فیصلوں کا مدار مصالح پر ہو اور اس بات پر کہ کسی مخصوص صورتِ حال میں مقاصدِ شریعت کس طرح حاصل ہو سکیں گے، تو اختلاف ہونا غیر متوقع نہیں۔ جیسا کہ ہم نے جینیٹک انجینیر نگ والی مثال کے ذریعہ واضح کیا بعض اوقات اختلاف کی جڑیں مسئلہ کی نوعیّت، معلومات کی کمی، تجربات کی عدم تکمیل اور فیصلہ کرنے کے لیے ماحول کے تقاضوں میں اس طرح پیوست ہوتی ہیں کہ کسی متفقہ فیصلہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔

پچھلے باب میں ہم مقاصدِ شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف کے حل پر غور کر چکے ہیں۔ اس باب کی بحث واضح کرتی ہے کہ یہ سمجھنا کہ اس بارے میں اختلاف کا حل ہمیشہ اتفاق کی صورت میں ہو گا، غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ مسائل کی نوعیّت، انسانی علم کی محدودیت، اور ماحول کا یہ دباؤ کہ جلد کوئی فیصلہ کیا جائے متعلّقہ لوگوں کو کوئی موقف اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کسی دوسرے، غیر متعلق، عالم، مفکر یا فقیہ کے لیے اس موقف کی کمزوریاں واضح کرنا آسان ہے مگر اس اختلاف کو اتفاق تک پہنچانا آسان نہیں۔ اوّلاً تو اس کے لیے وقت اور وسائل چاہئیں اور ثانیاً اس کے باوجود اختلاف باقی رہنا وارد ہے، خاص طور پر جہاں اختلاف کی جڑیں ملکی عادات اور رواج نیز تاریخی اسباب میں پیوستہ ہوں۔ ہمیں اختلاف کو گوارا کرنا ہو گا اور امت میں ایک ایسی فضا بنانی ہوگی کہ مقاصدِ شریعت کی پہچان اور ان کی تحصیل کے طریقوں میں فرق، نیز ان کی تحصیل کے درجوں میں تفاوت کے باوجود لوگ ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ ظن سے کام لیں اور خوش معاملگی کے ساتھ رہیں۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب پنجم

۱۔ ویب سائٹ کے لیے ملاحظہ ہو:

www.asharqalawsat.com/english/news.asp?section=3&id=4678

۲۔ تنبیہ: آخر کے تین جملے الشرق الاوسط، عربی ایڈیشن (۲۱-اپریل ۲۰۰۶ء۔ عدد ۱۰۰۲۸) میں اس طرح ہیں: قدرتی طور پر میں نے اسلامی تاریخ کے ایسے ادوار کے بارے میں خاصہ مطالعہ کیا جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان حالات میں اضطراب تھا اور ان مسلمانوں کے حالات بھی مضطرب تھے جو غیر مسلموں کے پڑوس میں رہتے تھے اور ایام رِدّہ (کے بارے میں بھی پڑھا) جن دنوں کہ حالات میں بہت انتشار تھا۔ تب، جب کہ مجھے نہ تو کتاب (اللہ) میں نہ سنّت میں کوئی بات ملی جو مسلمان عورت کے اہلِ کتاب مرد کے نکاح میں رہنے کو ممنوع قرار دیتی ہو، میں نے یہ رائے قائم کی۔

۳۔ قرارات و توصیات مجمع الفقه الاسلامی المنبثق من منظّمة المئو تمر الاسلامی. جدّہ، الدورات ا۔۱۰، القرارات ا۔۹۷۔ دمشق، دارالقلم؛ جدّہ، مجمع الفقه الاسلامی. ۱۹۹۸ء۔ صفحات ۴۲۔۴۳، قرار نمبر ۲۳ جو ۱۹۸۶ء کے جلسہ میں طے پایا۔ مجمعِ الفقہ کی قرار دادیں اس کی ویب سائٹ پر دیکھی جا سکتی ہیں:

http://www.fiqhacademy.org.sa/

۴۔ مقاصدِ شریعت، تعارف اور تطبیق، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۰۰۴۔ ملاحظہ ہو، ڈاکٹر صلاح الدین سلطان: مسلم اکثریتوں کی مشکلات اور مقاصدِ شریعت، خاص طور پر صفحات ۳۴۵۔۳۵۵ نیز ملاحظہ ہو: صفحہ ۲۰۲۔۲۱۰، فقه المقاصدی، اناطة الاحکام الشرعية بمقاصدها، د۔ جاسر عودہ، ہرنڈان، ورجینیا، المعهد العالمی للفکر الاسلامی، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ مقاصدِ شریعت، تعارف اور تطبیق: صفحہ ۳۴۵

۶۔ ایضاً: صفحہ ۳۵۰

۷۔ خالدالطراولی: الخطاب الاسلامی فی الغرب بین الاشکالیات والبناء، الجزء الثالث: هجرة الحبشه والنموذج المنشود

p://www.nawaat.org/portail/article.php3?id_article=869

Marfat.com

۸۔ سالم الشیخی: انٹرویو

www.islamicnews.org.sa/print.php?id=1146416118&archive=

9. Muslims In The West, A Fiqh Seminar In France,13-15 Muharram 1413,13-15 July 1992. Summary by Dr. Sayyid Al-Darsh,Typesetted by J.P.T.LTD. London. pp.13-14

۱۰۔ طارق رمضان، برسلز میں ۲۱ فروری ۲۰۰۶ء کو دیا ہوا انٹرویو:

http://euro-islam.info/pages/pubs_interview_ramadan.html

۱۱۔ احمد صدقی دجانی: تفاعل حضاری، فی، یثاق اسلامی، المانی،

http://www.arabtimes.com/ara%20hora/doc24.html

۱۲۔ شیخ راشد غنوشی: الحریّات العامّة فی الدولة الاسلامیة،۱۹۹۳ء، بیروت، مرکز دراسات الوحدة العربیة، صفحہ ۳۶۳

۱۳۔ ww.islamonline.net نیز کچھ اور رایوں کے لیے ملاحظہ ہو:

http://www.robert-fisk.com/islam_online_fatwa_oct16_2001.htm

۱۴۔ شیخ راشد غنوشی: محولہ بالا، صفحہ ۳۶۰

۱۵۔ محمد نجات اللہ صدیقی: ''مقاصد شریعت۔ ایک عصری مطالعہ''، صفحہ ۱۲۔ فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴۱ شمارہ ۴۔ اپریل-جون ۲۰۰۴ء۔

۱۶۔ دیکھیے: حوالہ نمبر۳

۱۷۔ شیخ یوسف قرضاوی: ۱۲ تا ۱۴ اپریل ۲۰۰۴ء دمشق میں منعقد ہونے والے الملتقی الاسلامی الاوّل: الاجتهاد بین الافراط و التفریط.میں دیا ہوا بیان، بحوالہ:

http://www.alwatan.com/graphics/2004/04apr/24.4/dailyhtml/deenhtml

۱۸۔ ملاحظہ ہو طارق البشری کا مقالہ: Participation of Non-Muslims in Government in Contemporary Muslim Societies جو عبد الوہاب الافندی کی مرتب کردہ درج ذیل کتاب میں شامل ہے:

Rethinking Islam and Modernity: Essays in Honour of Fathi Osman, Leicester: The Islamic Foundation, (2001), pp.66-83

۱۹۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر عبدالحق انصاری: ''پاکستان کا صدارتی انتخاب اور

Marfat.com

عورت کی سربراہی کا مسئلہ''، رسالہ زندگی، رامپور، ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق اپریل ۱۹۶۵ء۔
صفحات ۴۶ تا ۵۹

۲۰۔ ''خط بنام امین الحسن رضوی''، ۱۶ دسمبر ۱۹۶۴ء، مکاتیب سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مرتّبہ عاصم نعمانی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور۔ ۱۹۸۲ء، صفحات ۱۹۔۲۰

۲۱۔ ۲۰۰۵، دمشق، جدّہ، مرکز الرایۃ للتنمیۃ الفکریہ. خاص طور پر صفحہ ۱۹۱ تا ۲۱۶

۲۲۔ ایضاً، حاشیہ صفحہ ۲۰۶۔

۲۳۔ ایضاً، ۱۱۴ تا ۱۳۶۔

۲۴۔ سورۂ نور، آیت ۳۱

۲۵۔ سورہ احزاب، آیت ۵۹

26.www.asharqalawsat.com/english/news.asp?section=3&id=4678

یہ ڈاکٹر حسن ترابی کا وہی انٹرویو ہے جس کا تفصیلی ذکر مقالہ کے شروع میں آ چکا ہے۔
نیز ملاحظہ ہو اس سے پہلے کا ایک انٹرویو:

Islam, Democracy, the State and the West, Horizons, March 1990

27. Murad Wilfried Hofman: "On the Development of Islamic Jurisprudence", The American Journal of Islamic Social Sciences, vol.16,no.1,pp.80-81

۲۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی: حجۃ اللہ البالغۃ، جلد ا، دہلی ۱۳۷۳ھ۔ شرکۃ امین۔ صفحات ۸۹۔۹۱

۲۹۔ ھدیٰ ھلال: تفعیل مقاصدالشریعۃ فی الاجتھاد فی قضایا الھندسۃ الوراثیّۃ، صفحات ۶۴۰ تا ۹۵۶، جلد ثانی، مقاصد الشریعۃ و سبل تحقیقھا فی المجتمعات المعاصرۃ، ۲۰۰۶ء، کوالالمپور، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ بمالیزیا.

۳۰۔ ایضاً، صفحہ ۶۵۷-۶۵۸

۳۱۔ محمد رضی الاسلام ندوی (مترجم): جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل، بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کے فقہی اجلاسوں کی قراردادیں اور سفارشات۔ مرتّبہ عبدالسّتار ابو غدّہ۔ ۲۰۰۶ء۔ کراچی، ماڈرن فقہ اکیڈمی۔ ملاحظہ ہو: صفحہ ۱۴۱۔۱۴۲؛ ۲۵۶-۲۶۴ اور صفحہ ۲۹۷۔

Marfat.com

۳۲۔ hedge funds اور اسلامک ہیج فنڈ کے موضوع پر تازہ ترین معلومات انٹرنٹ کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو:

Robert Shiller (2003) The New Financial Order,Risk in the 21st Century, Princeton, Princeton University Press خاص طور پر صفحہ ۲۳۷-۲۳۸۔

نیز: Bill Gross (2004) Investment Outlook: Lemonade for Sale in PIMCO Advisor, August 2004 اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ کے لیے، دیکھئے:

Mohammad Obaidullah: *Islamic Financial Services,*
Jeddah, King Abdulaziz University, Scientific Publishing Centre,
(2005) خاص طور پر صفحہ ۱۷۶ اور ۲۲۵۔ نیز ملاحظہ ہو:

Mahmoud A. El-Gamal: *Islamic Finance, Law, Economics, and Practice,* Cambridge University Press(2006) خاص طور پر صفحہ ۱۸۰۔۱۸۱

۳۳۔ گزشتہ بالاحاشیہ میں دیئے گئے حوالوں کی مدد سے ان رایوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۴۔ محمد فردوس نورالھدیٰ: آثار الظروف الاجتماعیّہ علی الفتاوی الشرعیّة: مالیزیا نموذجاً. ۲۰۰۳ء۔ مرکز البحوث، الجامعة الاسلامیّہ العالمیّہ بمالیزیا.کوالالمپور۔ مذکورہ مجلس اور اس کی فتویٰ کمیٹی کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو صفحات ۱۰ تا ۳۷۔

۳۵۔ ایضاً، صفحہ۶

۳۶۔ ایضاً، صفحہ۶۳،

۳۷۔ ایضاً،صفحہ ۶۲-۶۵

۳۸۔ ایضاً،صفحہ ۶۶۔۶۸

۳۹۔ ایضاً،صفحہ ۶۹،

۴۰۔ ایضاً،صفحہ ۷۵

۴۱۔ ایضاً،صفحہ ۷۶۔۷۷

۴۲۔ ایضاً،صفحہ ۸۱

۴۳۔ ایضاً،صفحہ ۸۱

Marfat.com

۴۴۔ ایضاً، صفحہ ۸۱-۹۸

۴۵۔ ایضاً، صفحہ ۹۹

Marfat.com

چھٹا باب

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں معاصر اسلامی مالیات کا جائزہ

اس باب میں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ گزشتہ مباحث کی روشنی میں ایک عملی مسئلہ میں معاصر فکر و عمل کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ کچھ اپنی سہولت اور کچھ موضوع کی اہمیّت کی بنا پر ہم نے اس کام کے لیے مالیات (finance) کا انتخاب کیا ہے۔ پہلے مالیات کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں پیش کی جائیں گی۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کی صورت حال اور موجودہ صورت حال میں کیا فرق ہے اور مستقبل کے رجحانات کیا ہیں۔ اس کے بعد عصرِ جدید میں مالیات کی اسلامی تنظیم نو کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس جائزے کی روشنی میں درپیش مسائل اور مشکلات پر غور کیا جائے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع ان مسائل اور مشکلات کے حل میں کس طرح مدد گار ہو سکتا ہے۔

مالیات

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے لیے پیداوارِ دولت...... زرعی اجناس، صنعت و حرفت کے نتیجہ میں ملنے والی چیزیں، تعلیمی، طبّی اور دوسری خدمات، وغیرہ...... ضروری ہے۔ چونکہ کوئی آدمی اکیلے اپنی ضرورت اور آسائش کی

Marfat.com

ساری چیزیں نہیں پیدا کر سکتا۔ اس لیے مبادلہ (exchange) بھی ناگزیر ہے۔ اشیاء کا اشیاء سے مبادلہ (barter) زحمت طلب اور ضیاع وقت کا سبب بنتا ہے، اس لیے زر کا استعمال شروع ہوا۔ پیداواری عمل میں وقت لگتا ہے۔ اس وقت کے دوران پیداواری عمل میں لگے ہوئے عوامل پیداوار کو معاوضے دینے پڑتے ہیں اور خام مواد کی قیمت ادا کرنا ہوتی ہے۔ فنانس پیداواری عمل کی تنظیم کے عمل میں رقم لگانے کا نام ہے۔ اس کا اطلاق خود اس رقم پر بھی ہوتا ہے جو کاروبار کرنے والے نے ان مصارف کے لیے حاصل کی ہو۔ اس کا منبع (source) اس کی اپنی بچت بھی ہوسکتی ہے ورنہ یہ رقم وہ کسی دوسرے سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔ جب یہ معاملہ براہِ راست بچت کار اور کاروباری کے درمیان ہو تو ہم اسے براہ راست مالیات (direct finance) کا نام دیتے ہیں اور جب بچت کرنے والے اور اسے کاروبار میں استعمال کرنے والے کے درمیان کوئی اور بھی ہو تو اسے بالواسطہ مالیات (indirect finance) کہتے ہیں۔ انسانیت کے ابتدائی ادوار کی سادہ معیشت میں براہ راست مالیات کا رواج تھا مگر جیسے جیسے آبادی بڑھی، مصنوعات بڑھیں اور پیداواری عمل میں لگنے والی مدّتِ وقت بڑھی، بالواسطہ مالیات کا رواج بھی بڑھا۔ واقعہ یہ ہے کہ براہ راست مالیات میں بھی بعض وہی نقائص پائے جاتے ہیں جو اشیاء کے ساتھ مبادلہ میں پائے جاتے ہیں، براہ راست مالیات بھی زحمت طلب اور وقت لیوا ہے[1]۔ اس کے برعکس جب بچت کار اپنی بچتیں کسی درمیانی فرد یا ادارے کے سپرد کرنے لگتے ہیں اور کاروباری اپنی مالیاتی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے تو پورے سماج کو فائدہ ہوتا ہے، لوگوں کا وقت برباد نہیں ہوتا اور انھیں بسہولت اپنی مطلوبہ مقدار میں مطلوبہ مدّت کے لیے مالیات حاصل ہو جاتے

Marfat.com

ہیں۔ جس طرح انسانی معاشرہ کی ترقی اور معاشی خوش حالی میں زر کے استعمال نے بڑا کام کیا ہے اسی طرح فنانس، خاص طور پر بالواسطہ فنانس کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے۔ مالیاتی وساطت (financial intermediation) کے ذریعہ یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ انسانی صلاحیات، عوامل پیداوار، مالی وسائل اور ترقی کے مواقع نہ ضائع ہوں نہ بیکار پڑے رہیں بلکہ ان کے مفید اور مؤثر استعمال سے سب کا بھلا ہو۔ مالیاتی وساطت فاضل مال کو ان کے مالکوں سے لے کر ان اموال کو پیدا آور کاروبار میں لگانے والوں تک پہنچانے کے سادہ کام کے علاوہ بعض دوسری پیچیدہ خدمات بھی انجام دیتی ہے جن کا ذکر آگے مناسب مواقع پر آئے گا۔ فنانس کی فراہمی کو بسا اوقات کریڈٹ کی فراہمی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، کیوں کہ فنانس کی فراہمی اکثر نقد قرض دینے یا سامان یا مال کو ادھار دینے کی شکل اختیار کرتی ہے۔

فنانس کا ایک اہم کام کاروبار میں درپیش عدم تیقّن (uncertainty) اور خطر (risk) کا سامنا کرنے، انھیں انگیز کرنے اور ان کے عواقب سے عہدہ برآ ہونے میں مختلف افراد اور اداروں کا اشتراک عمل میں لانا ہے۔ اکثر اوقات کاروبار میں درپیش خطر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اکیلا آدمی انھیں اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا۔ مگر بہت سے لوگ تمویلِ کاروبار میں شریک ہو کر اس خطر کا تحمل آسان بنا دیتے ہیں۔ دورِ جدید میں بعض کاروباری اعمال بہت کثیر سرمائے کو بہت طویل عرصہ کے لیے لگانے کے طالب ہوتے ہیں۔ مزید برآں نتائجِ کاروبار بھی بڑے عدم تیقّن کا شکار ہوتے ہیں۔ مالیاتی کارپوریشن لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں حصص کی فروخت کے ذریعہ ان کاروباری منصوبوں کی تمویل کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ چونکہ یہ حصص بازار مالیات میں خرید و فروخت کے قابل ہوتے ہیں لہٰذا

Marfat.com

کسی کو بھی لازماً اپنی رقم طویل مدّت کے لیے پھنسانا ضروری نہیں۔ اسی طرح کاروباری منصوبے کی ناکامی کی صورت میں ہونے والا نقصان بھی اتنی بڑی تعداد میں بٹ جاتا ہے کہ اسے لوگ آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ جیسے جیسے انسان آگے بڑھ رہا ہے مالیات کا یہ پہلو، یعنی خطر اور عدم تیقّن کا سامنا کرنے، انھیں انگیز کرنے اور ان کے عواقب سے عہدہ برآ ہونے میں مختلف افراد اور اداروں کا اشتراک و تعاون عمل میں لانے کا عمل، اس کے اوّلین اور سادہ ترین عمل، یعنی فراہمی وسائل سے اہم اور اہم تر ہوتا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مالیاتی وساطت کی کامیاب انجام دہی کے لیے صرف مالیات کی فراہمی اور مذکورہ بالا متعلقہ خدمات، بالخصوص خطرانگیزی میں اشتراک (risk sharing) کی بجاآوری کافی نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ یہ فراہمی اور بجاآوری عدل و انصاف پر مبنی ہو نیز اس میں احسان کی آمیزش بھی ہو تاکہ انسانی ماحول کے ناقابلِ تخمین عدم تیقّن کے منفی اثرات سارے انسان مل جل کر برداشت کر سکیں اور انسانی سماج کے نادار، مفلوک الحال اور کمزور، پیداواری عمل سے معذور عناصر بھی پیداوری عمل کے فیض سے یکسر محروم نہ رہ جائیں۔ مروّجہ فنانس اس بارہ میں بہت ناقص ہے۔ سرمایہ دارانہ طرزِ فکر اور نیو کلاسیکی نظریۂ معاشیات کے زیر اثر، افراد کا مطمحِ نظر بیش از بیش نفع کمانا ہے۔ ان کے لیے یہ مناسب خیال کیا جاتا نہ ممکن کہ وہ کاروباری فیصلے کرتے وقت سماجی عدل اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کو بھی سامنے رکھیں۔ چنانچہ انفرادی فیصلوں کے منفی اثرات سے اجتماعی مفاد کو بچانے کی ذمّہ داری ریاست کے سر آتی ہے جو خاص طور پر فنانس کے عمل کو یک گونہ منضبط کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر سرمائے دارانہ فلسفہ اور اس کے تابع علمِ معاشیات ریاستی ضابطہ بندی کی، بالعموم

Marfat.com

ہمّت شکنی کرتا ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں اس فکر کے نقصانات سے آگاہی بڑھی ہے اور متعدد ایسی تحریکوں نے جنم لیا ہے جو فنانس اور دوسرے کاروباری فیصلوں میں اجتماعی مفاد کی رعایت اور اخلاقی قدروں کے التزام کی تاکید کرتی ہیں، مثلاً اخلاقی سرمایہ کاری (ethical investment) اور سماجی ذمّہ داری کی حامل سرمایہ کاری.(socially responsible investment(SRI)۔

اس سلسلہ میں انسانی تاریخ کا مطالعہ بہت سبق آموز ہو گا مگر افسوس کہ ہم اس باب میں اس کا حق نہیں ادا کر سکتے، البتہ دو باتیں نوٹ کرنا مفید ہو گا۔ تاریخ کا ایک سبق یہ ہے کہ اقتصادی ترقی بڑی حد تک وسیع پیمانہ پر مالیات کی فراہمی اور اعلیٰ کارکردگی والی مالی وساطت پر منحصر رہی ہے۔ تاریخ کے جن ادوار میں ایسا نہ ہو سکا، ان ادوار میں اقتصادی ترقی ایک حد پر آ کر رک گئی۔ زرعی معاشرے اور اس کی قدرے ترقی یافتہ شکل، جاگیردارانہ معاشرے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ غیر عادلانہ اور احسان سے عاری مالیاتی نظام پر مبنی اقتصادی ترقی بالآخر انسانیت کے لیے وبال بن گئی۔ پچھلے زمانوں کے تجارتی معاشرے اس پر گواہ ہیں۔ جن تجارتی معاشروں میں مالیات کی فراہمی زیادہ تر سودی قرضوں کی شکل میں رہی وہ اس سے کم عرصہ پنپ سکے جتنا عرصہ شرکت اور مضاربت وغیرہ پر مبنی مالیات کے سہارے چلنے والے نظام قائم رہے، جیسا کہ بارہویں تا چودہویں صدی عیسوی میں بحر روم کے چاروں طرف بسنے والوں کی درمیانی تجارت کا حال تھا[۲]۔

اسلامی تاریخ میں مالیات کا نظام

Marfat.com

ساتویں تا دسویں صدی عیسوی یعنی اسلامی تاریخ کی چار ابتدائی صدیوں میں انسانی معیشت زرعی، صنعتی اور تجارتی، تین دائروں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ان دائروں میں مصروف کاروبار افراد کو حسبِ ضرورت مالیات کی فراہمی وہ لوگ کرتے تھے جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ دولت تھی اور وہ اس کے ذریعہ مزید دولت کمانا چاہتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان لوگوں اور کاروباری افراد کے درمیان معاملہ درج ذیل بنیادوں پر عمل میں آتا تھا۔

☆ سلَم، یعنی زرعی پیداوار کی پیشگی خریداری۔

☆ استصناع، یعنی صنعتی پیداوار کی پیشگی خریداری۔

☆ قرض، یعنی کسی مدّت کے لیے نقد رقم کی فراہمی۔

☆ شرکت۔

☆ مضاربت۔

☆ مزارعت اور مساقات۔

☆ اجارہ، یعنی بعض عواملِ پیداوار [مثلاً زمین، باربرداری اور سینچائی میں کام آنے والے جانوروں] کے کرایہ پر دیے جانے کا رواج۔

ادھار، یعنی مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی

تجارتی کریڈٹ (trade credit) جو غالباً تمویل (financing) کی قدیم ترین شکلوں میں سے ہے۔

مذکورہ بالا ادھار اور تجارتی کریڈٹ میں فرق یہ ہے کہ مؤخر الذکر معاملہ سامان کے بڑے پیمانہ پر بنانے والے یا تھوک فروش تاجروں اور عام تاجروں کے درمیان ہی معروف رہا ہے، جب کہ ادھار فراہمی صارفین اور کاروباری دونوں

Marfat.com

کو میسر رہی ہے۔ مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی کے بارہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا کہ ادھار دام اس سے زیادہ ہوں جتنے نقد کے عوض فروخت میں لیے جاتے ہوں۔ اس قدیم رواج پر نبی ﷺ سے کوئی نکیر نہیں مروی، بلکہ اس بات کو کہ آپ کی نظروں کے سامنے یہ طریقہ بلا روک ٹوک جاری رہا بجا طور پر آپ کی تصویب پر محمول کیا گیا ہے۔ بعض محققین کے خیال میں اس موقف کے طفیل سودی لین دین سے اجتناب نے اسلامی مملکتوں میں تجارتی پھیلاؤ پر کوئی برا اثر نہیں ڈالا۔ ان کے نزدیک ادھار قیمت اور نقد دام کا درمیانی فرق اقتصادی اعتبار سے وہی کام کرتا ہے جو سود کرتا ہے یعنی: 'ادھار دینے والے کو اس سودے سے وابستہ خطر (risk) کا معاوضہ اور جتنے عرصہ وہ اپنے سرمایہ سے محروم رہا اس کی تلافی'[۳]۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، سلم، استصناع، مضاربت وغیرہ کو بھی کریڈٹ سپلائی کرنے کے طریقے قرار دیا جا سکتا ہے، کیوں کہ کریڈٹ کی اصطلاح صرف (سودی یا غیر سودی) قرض کے لیے مخصوص نہیں۔ علماءِ معاشیات اس کا اطلاق ان تمام طریقوں پر کرتے ہیں جن سے طلب گار صارف یا کاروباری کو مطلوبہ اجناس اور وسائل حاصل ہو سکیں، قطعِ نظر اس کے کہ یہ حصول کن شرائط پر ہوتا ہے۔

ان معاملات کے ساتھ ساتھ جعالہ، وکالہ، کفالہ، حوالہ، ودیعہ، امانہ، رہن، ابضاع وغیرہ معاملات بھی کام میں لائے جاتے رہے ہیں۔ یہاں ان معاملات یا عقود (contracts) کی تفصیلات میں جانا ضروری نہیں۔ مناسب کتابوں کی مدد سے انھیں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان ساری شکلوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ان میں سے ایک یا متعدد معاملات کے ذریعہ، بالآخر، کاروباری فرد کو پیداواری

Marfat.com

عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے درکار وسائل مل جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اپنی پیداوار کو فروخت کر کے ان وسائل کے دام ادا کر سکنے پر قادر ہو۔ جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا، بیعانہ (عربون) بھی عملِ تمویل کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں بیع العربون کی ممانعت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ معاملہ بھی قدیم سے رائج تھا[۴]۔

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب براہ راست مالیات کی شکلیں ہیں، البتہ وقت گزرنے کے ساتھ تاریخی مراجع المضارب یُضارب (مضاربت پر مال حاصل کرنے والے کا اسی مال کو کسی اور کو مضاربت پر فراہم کرنا) کا ذکر کرنے لگتے ہیں، جو بالواسطہ فنانس کی ایک شکل ہے۔ ہمارے علم کی حد تک فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر پہلی بار پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی میں آیا ہے[۵]۔ البتہ ایک جزئی مسئلہ کے طور پر اس بات کا ذکر فقہی مراجع میں شروع ہی سے ملتا ہے کہ اگر صاحبِ سرمایہ اجازت دے تو مضارب اس کے دیے ہوئے سرمایہ کو کسی اور کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ایک پیشہ یا مستقل بالذات کاروبار کے طور پر المضارب یُضارب کا چلن کب عام ہوا۔ مذکورہ بالا دوسرے اسالیبِ تمویل، سلم، استصناع، مزارعت، وغیرہ کو حسبِ ضرورت ایک ساتھ بھی اختیار کیا جاتا رہا ہو گا اور اس مرکّب عمل کے نتیجہ میں مالی وساطت اور بالواسطہ تمویل کی نئی نئی شکلیں وجود میں آتی ہوں گی۔ امید ہے مزید تاریخی تحقیق سے صورتِ حال واضح ہو سکے گی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرون اولیٰ میں رائج ان اسالیب تمویل اور اس خطر اور عدم تیقّن (risk and uncertainty) کے درمیان کیا رشتے ہیں جو پیداواری کاروبار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس جائزہ کے بعد ہی ہم ان اصلاحات کو

Marfat.com

سمجھ سکیں گے جو اسلام نے ان اسالیب تمویل کی قبلِ اسلام رائج شکلوں میں کی تھیں۔ واضح رہے کہ جہاں تک کسی اسلوب تمویل کی قدر و قیمت کا سوال ہے تو اس کے دو پہلو ہیں: کارکردگی(efficiency) اور انصاف پسندی(fairness)۔ اسلام نے قبل از اسلام جاری اسالیب تمویل میں جو اصلاحات کی ہیں ان کا منشاء انھی دونوں پہلوؤں سے بہتری پیدا کرنا تھا۔ البتہ اسلام نے عدل کو کارکردگی پر مقدم رکھا اور ضرورت پڑنے پر قیام عدل کی خاطر کارکردگی میں کسی قدر کمی بھی گوارا کر لی۔

مذکورہ بالا اسالیب میں سب سے بڑی اصلاح جو اسلام نے نافذ کی وہ قرض کی صورت میں سود کی حرمت ہے۔ اس تحریم کی حکمتوں پر خاصا لٹریچر موجود ہے۔ اس کی تکرار یا تلخیص کی بجائے ہم صرف یہ یاد دلاتے ہوئے آگے بڑھیں گے کہ ظلم دور کر کے انصاف قائم کرنا اور بہتر کارکردگی کی بجاآوری، دونوں ہی مقصود تھے(۶)۔

سلم کے بارے میں لازم کیا گیا کہ خریدی جانے والی جنس کی مقدار اور اس کی سپلائی کا وقت، دونوں معلوم اور متعین ہونے چاہئیں۔ یہی بات استصناع میں بھی ضروری ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ، جہاں تک ممکن ہو معاملات میں عدم تعیین اور جہالت (عدم علم) سے بچنا لازم ہے، کیونکہ اس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ ایسی صورت حال بھی سامنے آ سکتی ہے کہ معاملہ کا ہر فریق یہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہوا ہے۔ اور چونکہ معاملہ کے دونوں فریقوں کے سامنے صورت حال واضح نہیں رہتی اس لیے وہ اطمینان سے معاملہ نہیں کر سکتے جس سے کارکردگی کم ہو سکتی ہے۔

شرکت کی مذکورہ بالا تمام شکلوں میں بھی اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ حتی

Marfat.com

الامکان عدم تعیین اور عدم علم سے بچا جائے۔ جب معاملات پوری معلومات کی بنیاد پر کیے جائیں اور دام، سامان، اس کے اوصاف وغیرہ ضروری باتیں صاف طور پر متعین ہوں تو لوگ جی لگا کر کام کرتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ بالفاظِ دیگر، معاملات میں ابہام کارکردگی پر برا اثر ڈالتا ہے اور دل میں یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ کہیں مجھ پر ظلم تو نہیں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ شرکت اور مضاربت میں یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس کی ملکیت کتنی ہے اور صاف طے ہونا چاہیے کہ مشترکہ ملکیت میں واقع ہونے والا اضافہ شرکاء کے درمیان کس نسبت سے تقسیم پائے گا۔ مکہ کے تجارتی ماحول میں تو شرکت اور مضاربت کی اہمیت زیادہ تھی مگر مدینہ میں زراعت کے بھی مواقع تھے چنانچہ مزارعت اور مساقات کا بھی بڑا چلن تھا۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں جن کا منشاء مضاربت، مزارعت اور مساقات کو ابہام، جہالت اور عدم تعیین سے پاک رکھنا اور منصفانہ بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔ اس باب میں ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں، ان کا مطالعہ مناسب کتابوں کی مدد سے بآسانی ممکن ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے کہ اس بات کی گارنٹی ناممکن ہے کہ کسی مخصوص طریقۂ تمویل کو کبھی بھی استحصال اور ظلم کے لیے نہیں استعمال کیا جا سکے گا۔ نبی کریم ﷺ نے خریدار کی مجبوری اور شدتِ احتیاج سے بیجا فائدہ اٹھانے سے منع کیا ہے(۷)۔ آپ ﷺ نے نیت کی پاکی اور ارادہ نیک ہونے کو صحیح اسلامی طریقہ کی بنیاد قرار دیا ہے(۸)۔ اب اگر کوئی شاطر ان تمام حدود کو پھلانگ کر غیر عادلانہ طریقے اختیار کرے تو حکومت کی مداخلت اور قانونی ضابطہ بندی ضروری ہو جائے گی۔ چنانچہ اسلامی تاریخ میں غیر عادلانہ شرائط پر شرکت، مضاربت، مزارعت، سلم، استصناع، اجارہ وغیرہ عقود کی ضابطہ بندی اور حکومتی نگرانی

Marfat.com

کی متعدد مثالیں ملتی ہیں(۹)۔

کرایہ پر دینے کا رواج باربرداری کے جانوروں، رہائشی مکانات اور بعض حالات میں زمین کے سلسلہ میں تھا۔ زرعی اغراض کے لیے متعینہ کرایہ پر زمین دینے کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔ مگر جہاں کرایہ پر دینا جائز ہے وہاں کرائے اور مدت کے بارے میں بات صاف ہونی چاہئے۔ جن محققین کے نزدیک نبی ﷺ نے متعینہ کرائے پر کھیتی کے لیے زمین دینے لینے سے منع کیا ہے ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے، مثلاً بارش نہ ہونے کے سبب، پیداوار نہ ہو تو زمین کا کرایہ لینا ظلم ہو گا (کیونکہ زمین خود سے کچھ نہیں پیدا کرتی)۔ مزید برآں کاشت کار پیداوار نہ ہونے کی حالت میں بھی کرایہ ادا کرنے کی ذمہ داری کے سبب زمین کے استعمال سے احتراز کریں گے جس کا اثر کارکردگی پر پڑے گا۔ اس باب میں ہماری نظر اس بات پر ہے کہ تمویل کے دوسرے اسالیب کی طرح کرائے پر عوامل پیداوار کی فراہمی کو جن ضوابط کا پابند بنایا گیا ہے ان کا ہدف بھی عدل کا قیام اور کارکردگی میں اضافہ ہے۔

پیداآور کاروبار کی تنظیم میں خام مال یا عوامل پیداوار کو ادھار لینے میں اس بات کا لحاظ ضروری سمجھا گیا کہ دام اور اس کی ادائیگی کا وقت صاف طور پر طے ہو۔ تجارتی ادھار، جس کا رواج تھوک فروشوں اور خردہ فروشوں کے درمیان رہا ہے، اس میں بھی یہی شرط ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ دام کتنا ہو تو اسے طرفین کی رضا مندی پر منحصر قرار دیا گیا ہے۔

مالیات کے اس وقت مروّجہ طریقوں میں اسلامی اصلاحات میں اس بات کا بھی اہتمام ہے کہ غرر سے بچا جائے۔ غرر وہ خطر risk ہے جو معلومات کی کمی یا ماحول پر قابو نہ ہونے کے سبب درپیش ہو۔ معلومات کا یہ نقص یا فقدان زیر 3

Marfat.com

معاملہ چیز کی نوعیت، مقدار، قیمت، ادائیگی کے وقت، مال کی فراہمی کے وقت، وغیرہ سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اس نقص یا فقدان کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کے حق میں خسارہ کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی معاملہ کرنا اکثر اوقات کسی فریق معاملہ کے ساتھ ظلم پر منتج ہوتا ہے۔ چوں کہ زیادہ تر معاشی معاملات کی پشت پر مستقبل کے بارے میں اندازے ہوتے ہیں، لہٰذا کچھ نہ کچھ غرر اکثر موجود رہتا ہے۔ اگر وہ تھوڑا ہو اور اس خطر انگیزی کے نتیجہ میں رونما ہونے والا نقصان (یا نفع) بھی تھوڑا ہو تو اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر غررِ کثیر کی صورت میں معاملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس اصول کا تعلق اس غرر سے ہے جو حقیقی اشیاء اور خدمات کے لین دین سے اس طرح چپکا ہوا ہو کہ اس سے مفر نہ ہو۔ رہا غرر محض، یا خالص غرر جس کا کسی حقیقی لین دین سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اسے اس لیے وجود میں لایا گیا ہو کہ اس پر بازی لگائی جائے تو وہ جوا ہے جسے حرام کیا گیا ہے۔ جوا، قمار یا قرآنی اصطلاح میں 'میسر' کوئی پیداواری عمل نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ایک zero sum game ہے جو صرف ادھر کی دولت ادھر کرتا ہے، سماج کی مجموعی دولت میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔

ان اصلاحات اور ضابطہ بندیوں کے پہلو بہ پہلو اسلامی اصلاحات کا ایک بڑا ہدف یہ رہا ہے کہ انسانوں کے مجموعی مصالح کا تحفظ کیا جائے۔ اجتماعی مفاد کے فروغ کو انفرادی مفادات کی ترویج پر مقدم رکھا جائے۔ چنانچہ اسلام نے بعض حالات میں تاجروں کو ایسے اقدامات سے بھی روک دیا جن کی انہیں عام طور پر اجازت تھی۔ تلقیِ جلب، یعنی آبادی سے باہر جا کر (بیشتر زرعی) سامان تجارت لے کر آنے والوں سے معاملہ کرنے کی کوشش کی ممانعت اور اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی، یعنی احتکار، کی حرمت اس کی نمایاں مثالیں ہیں[10]۔

Marfat.com

مالیات کے میدان میں اس کی ایک مثال قرض اور بیع دونوں عقود کو ایک عقد میں جمع کرنے کی ممانعت ہے [......انّ رسول اللہ ﷺ قال: لا یحلّ سلفٌ و بیع......][11]

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، عدل کے پہلو بہ پہلو احسان بھی اسلامی نظامِ حیات کا جزء ہے۔ انسانی زندگی کا توازن صرف عدل و انصاف پر قائم نہیں رہ سکتا کیوں کہ انسانی سماج میں کچھ کمزور و لاچار بھی ہوتے ہیں جن کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی وہ کچھ پانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ مزید برآں ہمارا ماحول جس وسیع الاطراف عدم تیقّن کا شکار رہتا ہے (مثلاً: موسم کی تبدیلیاں، ذوقِ انسانی کا تلوّن، نئی تکنیکی دریافتیں اور سیاسی اتھل پتھل، وغیرہ، جن کی نہ کسی پر ذمہ داری ڈالی جاسکتی نہ کوئی ان پر قابو پا سکتا ہے) ان کے عواقب سے اجتماعی طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے عدل کے ساتھ احسان کی آمیزش ضروری ہے۔ مالیات سے متعلق اسلامی ضوابط میں اس کی ایک مثال قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

> و ان کان ذو عسرةٍ فنظرةٌ الیٰ میسرةٍ و ان تصدّقوا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون. [سورة البقرة:۲۸۰]
>
> تمھارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ اسلامی نظامِ مالیات اور سرمایہ دارانہ نظامِ مالیات کے درمیان ایک بڑا فرق ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام احسان کو تمام تر افراد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے، جب کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر اسے اپنے نظام کا جزءِ لاینفک قرار

Marfat.com

دیتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں قرض رقم معاف کردینے کو قرض خواہ کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے مگر مقروض کی تنگ دستی کی صورت میں اسے قرض رقم کی ادائیگی کے لیے مزید مہلت دینے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ بذریعہِ عدالت قابلِ نفاذ ہے۔

یہ تھا ہمارا مختصر سا جائزہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں فنانس کی فراہمی کے مروجہ طریقوں کا اور اس بات کا کہ کس طرح اسلامی اصلاحات نے انھیں غیر منصفانہ اور کارکردگی کم کرنے والی باتوں سے پاک کیا، اور حسب ضرورت احسان کی آمیزش سے سنوار کر ایک مکارمِ اخلاق سے آراستہ انسانی معاشرہ کے لائق بنایا۔ ہم نے دیکھا کہ ایسا کرنے کے لیے معاملات کو دھوکہ، فریب اور، حتی الامکان، عدم معلومات اور عدم تعیین سے پاک کرنا ناگزیر سمجھا گیا۔ معاملات کے جواز کے لیے صرف فریقین کی رضامندی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے انھیں اجتماعی مصالح کی کسوٹی پر پرکھا گیا نیز اعلیٰ اخلاق سے مرصّع کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر کسی معاملہ کا تعلق صرف چند افراد سے نہیں بلکہ پورے سماج کے مفادات سے ہو تو اسے پبلک پالیسی کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس سے متوقع نفع نقصان یا مصالح اور مفاسد کے موازنہ کو اس کی اجازت دینے یا اس سے منع کرنے کا معیار بنایا گیا، جیسا کہ احتکار اور تلقی جلب کی مثالوں سے واضح ہے۔

فنانس کی فراہمی کے پیچیدہ طریقوں کا رواج اور ان کی ضابطہ بندی

دورِ حاضر

معیشت کے پھیلاؤ اور ترقی کے ساتھ اسلامی سماج میں کچھ ایسے طریقے بھی رائج ہوئے جن کے عام چلن کا عہدِ نبوت میں ذکر نہیں ملتا۔ ان میں سے بعض

Marfat.com

درج ذیل ہیں[۱۲]:

سفتجہ، بیع العربون یعنی بیعانہ جس کا ذکر عہد رسالت میں بھی ملتا ہے،

صیرفہ اور جہبذہ۔

ان طریقوں کے اوصاف اور معاشی عمل (function) الگ الگ ہیں مگر ہمارے موضوع کی مناسبت سے ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ کاروبار چلانے کے لیے مال حاصل یا فراہم کیا جا سکتا ہے۔ تاریخی طور پر ان کی اہمیت یہ ہے کہ اسلامی علاقوں میں ان طریقوں کے رواج نے وہی کام کیا جس کے اٹلی اور دوسرے یورپین ممالک میں رواج کو بینکنگ کا آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

سفتجہ

سفتجہ ایک طرح کی ہنڈی کا نام ہے۔ مثال کے طور پر زید کا مال شہر الف میں ہے جس سے وہ شہر ب میں کام لینا چاہتا ہے۔ عمر کے پاس شہر ب میں (اسی جنس کا) مال موجود ہے۔ زید اپنا مال عمر کو دیتا ہے جو اسے ایک تحریر دیتا ہے جسے شہر ب میں عمر کے آدمی کے سامنے پیش کرنے پر اسے مال مل جائے گا[۱۳]۔ زید کو جو سہولت ملی اس کے ماسوا عمر کو اس مدت کے لیے جو مال کے ملنے اور ادائیگی کے درمیان گزرتی ہے (جو قدیم زمانہ میں خاصی لمبی بھی ہو سکتی تھی)، اتنا مال (اپنی ذمہ داری پر) نفع آور کاروبار کے لیے میسر آ گیا۔ بالفاظ دیگر جو سفتجے جاری کرنے کا کاروبار کرتا ہے وہ بآسانی فنانس کی فراہمی کا کاروبار بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آگے بتایا جائے گا، صرّاف، جن کا اصل کام صرف، یعنی ایک سکہ لے کر دوسرا سکہ دینا تھا، سفتجے بھی جاری کرنے لگے۔ اس طرح صیرفی اور سفتجے جاری کرنے والے چھوٹے موٹے بینکر بن کر ابھرے۔

Marfat.com

بیع العربون

برصغیر میں یہ معاملہ 'بیعانہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خریدار مطلوبہ مال کی خریداری مکمل کر لینے کی بجائے اس کی طے شدہ قیمت کا ایک چھوٹا سا حصہ صاحبِ مال کو دے دیتا ہے اور دونوں کے مابین ایک مدت وقت طے پا جاتی ہے۔ اگر وقتِ مقررہ کے اندر خریدار باقی دام دے کر معاملہ مکمل کر لیتا ہے تو فبہا، ورنہ معاملہ منسوخ کرنے کی صورت میں خریدار کی دی ہوئی رقم صاحبِ مال رکھ لیتا ہے۔ اگرچہ اس کے بارے میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے مگر اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے[۱۴]۔

عربون کا تعلق فنانس سے یوں بنتا ہے کہ وسیع پیمانہ پر بیعانہ لے کر اثاثوں کی فروخت کرنے والے کاروباری کے پاس جو مال اس طرح اکٹھا ہوتا ہے اسے کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے جب کہ اثاثے ابھی اسی کی ملکیت میں ہوں۔ نیز اگر بیعانہ دے کر حاصل ہونے والے حق خریداری کو دوسرے کو منتقل کیا جا سکے تو ایک نیا بازار بھی کھل جاتا ہے۔

صیرفہ اور جہابذہ

صرف کا اطلاق ایک قسم کے نقد، مثلاً درہم، کے دوسرے نقد، مثلاً دینار سے مبادلہ پر ہوتا ہے۔ اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، مگر صیرفہ سے مراد بڑے پیمانہ پر کیے جانے والے اس کاروبار سے ہے جو مختلف نقدوں کی ایک مقدار رکھ کر مبادلۂ نقود چاہنے والوں کو ان کا مطلوبہ نقد فراہم کرتا ہے اور اس عمل کے ذریعہ نفع کماتا ہے۔ اس کاروبار کا ذکر اسلامی مآخذ میں بعد کی تاریخوں میں تو ملتا ہے مگر عہدِ نبوت میں مکہ، مدینہ میں یہ کاروبار عام ہو، اس کا کوئی دستاویزی ثبوت

Marfat.com

اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، اگرچہ قیاس یہی ہے کہ ایسا ہوتا رہا ہو گا۔

صیرفہ کا تعلق فنانس سے بالواسطہ ہے۔ صیرفی کے پاس مختلف نقود کی موجودگی اس کا امکان پیدا کرتی ہے کہ وہ طلب گاروں کو قرض دے سکے، یا کسی اور بنیاد پر ان کو فنانس فراہم کر سکے۔ نقود کے مبادلہ میں اگر صیرفی گاہک کو نقد فراہم کر دے مگر اس کے عوض جو نقد اسے ملنا تھا اسے ایک مدّت کے بعد لینا طے کرے تو یہ بھی قرض ہوا اور فنانس کی تعریف اس پر پوری اترتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ نقد دے کر اس کے بدلے دوسرا نقد ایک مدت کے بعد طلب کیا جائے اور اس درمیانی مدت میں صیرفی اس رقم کو کاروبار میں لگا دے۔ تاریخی اعتبار سے بنک کاری کی شروعات میں صیرفہ کا بڑا دخل رہا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اگرچہ جہابذہ اور صیرفہ کے کاروبار ایک دوسرے سے ملے جلے نظر آتے ہیں مگر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اسلامی تاریخ میں جہابذہ کا ذکر عباسی دور میں ملتا ہے۔ اس کاروبار کی اہمیت اتنی بڑھی کہ ۹۱۳ء (۳۰۰ھ) میں خلیفہ نے اس کے لیے ایک الگ دفتر 'دیوان الجہابذۃ' کھول دیا[۱۵]۔ رفتہ رفتہ سفتجہ جاری کرنے کا کام بھی جس کی شروعات صرافوں نے کی تھی، جہابذہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ سفاتج (جمع سفتجہ) کو صکوک (جمع صک) کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہی لفظ صک دوسری زبانوں میں چک کے نام سے معروف ہوا۔ جیسے جیسے صکوک کا استعمال بڑھتا گیا، جہابذہ کا کاروبار پھیلتا گیا[۱۶]۔

جیسا کہ اوپر نوٹ کیا جا چکا ہے، مالی معاملات، بالخصوص تمویل کے قدیم سے رائج طریقوں میں اسلامی اصلاحات کا مرکز توجہ دو چیزیں رہی ہیں: اوّلاً عدل و انصاف (جس میں حسبِ ضرورت احسان کی آمیزش ہو) اور ثانیاً کارکردگی۔ مذکورہ بالا نسبتہً پیچیدہ طریقوں کی ضابطہ بندی عہد نبوّت کے بعد عمل میں آئی، مگر

Marfat.com

ان ضابطوں میں بھی یہی روح کار فرما نظر آتی ہے۔ صرف، یعنی نقد کے نقد سے تبادلہ کے بارے میں مروی احادیث کا فوکس اس معاملہ کو اس ربا سے پاک رکھنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ صرف سے متعلق یہی ضوابط بہتر کارکردگی کے بھی ضامن ہیں[۱۷]۔ عام لین دین کو جن خرابیوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے: ربا، قمار، غبن، اکراہ، بیع المضطر، احتکار، نجش (دام بڑھانے کے لیے (نیلام کے وقت) جھوٹی بولی بولنا)، غش (دھوکہ)، تدلیس (جھوٹی توصیف)، غرر، جہل مفضی الی النزاع، یعنی معلومات کی ایسی کمی جو جھگڑا پیدا کرسکتی ہو، اور ضرر و ضِرار (دانستہ نقصان پہنچانا)، ان سے دوسرے بازاروں کی طرح بازار تمویل کو بھی پاک رکھا گیا ہے، کیوں کہ انصاف اور اعلیٰ کارکردگی کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ ساتھ ہی فنانس کے لین دین کو بعض اضافی ضوابط کا بھی پابند بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی نقد کا (مثلاً سونے کا سونے سے، یا ڈالر کا ڈالر سے) مبادلہ برابر مقدار میں دست بدست ہونا چاہیے۔ نقد مختلف ہوں (مثلاً سونے کا چاندی سے یا ڈالر کا پاؤنڈ سے) تو مقداریں مختلف ہوسکتی ہیں مگر مبادلہ دست بدست ہونا چاہیے۔

یہ ضوابط احادیث سے ثابت ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اضافی ضوابط اس لیے آئے کہ فنانس کے بازار میں معلومات اس سے زیادہ ناقص ہوتی ہیں جتنی ناقص کہ وہ اشیاء کے بازار میں ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اس بازار میں عدم تیقن اس سے زیادہ ہوتی ہے جتنی اشیاء کے بازار میں ہوا کرتی ہے۔ ناقص معلومات اور عدم تیقن دونوں مل کر وہ کیفیت پیدا کرتے ہیں جسے غرر کا نام دیا گیا ہے۔ البتہ جو بات غرر کو جہل سے ممتاز کرتی ہے وہ بے قابو ہونا (lack of control) ہے، یعنی جس معاملہ میں فریقین یا ان میں سے کسی ایک کو اس چیز

Marfat.com

پر قابو نہ ہو جس کا دینا اس کے ذمہ ہے (بیچنے والے کا اس چیز پر قابو نہ ہو جسے وہ فروخت کر رہا ہے اور یا خریدار کو اس چیز یا رقم پر قابو نہ ہو جو عوض کے طور پر دینا ہے) اسے غرر سے ملوث قرار دیا گیاہے۔ اگر یہ غرر قابل ازالہ نہ ہو تو اگر تھوڑا ہو تو معاملہ کیا جاسکتا ہے، زیادہ ہو تو معاملہ ممنوع قرار پاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بات پیچیدہ ہے، فقہ میں اس پر خاصی بحثیں ملتی ہیں اور اس ضابطہ کی عملی تطبیق میں اختلاف رہتا ہے، جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ مالیاتی لین دین کے اسلامی ضوابط عدل و انصاف کو ہدف بناتے ہیں۔ اگرچہ یہی ضوابط اعلیٰ کارکردگی کے بھی ضامن ہیں لیکن بعض حالات میں عدل قائم رکھنے کی خاطر کارکردگی میں ممکنہ کمی کو بھی گوارا رکھا گیا ہے[18]۔

اس ضمن میں ان معاملات کا ذکر بھی ضروری ہے جو مالیاتی لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں مگر ان سے ربط رکھتے ہیں اور مذکورہ بالا طریقوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، جن میں سے بعض کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ حوالہ، کفالہ، ضمان، وعدہ، وغیرہ اسی قبیل کے عقود ہیں۔ ان کا استعمال غیر مالی امور میں بھی ہوتا رہتا ہے اور یہ سب قدیم سے رائج ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو مذکورہ بالا مالی معاملات کے ساتھ ملا کر نہ استعمال کیا جاتا رہا ہو۔ ایسی صورتوں میں بھی اس بات کا اہتمام ضروری تھا کہ معاملات کو ان خرابیوں سے، حتی الامکان پاک رکھا جائے جو ظلم پر منتج ہوتے ہوں اور کارکردگی میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند ضابطے اور نافذ کئے گئے: ایک معاملہ کے اندر دو معاملے (بیعتینِ فی بیع) نہ ہوں، بیع (خریدوفروخت) کے ساتھ شرط نہ لگی ہو، قیمت اور جس چیز کی قیمت دی جا رہی ہے دونوں مؤخر نہ ہوں (بیع الکالی بالکالی)، وغیرہ۔ اکثر صورتوں میں ان ممنوع معاملات کے ظلم اور کارکردگی میں کمی لانے کی وجہ یہ

Marfat.com

ہوتی ہے کہ ان سے عدمِ تعیین یا عدمِ علم میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں)، غرر بڑھتا ہے، غبن کا امکان بڑھتا ہے، وغیرہ۔ چنانچہ فقہاء نے لین دین کی ممنوعہ صورتوں (البیوع المنھی عنھا) پر گفتگو میں ان امور کی نشاندہی کی ہے[۱۹]۔

ان تفصیلات کے آج مطالعہ کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ جو معاملات الگ الگ بالکل ٹھیک اور شبہ سے بالا نظر آتے ہیں انھی معاملات کو ایک ساتھ ملانے سے بسا اوقات اس لیے منع کر دیا جاتا ہے کہ وہ ربا کا ذریعہ بنتے نظر آتے ہیں، یا ایسے غرر پر مبنی ہو جاتے ہیں جن سے بچا جا سکتا ہو، یا غبن یا کسی اور طرح کے ظلم پر منتج ہو سکتے ہوں۔ یہ بھی وارد ہے کہ عقود کے جواز میں کوئی شبہہ نہ ہو لیکن (غالباً حالات میں تبدیلی کی وجہ سے) نتیجہ مصالح کی میزان پر پورا نہ اترے۔ ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ معاملات کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں لیکن یہ اصول ہمیشہ سامنے رکھنا ہو گا کہ عام حالات میں، یا الگ الگ کیے جانے کی صورت میں، جو معاملات درست ہوں وہ بھی اس صورت میں قابل قبول نہیں رہ جاتے جب ان کے نتیجہ میں عدل و انصاف کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، ظلم اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور مقاصدِ شریعت صراحتہً مجروح ہو رہے ہوں۔ چونکہ ان چیزوں کے ناپنے کے کوئی معروضی (objective) پیمانے ممکن نہیں اس لیے ان کے بارہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے، اس قسم کے اختلافات سے عہدہ برآ ہونے کے بارہ میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں[۲۰]۔ اس گفتگو کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس طرح کے مسائل میں بالآخر فیصلہ کا مدار مصالح پر ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا ہو گا کہ کسی معاملہ کے رواج سے کیا انفرادی اور اجتماعی مصالح وابستہ ہیں۔ اگر ساتھ ہی کچھ مفاسد بھی نمودار ہونے والے ہوں تو

Marfat.com

ان کا اندازہ کر کے متوقع منافع سے موازنہ کرنا ہو گا، اگر منافع کا پلہ بھاری ہو تو معاملہ کی اجازت دی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔ ہم نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ ان مصالح اور مفاسد کی تشخیص اور ان کا اندازہ کرنے میں علم معاشیات کے علاوہ دوسرے عقلی اور تجربی علوم کا کام پڑے گا، نیز معاشیات میں جزئی (micro) کے ساتھ کلی (macro) تجزیہ درکار ہو گا۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ملک میں کسی مالیاتی معاملہ کا عدل و انصاف یا ظلم و حق تلفی سے کیا تعلق ہے، اس کا کارکردگی اور پیداآوری (productivity) پر کیا اثر پڑتا ہے اور وہ مصالح عامہ نیز مقاصدِ شریعت سے کس قدر ہم آہنگ ہے، یہ بات گہرے تجزیاتی مطالعہ اور وسیع تجربی، میدانی، جانچ کے بعد ہی طے کی جا سکتی ہے۔

اسلامی تمویل کے باب میں نئے رجحانات

اب تک ہم نے مالیات کے میدان میں جن اسلامی اصلاحات کا ذکر کیا ہے وہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چار صدیوں میں کی جا چکی تھیں۔ اب ہم چودہویں صدی ہجری/بیسویں صدی عیسوی، کی آخری چند دہائیوں میں تمویل کے شرعی اسالیب کی تلاش اور بازارِ مالیات کی اسلامی تنظیم کے بعض نتائج کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ بڑا اچھا ہوتا اگر اس کے پس منظر میں ہم درمیانی برسوں، یعنی پانچویں تا چودہویں صدی ہجری کے دوران اسلامی مالیات کے ارتقاء کا مطالعہ کر سکتے۔ یہ ایک ہزار برس اس لیے اہم ہیں کہ چودہویں صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں تمویل کے شرعی اسالیب اور بازارِ مالیات کی اسلامی تنظیم جدید کی طرف جو توجہ ہوئی اور اس کے جن نتائج کا ہمیں اس باب میں قدرے تفصیل سے مطالعہ کرنا ہے، ان کے اور اس سے پہلے کی پوری اسلامی تاریخ کے ارتقاء کو ایک تسلسل میں دیکھا جا سکے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلے ہزار برسوں

Marfat.com

کے بارے میں جو تاریخی مواد موجود بھی ہے اس کی خاطر خواہ تحقیق و تدقیق نہیں انجام پا سکی ہے۔ قلب اسلام میں خلافتِ عثمانیہ، مشرق میں اسلامی ہندوستان، بالخصوص مغل دور کے وثائق اور مغرب اقصیٰ کے نوازل اور فقہی لٹریچر میں جو خزانے دفن ہیں ان کا جائزہ یہ بتا سکتا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں تمویل کے اسالیب میں کیا ارتقاء ہوا۔

یہاں یہ ممکن نہیں کہ گزشتہ ہزار برسوں میں دنیا میں جو تبدیلیاں نمودار ہوئیں، ان کا مالیات کی رسد اور طلب اور اسالیبِ تمویل پر جو اثر پڑا ان کا جائزہ لیا جائے۔ اختصار کے ساتھ یہ نوٹ کیا جا سکتا ہے کہ ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی تجارت میں غیر معمولی پھیلاؤ آیا تھا۔ شرق اوسط کے پس منظر میں اس تجارتی پھیلاؤ کی ریڑھ کی ہڈی ہندوستان کے ساتھ تجارت کو قرار دیا جاتا ہے (جسے مورخین انڈیا ٹریڈ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جب کہ انڈیا سے ان کی مراد موجودہ پاکستان، بنگلہ دیش اور برما سمیت پورا برصغیر ہوتا ہے) جو بحر احمر سے سماترا تک پھیلی ہوئی تھی[۲۱]۔ خود یہ تجارت بحیرہ روم کی تجارت سے مربوط تھی۔ اس تجارتی عمل کا انحصار شرکتوں کے ایک وسیع الاطراف نظام پر تھا[۲۲])۔ بینکنگ کے کاروبار میں مسلمان بھی تھے، چنانچہ تیونس میں بینکنگ انہی کے ہاتھوں میں تھی[۲۳]۔ پانچویں اور چھٹی ہجری صدیوں کے لگ بھگ صک اور سفتجہ جیسے مالیاتی تمسکات کا چلن بڑھا۔ ان کے مبادلہ کی ضرورت بڑھی جس کی اجازت مختلف فقہاء نے مختلف شرطوں کے ساتھ دی۔

بعد کی صدیوں میں دو نئے اسالیبِ تمویل نمودار ہوئے: بیع الوفا اور وقف النقود۔ اوّل الذکر میں کسی چیز کی فروخت اس شرط پر عمل میں لائی جاتی تھی کہ جب فروخت کنندہ اس چیز کو واپس کرے تو اسے اپنے دیئے ہوئے دام واپس مل

Marfat.com

جائیں۔ ایک رہائشی مکان جو سال بھر خریدار کے پاس رہے اس سے اسے کرایہ کی آمدنی ہوتی رہ سکتی تھی۔ سال بھر بعد اسے دی ہوئی رقم واپس مل جاتی اور مکان اپنے مالک کو واپس چلا جاتا۔ اس طور پر مآل کار سال بھر کے لیے دی ہوئی رقم کے بالمقابل اضافی آمدنی ہوئی جیسا کہ سودی قرض دینے کی صورت میں ہوتا چلا آیا تھا، جسے اسلام نے حرام قرار دے کر روک دیا۔ چنانچہ اکثر فقہاء نے بیع الوفا کو ناجائز قرار دیا مگر کچھ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا[۲۴]۔ عثمانی دور کے مجلّہ عدلیہ میں بیع الوفا کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں، انیسویں صدی عیسوی میں اس کا خاصا رواج تھا۔

کسی کارِ خیر کے لیے نقد رقم وقف کرنے والے چاہتے تھے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور اس کی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع کارِخیر پر خرچ کیا جائے۔ اس غرض سے انھوں نے شرط عائد کی کہ سرمائے کو ایک معیّن فی صد نفع پر مضاربت پر دیا جائے۔ بعض فقہاء نے وقف کے فلاحی مقاصد کے پیش نظر اس کے اصل سرمایہ کو تحفظ دینے کے خیال سے اس کو جائز قرار دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں انہی فتووں کے حوالے سے وقف النقود کا چلن تجارتی اغراض کے لیے بھی قابل قبول ہو گیا[۲۵]۔ بیع الوفا اور بیع النقود دونوں کا رواج زیادہ تر ترکی میں ہوا۔ دوسرے اسلامی علاقوں میں ان کے عام رواج کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ہمیں یہاں تمویل کے ان دونوں طریقوں کے بارے میں فقہی اختلافات سے بحث نہیں، صرف یہ نوٹ کرنا ہے کہ بعض ضروریات کے تحت ایسی تمویل کو روا رکھا گیا جس سے ایک متعین فی صد شرح پر نفع مل سکے۔ اس کے پہلو بہ پہلو پہلے سے جاری دوسرے طرقِ تمویل بھی رائج رہے۔

Marfat.com

تجارت، خاص طور پر بحری تجارت اور بین الاقوامی لین دین میں اضافہ کے ساتھ خطر کا سامنا کرنے کے لیے نئے طریقے اختیار کیے جانے لگے۔ ان میں سے اکثر طریقے باہمی تعاون پر مبنی تھے[۲۶]۔ چودہویں اور سترہویں عیسوی صدیوں کے درمیان ملابار کے ساحل پر واقع بندرگاہوں اور ساحلِ چین کے بعض مقامات کے مابین ایک صوفی گروہ نے بحری تجار کے درمیان تعاونِ باہمی پر مبنی انشورنس کا نظام اختیار کر رکھا تھا[۲۷]۔ تیرہویں صدی ہجری کے فقیہ 'ابن عابدین شامی' نے انشورنس پر کلام کیا ہے[۲۸]۔ ہم اس کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ اس خطر اور عدم تیقن سے بھری دنیا میں انشورنس اور فنانس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

دورِ جدید میں اسلامی فنانس کا احیاء

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مسلم اکثریت کے تقریباً سارے ممالک اجنبی اقتدار کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ مگر ان ممالک میں نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تحریکیں بھی زور پکڑ رہی تھیں۔ آزادی کی جد و جہد کے ساتھ یہ بات بھی زیرِ بحث آئی کہ آزاد مسلم ملکوں کی معیشت کن اصولوں پر منظم کی جائے؟ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں پوری دنیا میں سرمایہ داری اور سوشلزم کا چرچا تھا۔ عام مفروضہ تھا کہ آئندہ آزاد ہونے والے ممالک کو بھی ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ چنانچہ ان ممالک میں بھی جن میں مسلمان اکثریت میں تھے یا ان کی تعداد بہت بڑی تھی، جیسے قبل تقسیم کا ہندوستان، دونوں نظاموں کی وکالت کرنے والے دانشور اپنی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ اسی ماحول میں مشہور شاعر اور فلسفی علامہ اقبالؒ نے، جنہیں معاشیات میں

Marfat.com

بھی کچھ درک حاصل تھا، یہ نعرہ لگایا کہ اسلام خود ایک معاشی نظام دیتا ہے جو سرمایہ داری اور سوشلزم کی بے اعتدالیوں سے پاک اور ان سے کہیں بہتر عدل اور خوش حالی کا ضامن ہو سکتا ہے[۲۹]۔ ساتھ ہی اسی زمانہ میں ابھرنے والی طاقت ور اسلامی تحریکوں نے بھی اسلام کے ایک جامع نظامِ حیات ہونے کا تصور دیا۔ ان تحریکوں نے سرمایہ داری اور سوشلزم، دونوں کو رد کرنے اور اسلامی نظامِ معیشت کو اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اسی دعوت کے ذیل میں سود اور سود پر مبنی بینکنگ اور فنانس کو رد کرنے اور اسلامی اصولوں پر مبنی سود سے پاک بینکنگ اور مالیاتی نظام پیش کرنے کی بات آگے بڑھی۔ اس بات کو آگے بڑھانے میں مسلمان دانش ور اور ماہرین اقتصادیات پیش پیش تھے۔ کچھ ابتدائی خاکے بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں سامنے آئے مگر سود سے پاک اسلامی بینکنگ اور فنانس کے تفصیلی نقشے اور ان کی تائید میں اقتصادی تجزیاتی لٹریچر پانچویں اور چھٹی دہائیوں میں سامنے آیا[۳۰]۔ اسی کے ساتھ ساٹھ کی دہائی میں غیر سودی مالیاتی اداروں کے قیام کے متعدد تجربے مصر، ملیشیا اور ہندوستان اور پاکستان میں کیے جاتے رہے، پھر ستر کی دہائی میں اسلامی بینکوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کے ساتھ ہی اسلامی انشورنس کمپنیاں، اسلامی انوسٹمنٹ کمپنیاں، اور آگے چل کر اسلامک میچیول فنڈ پوری دنیائے اسلام میں اور اس کے باہر بھی جگہ جگہ پھیل گئے[۳۱]۔ آئندہ صفحات میں ہم دور جدید کے اسلامی فنانس کے ڈھانچہ اور نظریاتی نیز فقہی اساس پر روشنی ڈالیں گے۔

ابتداءً اسلامی بینکنگ کا ماڈل مضاربت در مضاربت پر مبنی تھا، یعنی عام لوگ اپنی بچتیں اسلامی بینکوں کو دیں تاکہ وہ ان بچتوں کو کاروباریوں کو مضاربت پر دے کر نفع آور بنائیں اور اس طرح حاصل ہونے والے نفع کا ایک حصہ خود

Marfat.com

رکھیں باقی حصہ کھاتہ داروں کو دیں۔ اسلامی بینک اہلِ کاروبار کو نفع میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کریں۔ رہا نقصان تو اسے سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی قرار دے کر، بالآخر، کھاتہ داروں کے سر ڈالا جائے۔ مگر عملی تطبیق اس ترمیم کے ساتھ عمل میں آئی کہ اسلامی بینک کھاتہ داروں سے مضاربت پر حاصل کردہ سرمایہ کے نفع آور بنانے کی تمام جائز شکلیں اختیار کرے۔ ان شکلوں میں براہ راست تجارتی کاروبار کرنا، صنعتیں چلانا، زمین، جائداد خرید کر انہیں کرائے پر چلانا وغیرہ شامل تھے۔ مگر جلد ہی زیادہ تر اسلامی بینکوں نے براہِ راست پر خطر کاروبار سے اجتناب کرتے ہوئے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں نفع تقریباً یقینی ہو اور اس کی شرح پہلے سے معلوم رہے۔ یہ بیع المرابحة للآمر بالشراء کا طریقہ تھا۔ گاہک کی فرمائش پر اسلامی بینک اس کا مطلوبہ سامان خریدتا اور اس سامان کو اپنی قیمتِ خرید پر ایک متعین شرحِ نفع کے اضافہ کے ساتھ اس گاہک کو ادھار دام پر فراہم کر دیتا۔ ساتھ ہی سلم، استصناع اور اجارہ کی مختلف سادہ اور مرکب شکلیں اختیار کی جانے لگیں، تاآنکہ بیسویں صدی کے آخری برسوں میں انہی مرکبات پر مبنی صکوک جاری کیے جانے لگے، جن کے اجراء نے اسلامی بینکنگ کو عام کرنے اور اسے عوام سے قریب تر کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے نصفِ اوّل تک دنیا میں کئی سو اسلامی مالیاتی ادارے تین سو بلین امریکی ڈالر سے زیادہ اثاثہ کے ساتھ کاروبار کرتے نظر آئے اور ان کے گاہکوں کی تعداد، ان کا جغرافیائی پھیلاؤ، نیز ان کی جانب سے پیش کی جانے والی مالیاتی خدمات میں مستقل اضافہ ہوتا جا رہا ہے[۳۲]۔

اسلامی بینکنگ کا آغاز اگر مسلمان دانشوروں، ماہرین معاشیات، فلسفیوں اور شاعروں کا مرہونِ منّت تھا تو اسے اس درجہ تک پہنچانے کا سہرا بیشتر اسلامی مالی

Marfat.com

ادارے قائم کرنے والے مسلمان اہلِ صنعت و تجارت اور ان کی مدد کرنے والے ان فقیہوں اور شریعہ محققین کے سر ہے جن کی خدمات بیسویں صدی کے ربع آخر سے آج تک اسلامی بینکوں کو حاصل رہی ہیں(۳۳)۔

بیسویں صدی کے ربع آخر کے، جن دنوں کہ اسلامک بینکنگ پر بڑے پیمانہ پر عمل شروع ہوا، اور اس سے پہلے کے لٹریچر میں، جب کہ اسلامک بینکنگ کا نظریہ تشکیل پا رہا تھا، ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر میں اس بات کی کوشش نمایاں ہے کہ سود پر مبنی بینک جتنی مالیاتی خدمات پیش کر رہے ہوں ان کے بالمقابل، حتیٰ الامکان انہی جیسی خدمات اسلامی بینک بھی پیش کر سکیں۔ مرابحہ، اجارہ منتہیۃ بالتملیک، متوازی سلَم، صکوک (جن کے بطن میں بیع الدین بھی جائز ہو گیا) اور اب حال میں تورّق کے اضافہ نے آج کی اسلامک بینکنگ کو اس سے بہت مختلف بنا دیا جس کا چرچا بیسویں صدی کی پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں سامنے آنے والے لٹریچر میں ملتا ہے۔ مناسب ہو گا کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے۔

پہلے دور میں جن ماہرین معاشیات نے اسلامی بینکنگ کا نظریہ پیش کیا ان کی نظریں اسلامی نظام زندگی پر تھیں جس کے ایک جزء کے طور پر وہ سرمایہ دارانہ نظامِ بنک کاری سے مختلف، سود سے پاک، بینکنگ لانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، ڈاکٹر محمد عزیر، ڈاکٹر محمد عبد اللہ العربی، پروفیسر عیسیٰ عبدہ اور ڈاکٹر محمود ابوالسعود میں سے کسی کا اختصاص فقہ میں نہیں تھا۔ وہ بحیثیت مسلمان سود کی حرمت پر ایمان رکھتے تھے، اپنے علمِ اقتصادیات کی روشنی میں اس لعنت کے تباہ کن نتائج بیان کرتے تھے اور جیسا کہ ڈاکٹر محمد عزیر نے اپنے ۱۹۵۵ میں شائع کردہ کتابچہ(۳۴) میں کیا، شرکت اور مضاربت کے اسلامی اصولو ں کی بنیاد

Marfat.com

پر بینک کاری کا نیا نظام تجویز کرتے تھے۔ ان کے تیار کردہ لٹریچر کی بازگشت ان کوششوں میں زیادہ ملتی ہے جو پورے ملک کی سطح پر اسلامی بینکنگ اور فنانس لانا چاہتے تھے، یعنی پاکستان، ایران اور سوڈان۔ مگر خلیجی ممالک میں جو اسلامی بینک قائم ہوئے وہ نجی دائرے میں قائم ہوئے۔ یہ بینک مسلمان تاجروں اور اہلِ ثروت نے قائم کئے تھے۔ ان کا فوری مقصد حرام سے بچتے ہوئے اپنے سرمایہ کو نفع بخش بنانا تھا۔ ساتھ ہی ان کے پیش نظر ان مسلمان عوام کی مدد بھی تھی جو سودی بنکوں سے لین دین سے گریز کرتے تھے مگر اپنی بچتوں کے تحفظ اور ان کے نفع آور استعمال کے جائز طریقوں کے متلاشی تھے۔ اسلامی بینکنگ میں فقہاءِ کرام، یا جاری اصطلاح کے مطابق شریعہ محققین کا کام ان نجی بینکوں کے قیام اور عمل درآمد میں مدد دینا تھا۔ جیسا کی دبئ اسلامک بینک اور کویت فنانس ہاؤس کے مشیر کار اسکالرز کے دیے ہوئے فتاویٰ کے مطالعہ سے ظاہر ہے، ان کا مرکزِ توجہ جزئی امور تھے جن کو انھوں نے فقہ اسلامی کی فروعی تفصیلات کی روشنی میں حل کیا(۳۵)۔

وہ کلّی امور جو اسلامک بینکنگ اور فنانس کے مذکورہ بالا روّادِ اوّلین (pioneers) کا مرکز توجہ تھے، ان کے ذکر سے فتاویٰ کے یہ مجموعے خالی ہیں۔ پاکستان، ایران اور سوڈان کے بعد جن ملکوں نے اسلامک بینکنگ اور فنانس کی طرف ملکی سطح پر توجہ کی، مثلاً ملیشیا، انڈونیشیا، بحرین اور متحدہ عرب امارات کی بعض ریاستیں، انھوں نے مختلف وجوہ سے خلیجی بینکوں کا طریقہ اختیار کیا نہ کہ ایران یا سوڈان کا۔ یہی ماڈل ان ملٹی نیشنل بینکنگ کارپوریشنوں کو بھی راس آیا جو گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں اس میدان میں اترے تھے اور اب اس پر چھاتے جا رہے ہیں، مثلاً سٹی بینک اور ہانگ کانگ شانگھائی بینکنگ کارپوریشن۔

Marfat.com

سود سے پاک، مگر جملہ تجارتی ضروریات کی تکمیل کر سکنے والی، بینکنگ کی اور مسلمان بچت کاروں کے لیے نفع آور سرمایہ کاری کے نسبتاً محفوظ طریقوں کی، تفصیلات مرتّب کرنا، اور اس سلسلہ میں ان اسلامی مالیاتی اداروں کو پیش آنے والے مسائل کو فقہ کی روشنی میں حل کرنا جو ستر کی دہائی کے نصف ثانی میں خلیجی ممالک، مصر اور سوڈان میں قائم کیے گئے تھے کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ اس کارنامہ کی عظمت کا ادراک لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے اس نئے فقہی لٹریچر اور ان ہزارہا ہزار فتاویٰ پر ایک نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے جو عربی اور دوسری اسلامی زبانوں میں گزشتہ تیس سال میں سامنے آئے ہیں۔ مقالہ نگار کے محدود علم کے مطابق گزشتہ ایک ہزار سال میں تجارتی اور مالی معاملات کے ابواب میں اتنے بڑے پیمانہ پر فقہی سرگرمی کی کوئی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سرگرمی نے پوری دنیائے اسلام میں علمی حرکت کی ایک نئی لہر دوڑا دی جس کے فیض سے دوسرے دینی علوم اور ان کی تدریس نیز دینی درس گاہیں سبھی مستفید ہوئے۔

معاصر مسلمان فقہاء اور اسلامی مالیاتی اداروں کی رہنمائی کرنے والے شریعہ محققین کی ان بے مثال خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کا مرکزِ توجہ اسلامی مالیاتی اداروں کے روزمرہ مسائل رہے۔ یہ ان کلی امور پر توجہ نہیں مرکوز کر سکے جو اسلامی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام سے اور ان دونوں نظاموں کے مالیاتی اداروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسلام میں بینکنگ اور مالیات کو جن مقاصدِ شریعت کے حصول میں کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے، جن کے ذکر سے اسلامی بینکوں کے قیام سے پہلے کا وہ لٹریچر بھرا پڑا ہے جو مسلمان ماہرین اقتصادیات اور دوسرے اہل فکر و قلم کے ذریعہ سامنے آیا تھا، ان

Marfat.com

مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع کر کے فتویٰ دینے، یا اپنے بنائے ہوئے مجموعی خاکہ کو اس کسوٹی پر پرکھنے کا ان فقہاء اور شریعہ محققین کے درمیان چلن نہ ہو سکا۔ اس کے تاریخی اسباب کی تفصیل میں جانا یہاں ممکن نہیں۔ مگر دو حقائق ایسے ہیں جو اس روش کو بدلنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ معاملات کے باب میں خاص طور پر فقہ اسلامی کے ائمہ، مثلاً ابوحنیفہؒ اور مالک بن انسؒ کسی طریقہ پر صاد کرنے سے پہلے اس کے عواقب اور مآلِ کار پر ضرور نظر ڈالتے تھے۔ ان کا فیصلہ مصالح عامّہ کو سامنے رکھ کر ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے استحسان اور امام مالکؒ کے مصالحِ مرسلہ کی یہی نوعیّت تھی۔ صرف متعلقہ عقود کی سلامتی کسی ایسے طریقہ پر صاد کرنے کے لیے کافی نہیں جس کے مفسدہ کا پلّہ اس کی منفعت پر بھاری ہو۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تیس برسوں میں جزئی نظر اور روزمرہ مسائل کے حل پر مرکوز فتاویٰ نے آج اسلامک بینکنگ اور فنانس کو ایسی شکل دے دی ہے جو مآلِ کار اور اپنے عواقب کے اعتبار سے ہمیں وہیں پہنچا رہی ہے جہاں سودی قرضوں پر مبنی بینکنگ اور فنانس نے پوری انسانیت کو پہنچا رکھا ہے۔ آئندہ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتے ہوئے اصلاحِ حال کی بعض تجاویز بھی پیش کی جائیں گی۔

آج کی دنیا میں کسی طریقِ سرمایہ کاری کے یا کسی مالیاتی عمل درآمد کے نتائج وعواقب کا اندازہ لگانے کے لیے جدید علوم وفنون، بالخصوص معاشیات کا علم ضروری ہے۔ قانون کی نظر فریقین کے درمیان عادلانہ معاملت پر ہوتی ہے۔ پورے معاشرہ کے فلاح و بہبود پر کیا اثر پڑتا ہے اور سرمایہ کاری کے باب میں اجتماعی فلاح و بہبود کے تقاضے کیا ہیں، اس کی تعیین قانون کے بس میں نہیں۔ قرض کی مثال پر غور کیجیے۔ قانون یہ دیکھے گا کہ قرض کا لین دین فریقین کی

Marfat.com

آزادانہ مرضی کا نتیجہ ہو، اس میں کسی دھوکہ دہی یا جبر و اکراہ کا کوئی دخل نہ ہو۔ رہا یہ سوال کہ کسی معاشرہ میں قرضوں کی مجموعی مقدار کا بڑھتا چلا جانا کیسا ہے، یا خود ملک کے اوپر بیرونی قرضوں کے بار میں اضافہ ہوتے چلا جانا کیسا ہے، تو ان سوالوں کے جواب قانون یا فقہی جزئیات کی روشنی میں نہیں دیے جا سکتے۔ اس کے لیے معاشی تجزیہ لازمی ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ مسئلہ کے بعض سیاسی، سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی زیرِ بحث لانا ہو گا۔ جس چیز کو ہماری فقہ میں مصالح عامہ سے تعبیر کیا گیا ہے، جب مالی معاملات کی بات ہو گی تو ان مصالح سے مراد وہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی نیز نفسیاتی اثرات ہیں جو ان معاملات کے نتیجہ میں پڑیں گے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ائمہ فقہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آج بھی فقہاء اور شریعہ محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مالی معاملہ کے حق میں فتویٰ دیتے وقت اس معاملہ سے وابستہ مصالح اور مفاسد کا موازنہ کریں۔ ہماری دوسری عرض یہ ہے کہ یہ موازنہ روایتی دینی مدارس میں نہیں سکھایا جاتا، نہ ہی متعلقہ علوم دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہیں، نہ ہر فقیہ کے لیے ان علوم پر مہارت حاصل کرنا ممکن ہے۔ علمی اختصاص کے اس دور میں یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے، یہ ایک الگ سوال ہے۔ مگر پہلے یہ طے کرنا ہو گا کہ صرف شرعی علوم پر عبور رکھنا اس زمانہ میں مالی معاملات کو مصالح اور مفاسد کی میزان پر تولنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ نئے مالیاتی آلات و وسائل کو اسلامی تعلیمات کے معیار پر مقبول قرار دینا اور ان کے جواز اور رواج کو صاد کرنا مروجہ شریعہ محققین یا ان پر مشتمل شریعہ بورڈ کی استعداد و استطاعت سے باہر ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے لیے مالی معاملات کو

Marfat.com

مصالح اور مفاسد کی میزان پر پرکھنا ممکن ہوا تو آج کے فقیہ کے لیے اسے کیوں ناممکن بتایا جا رہا ہے؟ اس کا جواب ہزار سال پہلے کی دنیا، بالخصوص معاشی دنیا، اور آج کی دنیا اور اس کے تجارتی اور مالیاتی حالات میں پائے جانے والے فرق میں ہے۔ ایک طرف تو معاشی معاملات نے اتنی پیچیدگی اختیار کر لی ہے کہ انھیں سمجھنے کے لیے علم معاشیات اور دوسرے علوم کا سہارا لینا ضروری ہے۔ دوسری طرف آج کے فقہاء کا دائرۂ علم و عمل اتنا وسیع نہیں رہا جیسا کہ ائمہ فقہ کا تھا۔

معاصر اسلامک فنانس نے گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی کے اواخر سے اس صدی کی پہلی دہائی تک، مرابحہ سے تورّق تک، جو سفر طے کیا ہے اس کا جملہ تفاصیل کے ساتھ تفصیلی محاکمہ ممکن نہیں۔ خوش قسمتی سے اس سفر کے مختلف مراحل سے متعلق الگ الگ کافی لٹریچر موجود ہے[۳۶]۔ یہ لٹریچر زیادہ تر فقہی، جزئی زاویۂ نگاہ کا آئینہ دار ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ہم ذیل میں ان مالیاتی آلات و وسائل کے فقہی، جزئی پہلو سے تعرض نہ کرتے ہوئے ان کے اس پہلو سے بحث کریں گے جو کلّی، مجموعی سطح پر ان سے وابستہ مصالح اور مفاسد سے متعلق ہے۔

مرابحہ، اجارہ منتہیۂ بالتملیک، متوازی سلم، صکوک، عینہ اور تورّق سب میں ایک بات مشترک ہے: ان کے نتیجہ میں مقروضیت کی سندیں (debt securities) وجود میں آتی ہیں، اگرچہ ان سندات کی نوعیت میں فرق ہے۔ بعض حالات میں سند قرض کی پشت پر حقیقی اموال: زمین، جائداد، خام مال، مصنوعات یا زرعی اجناس وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور بعض حالات میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ جن اسناد قرض کی پشت پر حقیقی اموال نہ ہوں ان کا پھیلاؤ اور معیشت میں ان کے حجم میں اضافہ ہوتے جانا، مضر ہے۔ (قرضِ حسن،

Marfat.com

یا غیر سودی قرض اس سے اس لیے مستثنیٰ ہے کہ وہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے اور اس کی سندات کی خرید و فروخت غیر متصور ہے کیونکہ اس کاروبار میں نفع کا کوئی امکان نہیں)۔ ساتھ ہی ہماری رائے میں ایسی سنداتِ قرض سے جو فائدے متوقع ہو سکتے ہیں وہ انفرادی اور کم اہم ہیں۔ ان کے مقابلے میں اجتماعی سطح پر ہونے والا نقصان زیادہ اہم تر اور یقینی ہے۔ لہٰذا ان مالیاتی آلات اور طریقوں کو خلافِ اسلام قرار دیا جانا چاہیے جن کے نتیجہ میں ایسی سنداتِ قرض کا پھیلاؤ ہو جن کی پشت پر کوئی حقیقی اموال نہ ہوں۔ معاصر اسلامی مالیات میں اس کی مثال تورّق ہے، اگرچہ بعض دوسرے طریقے بھی اس نتیجہ تک پہنچا سکتے ہیں۔

تورّق

جیسا کہ دوسرے باب میں بتایا جا چکا ہے، اسلامی فنانس کے معاصر عمل میں تورّق[۳۷] کا اضافہ نسبتاً نئی بات ہے۔ کچھ اسلامی بینک اور اسلامی مالیاتی ادارے اس طریقے سے طلب گاروں کو نقد فراہم کرنے لگے ہیں۔ تورّق کے طریقے سے کھاتہ داروں کو ایک متعین فی صد نفع دینے کا عہد بھی کیا جا سکتا ہے۔ متورّق، یعنی نقد کا طلب گار گاہک، بینک سے مال ادھار خریدتا ہے۔ پھر وہ اس مال کو ایک فریقِ ثالث کے ہاتھوں اپنی قیمت خرید سے کم دام پر فروخت کر کے نقد حاصل کر لیتا ہے۔ مآلِ کار گاہک کو نقد مل گیا جس کے عوض اسے ادھار کی طے شدہ مدّت ختم ہونے پر، اس سے بڑی رقم نقد واپس کرنا ہے۔ اسی طرح بینک کھاتہ دار سے کوئی چیز ادھار خریدتا ہے اور اس چیز کو فریقِ ثالث کے ہاتھوں اپنی قیمت خرید سے کم دام پر فروخت کر کے نقد حاصل کر سکتا ہے۔ مآلِ کار کھاتہ دار کو، ادھار کی مدت پوری ہونے پر، جو نقد بینک سے واپس ملے گا وہ اس سے زیادہ ہو گا جو بینک کو اس کی دی ہوئی چیز کی فروخت سے ملا تھا۔ انجامِ کار

Marfat.com

تورّق کے طفیل اس پر عمل پیرا اسلامی بینک ایسے کھاتے کھولتے ہیں جن میں جمع رقوم کو مقررہ مدت کے بعد پہلے سے طے شدہ شرح کے ساتھ نفع دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی وہ قرض کے طور پر نقد کے طلب گاروں کو مقررہ مدّت کے بعد طے شدہ شرح سے اضافہ کے ساتھ واپسی کے وعدہ پر قرض بھی دینے لگے ہیں۔ اسلامک بینک آف بریٹین تورّق پر عمل میں پیش پیش ہے[۳۸]۔ اس کا چلن سعودی عرب میں نیشنل کمرشل بینک نے شروع کیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ دوسرے خلیجی اسلامی مالیاتی ادارے بھی تورّق پر عمل پیرا ہیں[۳۹]۔

ہر تورّق کے نتیجہ میں ایک نیا قرض جنم لیتا ہے۔ مزید برآں، تورّق کے پیدا کردہ قرض کی مقدار ہمیشہ اس نقد کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے جو متورّق کو ملا۔ چنانچہ مذکورہ بالا پہلی مثال میں طالبِ قرض گاہک کو اور دوسری مثال میں بینک کو جو نقد ہاتھ آیا وہ، لازماً اور دائماً، اس قرضے سے کم ہو گا جس کی لازمی ادائیگی مقررہ مدت کے بعد کرنا ہے، پہلی مثال میں گاہک کو اور دوسری مثال میں بینک کو۔ آئندہ صفحات میں ہم ان دونوں وقائع، نئے قرض کے وجود میں آنے اور اس قرض کے اس کے ذریعہ ملنے والی نقد رقم سے زیادہ مقدار کا حامل ہونے، کے ان اثرات کا تجزیہ کریں گے جو معاشیاتِ کلّی کی سطح پر مرتّب ہوتے ہیں۔ لیکن تفصیلات میں جانے سے پہلے ایک لمحۂ فکریہ کے طور پر ان اسنادِ قرض کے ممکنہ انجام اور کردار پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں جو تورّق پر عمل درآمد کے نتیجہ میں پیدا ہوں گی اور پھیلیں گی۔

چاہے آپ عام بازارِ مال (financial market) پر نظر ڈالیں یا اسلامی بازارِ مال پر، ان اسناد کا بارہا مبادلہ ہوتا ہے اور ظن و تخمین (speculation) پر مبنی ان متعدد سودوں کے طفیل ان کا ان حقیقی اموال اور سودوں سے کوئی تعلق

Marfat.com

باقی نہیں رہ جاتا جن سے آغازِ کار تعلق رہا ہو گا۔ ممکن ہے گاہک نے قرض کسی چیز کو خرید کر کاروبار میں لگانے کے لیے لیا ہو، یا بینک نے کھاتہ دار کے ذریعہ ملی رقم کسی ایسے کو دی ہو جو اسے پیداآور کاروبار میں لگائے۔ مگر اسنادِ قرض کے بازار میں یہ باتیں تاریخِ پارینہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ اس بازار میں لین دین کے نتیجہ میں سند پر سند جاری کرنے کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے، تاآنکہ ہمارے سامنے مالی آلات (financial instruments) کا ایک ہرمِ معکوس (inverted pyramid) کھڑا نظر آتا ہے جس کی جڑ، بنیاد ضرور حقیقی اثاثوں سے بنی ہوتی ہے لیکن باقی ساری عمارت کاغذی ہوتی ہے۔ نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ تورّق کی آماجگاہ اب بازارِ زر (money market) ہے نہ کہ بازارِ حقیقی (real market)۔ اس بازار کے انداز اور آداب، اس کے اندر طے پانے والی قیمتوں کے اشارے اور ان اشاروں کی اقتصادی اہمیت، اس سے بہت مختلف ہوتی ہے جو کہ بازارِ حقیقی میں ہوتی ہے۔

انسانی معیشت میں قرضوں کا کردار

معیشت میں قرض کے اضافہ کا اثر اس پر منحصر ہے کہ اس کا مصرف اور نتیجہ کیا رہا۔ محض اضافۂ قرض مجموعی سماجی دولت میں اضافہ کے ہم معنیٰ نہیں ہے۔ اگر لیے گئے قرض کو پیداوارِ دولت کے لیے استعمال کیا گیا تو نتیجہ تین میں سے ایک ہو گا۔ قرض کے پیداآور استعمال کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی نئی دولت، زر میں ناپنے پر، یا تو مقدار میں قرض کے برابر ہو گی، یا کم یا زیادہ۔ صرف آخری صورت میں اضافۂ قرض کو ایک مفید سماجی عمل قرار دیا جا سکے گا۔ پہلی صورت میں سماج نے کچھ نہیں کھویا لیکن دوسری صورت میں، جب کہ قرض لی ہوئی رقم کے پیداآور استعمال سے وجود میں آنے والی دولت کی مقدار اس عمل

Marfat.com

میں استعمال شدہ دولت سے کم ہو، سماج کی مجموعی دولت میں کمی واقع ہو گی۔ رہا قرض دار تو اسے اپنی سابقہ دولت میں سے کچھ ملا کر قرض لی ہوئی رقم کی لازمی ادائیگی کرنا ہو گی۔ یعنی اس صورت میں فائدہ صرف قرض دینے والوں کو ہو گا جن کے حصہ میں سابق سے موجود دولت کا پہلے سے زیادہ جزء آئے گا۔

مذکورہ بالا نتیجہ خلافِ عدل ہے۔ جس ماحول میں پیداواری عمل انجام پاتا ہے وہ انسان کو اس کی گارنٹی نہیں دیتا کہ جو دولت پیداواری عمل میں لگائی جائے گی وہ لازماً اور دائماً اپنی مقدار سے بڑھی ہوئی مقدار میں دولت پیدا کرے گی۔ جب ایسا ہے تو پیداواری سرمایہ فراہم کرنے والے کو اس کے سرمایہ کی اضافہ کے ساتھ واپسی کی گارنٹی کا کوئی جواز نہیں۔

ساتھ ہی قرض کے ذریعہ پیداواری عمل کی تنظیم ناکارہ، یعنی کارکردگی کے معیار پر فروتر قرار پاتی ہے۔ اعلیٰ کارکردگی مطلوب ہو تو سرمایہ اس منصوبۂ عمل (project) میں لگنا چاہئے جس کی متوقع پیداآوری سب سے زیادہ ہو، جس میں سرمایہ لگانے سے اس سے زیادہ شرح نفع کی امید ہو جو دوسرے ممکن اور میسّر منصوبہ سے وابستہ ہو۔ مگر قرض دینے والے کا مرکز توجہ قرض کے طلب گار کی مالی ساکھ اور پہلے سے موجود قوتِ ادائیگی ہے۔ اگر یہ قابل بھروسہ ہے تو اس کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی یقینی ہے۔ قرض ساکھ (creditworthiness) کے اعتبار سے ملتا ہے، جس منصوبہ کو اس کے ذریعہ فنانس ہونا ہے وہ صرف ثانوی درجہ پر سامنے رکھا جاتا ہے، کیونکہ منصوبہ کی ناکامی کا قرض کے قانوناً واجب الادا ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس معیشت میں قرض کے ذریعہ تمویل (debt financing) کا دور دورہ ہو اس میں پیداواری سرمایہ کا استعمال فروتر کارکردگی، یعنی ناکارکردگی، کا شکار ہو گا۔ اچھے اچھے پیداواری منصوبے سرمایہ نہ

Marfat.com

ملنے کے سبب دھرے رہ جائیں گے کیونکہ ان کے حاملین اونچی مالی ساکھ سے محروم تھے، جب کہ نالائقوں کو، جن کے پاس سابقہ دولت کے سبب اونچی مالی ساکھ ہو، بآسانی سرمایہ مل جائے گا۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ قدرت نے ذہانت وفطانت کی تقسیم، جن پر کاروباری تنظیم میں اعلیٰ کاکردگی اور اچھے اچھے منصوبہ سامنے لانے کا مدار ہے، سابقہ دولت کی ملکیت اور مالی ساکھ پر مبنی نہیں رکھی ہے۔

تمویل بالقرض کے ان دونوں نقائص، غیر عادلانہ ہونے اور فروتر کارکردگی دکھانے، کو اسلامی مالیات پر لکھنے والوں نے بخوبی واضح کر دیا ہے اس لیے یہاں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں(۴۰)۔ البتہ تاکید کے طور پر ایک بات کا ذکر مناسب ہو گا۔ مستقبل میں زیادہ مقدار واپس کرنے کے وعدہ پر حال میں کوئی نقد رقم دینا عدل و انصاف کے منافی اس لیے ہے کہ عدم تیقن آنے والے وقت کا خاصہ ہے۔ جو وقت مقروض کو ملا اس میں کسی پیداواری عمل کے لیے ضروری ہے کہ قرض لی ہوئی رقم کو اشیاء اور خدمات، خام مال وغیرہ میں بدلا جائے۔ پھر پیداواری عمل کی تکمیل پر منتوجات یا مصنوعات کو فروخت کرنا ہو گا تب نقد ملے گا جس کے ذریعہ قرض دینے والے کو ادائیگی ممکن ہو سکے گی۔ مگر اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ نقد اس نقد سے زیادہ ہو جو قرض لیا گیا تھا۔

جس معیشت میں تمویل بالقرض کا دور دورہ ہو اس میں بازارِ قرض وجود میں آ ہی جاتا ہے۔ کسی قرض کے نتیجہ میں جو سند وجود میں آتی ہے اس کی مدتِ عمر قرض کی ادائیگی تک ہے۔ مگر کوئی وجہ نہیں کہ قرض دینے والے اس عرصہ سند کو بے مصرف رکھیں۔ سنداتِ قرض کے پرانے استعمالات کے علاوہ مالیاتی اپج (financial innovation) کے اس دور میں ان سندات سے استفادہ کی نئی

Marfat.com

نئی شکلیں نکالی جا رہی ہیں[۴۱]۔ خلاصہ یہ کہ سنداتِ قرض کے ممکنہ استعمالات کی بنا پر ان کی طلب پیدا ہوتی ہے، طلب اور رسد کے تعامل سے دام طے پاتے ہیں، اس طرح بازارِ قرض گرم ہوتا ہے۔ معیشت کی ترقی کے ساتھ بازارِ قرض میں بھی وسعت آتی ہے اور سنداتِ قرض کی طلب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ ہر بازار کی طرح بازار قرض میں بھی ظن وتخمین (speculation) کا چلن عام ہے مگر اس بازار میں سٹہ بازی کے ڈانڈے جوئے بازی سے جا ملتے ہیں[۴۲]۔ اس کا سبب قرض پر مبنی تمسکات کی مخصوص نوعیت ہے۔ ظن و تخمین پر مبنی سٹہ بازاری کا چلن بازارِ اشیاء و خدمات میں بھی ممکن ہے مگر وہاں اس ظن و تخمین کے لیے کچھ معروضی بنیادیں موجود رہتی ہیں، مثلاً اشیاء کے اسٹاک، درآمد ہونے والی اشیاء کے لیے دیے گئے آرڈر، متعلقہ خدمات کے اہل کارکنان کی تیاری میں مصروف اداروں میں داخلے وغیرہ۔ مزید برآں اشیاء اور خدمات میں لاتعداد اکائیاں ایک معیار کی حامل ہوتی ہیں۔ مگر سندات قرض میں اس طرح کا (standardization) شاذ و نادر ہی ممکن ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سند قرض وہی معتبر ہے جس میں درج قرض کی واپسی پر بھروسہ کیا جا سکے۔ کسی قرض یا اس کی سند کی وقعت قرض لینے والے کی ساکھ، قرض لی ہوئی رقم کے استعمال کی جہت، وقت ادائیگی، مقام ادائیگی، وغیرہ متعدد ایسے عوامل سے متعین ہوتی ہے جن کے بارے میں معلومات اور اندازے یکساں نہیں رہتے۔ کون اندازہ لگا رہا ہے، کب اندازہ لگا رہا ہے، اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے[۴۳]۔ چونکہ اندازے کسی معروضی بنیاد سے محروم ہوتے ہیں اس لیے ان پر خبروں، افواہوں اور خود بازار قرض کے کھلاڑیوں کی تراشیدہ کہانیوں کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ شاطر کھلاڑی ان طریقوں سے دام اٹھانے گرانے کا کھیل کھیلتے ہیں اور وقت مناسب دیکھ کر تمسکات کی خرید و

Marfat.com

فروخت سے نفع بناتے ہیں۔ بازارِ قرض میں سٹہ بازی معیشت میں عدم استقرار کا سبب بنتی ہے جس کا برا اثر معیشت کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔

اشیاء و خدمات کے بازار اور بازارِ مالیات کے مابین بے ربطی

قرض اور قرض پر مبنی تمسکات کی نفع آور تجارت کا دروازہ کھلتے ہی انسانی معیشت کا نقشہ اس سے مختلف ہو جاتا ہے جس میں تجارت حقیقی اموال اور ان کی ملکیت کے وثیقوں تک محدود رہتی ہے۔ وعدوں کی اس تجارت کا حجم آسانی سے بڑھتا جاتا ہے، کیونکہ اشیاء اور خدمات کے حجم میں اضافہ تو ان وسائل پیداوار کی حد تک محدود ہے جو کسی وقت انسان کو میسر ہوں لیکن نئے وعدہ ناموں کی سپلائی کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ کچھ لوگ ان وعدوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ مزید برآں، دوسرے تاجروں کی طرح قرض کے تاجر بھی ادھار کاروبار کرنے لگتے ہیں۔ قرضوں کی تجارت کے لیے مزید قرضے لیے جاتے ہیں۔ قرض کے تاجروں کا بھلا اس میں ہے کہ بازارِ قرض پھیلتا اور پھولتا چلا جائے کیونکہ ان کی دلچسپی وعدوں کے وفا ہونے یا قرضوں کے ادا کئے جانے میں نہیں بلکہ اس منافع میں ہے جو قرض پر مبنی تمسکات کی ہیرا پھیری سے بنائے جا سکتے ہیں۔ قرض پر مبنی نظام مالیات میں ذہین لوگوں کی ایک معتد بہ تعداد اسی ہیرا پھیری میں مصروف رہتی ہے جو جوئے کی طرح کی سٹہ بازی میں مبتلا ہو کر ایک بے مصرف کھیل (zero sum game) بن کر رہ جاتا ہے۔ کاروباری صلاحیتوں کے ساتھ قرض کے کاروبار میں دوسرے وسائل بھی لگتے ہیں۔ یہی نہیں کہ اس سے انسانی سماج کی قابلِ قدر پیداآور طاقتوں کا ضیاع عمل میں آتا ہے بلکہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں مزید ناہمواری بھی پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

جدید پیداواری عمل وقت لیتا ہے اور اس کی تنظیم کے لیے بہت سے اصحابِ سرمایہ سے سرمایہ لے کر یکجا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے اس عمل کی تمویل کے دوران ایسے وثائق کا وجود میں آنا کوئی انہونی بات نہیں جو وعدے وعید اور عہد ناموں پر مشتمل ہوں۔ عام حالات میں ہر وثیقہ کا تعلق کس حقیقی مال، اشیاء اور خدمات سے ہو گا۔ شرکت، مضاربت اور مزارعت سے متعلق وثائق کے بالمقابل وہ خام مال، سامانِ تجارت، یا انسانی محنت، بیج، آب پاشی وغیرہ ہوں گی جن کے حصول پر کاروبار کا دار و مدار ہو۔ اجارہ، مرابحہ، سلم، استصناع وغیرہ کے بالمقابل بھی وہ عمارتیں، مشینیں، غلہ جات، مصنوعات، وغیرہ ہوں گی جن کو اس معاہدہ نامہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو۔ مگر یہ بات قرض لی گئی نقد رقم پر لازماً صادق نہیں آتی۔ قرض کی سند، یا قرض پر مبنی تمسکات، کی پشت پر ایک نقد رقم دینے کا وعدہ ہے اور بس۔ قرض لی ہوئی رقم سے اگر کوئی حقیقی اموال حاصل بھی کیے گئے تو ان کا اس وثیقۂ قرض سے کوئی رشتہ نہیں۔ قرض دینے والے نے اگر مقروض سے کوئی چیز رہن رکھوائی ہے تو اس کا معاملہ دوسرا ہے، مگر خود سندِ قرض اس کو قرض لی ہوئی رقم سے خرید کردہ اجناس و آلات پر کوئی مالکانہ حقوق نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے آگے چل کر جب یہ وثیقۂ قرض تیسرے، چوتھے ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو اس کا تعلق صرف اس پر کیے وعدہ سے باقی رہتا ہے، رقم کس مصرف میں کام آئی اس کا تاریخی ذکر بھی محو ہو جاتا ہے۔ اصلاً رقم کس نے لی تھی اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ بازارِ زر بے نامی قرض خواہوں اور بے نامی قرض داروں پر مشتمل ہو جاتا ہے۔ جدید بازار زر کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا یہ بے نامی اور لا متناہی کردار ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ تمویل بالقرض پر مبنی نظامِ معیشت میں مالیاتی ڈھانچہ معیشت کے حقیقی ڈھانچہ سے آزاد

Marfat.com

ایک مستقل بالذات وجود کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس نظام میں مالیاتی ڈھانچہ کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ تعلق ویسا راست اور قوی نہیں جیسا تمویل بالقرض کے بغیر رہتا ہے۔ جیسا کہ ماہرین کا کہنا ہے حقیقی اثاثوں کی ایک نچلی سطح کی بنیاد پر تمسکاتِ قرض کا ایک اونچا پہاڑ کھڑا ہو جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ حقیقی معیشت میں واقع ہونے والی تبدیلیاں، پیداوار، روزگار اور رسد و طلب کے وہ تغیرات جو آبادی، ذوق، انرجی کے ذرائع اور ٹکنالوجی وغیرہ پر مبنی ہوتے ہیں، مالیاتی ڈھانچہ میں تبدیلیوں کا سبب بنیں، مالیاتی ڈھانچہ میں ہونے والی تبدیلیاں حقیقی معیشت میں تغیرات برپا کرتی رہتی ہیں۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ بازار قرض سے مغلوب مالیاتی ڈھانچہ میں آنے والی تبدیلیوں میں جوئے بازی کی طرح کے (speculation) کا بڑا دخل رہتا ہے۔ مالیاتی بالائی سطح (superstructure) میں آنے والی تبدیلیوں کا منبع حقیقی معیشت میں ہونے والے، یا آئندہ متوقع، تغیرات کی بجائے وہ اندازے ہوتے ہیں جو یہ کھلاڑی ایک دوسروں کے اندازوں کے بارہ میں لگاتے ہیں۔ معیشت میں بیش از بیش نفع کے طالب مالیاتی کھلاڑیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا جاتا ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام کی ایک امتیازی خوبی، معیشت کے مالیاتی ڈھانچہ کو معیشت کے حقیقی دائرہ سے مربوط اور اس کے تابع رکھنا، تورّق کے رواج اور اس کے نتیجہ میں قرض پر مبنی تمسکات کے پھیلاؤ سے مجروح ہو رہی ہے۔ باوجود اس اختلاف کے جو بیع الدین، یعنی قرض کے وثیقوں کی خرید و فروخت کے بارہ میں فقہ اسلامی کے مختلف مذاہب کے درمیان پایا جاتا ہے، قرض پر مبنی تمسکات کا بازار گرم ہو چکا ہے۔ جہاں ملیشیا کی طرح بیع الدین کے جواز کا فتویٰ نہیں ملا وہاں اس فتویٰ کا سہارا مل گیا کہ اگر کسی مجموعۂ تمسکات میں اکثریت سنداتِ

Marfat.com

ملکیت کی ہو (جن کی خرید فروخت بلااختلاف جائز ہے) اور اقلیت سندات قرض کی ہو (جن کی خرید فروخت کو اکثر فقہاء ناجائز قرار دیتے ہیں) تو اس مجموعہ کی خرید فروخت جائز ہے[۴۴]۔ اس موقف کے نتیجہ میں یہ چلن عام ہو گیا ہے کہ اجارہ اور سلم وغیرہ پر مبنی صکوک کے ساتھ، ان کے مقابلہ میں چھوٹا، ایک حصہ مرابحہ کی قابلِ وصول رقوم کے وثیقوں کا بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ نجی دائرہ کے اسلامی مالیاتی اداروں کے علاوہ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک نے بھی ایسے صکوک جاری کئے ہیں جن میں اس طرح کے واجب الادا قرضے شامل ہیں[۴۵]۔ اس طرح کے اسلامک بانڈز معاصر بازارِ بانڈز کی طرح ایک طرف تو اپنے حامل کو وقت مقررہ پر ایک متعین منافع دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور دوسری طرف طلب اور رسد کے باہمی تعامل کے نتیجہ میں ان کے دام بدلتے رہتے ہیں۔

قرض لینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ ذاتی ضروریات کی تکمیل کا معاملہ دوسرا ہے، مگر پیداآور کاروبار کے لیے قرض اسی صورت میں لیا جانا چاہیے جب قرض لینے والے کا ظنِ غالب ہو کہ اس رقم کو کاروبار میں لگانے سے اسے جو فائدہ ہو گا وہ اتنا زیادہ ہو گا کہ قرض لی ہوئی رقم واپس کر سکے پھر بھی کچھ بچ رہے۔ مستقبل میں نتائج سامنے لانے والے کاروبار سے وابستہ ان توقعاتِ نفع کو یقینی تو نہیں بنایا جا سکتا مگر اس کی امید کی جانی چاہیے کہ قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں احتیاط برتیں گے تاکہ توقعات نہ پوری ہونے کی صورت میں کسی کو ناقابلِ برداشت صدمہ نہ اٹھانا پڑے۔ قرض کے طلب گار سے رہن کا مطالبہ، ادائیگی میں ٹال مٹول پر جرمانہ، اور استطاعت کے باوجود ادائیگی نہ کرنے والوں کا سماجی بائیکاٹ وغیرہ وہ تدابیر ہیں جو ماضی میں اصلاحِ حال کے لیے اختیار کی جاتی رہی ہیں۔ قرض لینے والی حکومتوں اور بیرونِ ملک اداروں کے

Marfat.com

ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ رہا۔ مگر گزشتہ چند دہائیوں سے صورتِ حال بدل رہی ہے۔ صارفین، کاروباری اداروں، ملکی حکومتوں اور بیرون ملک قوموں اور اداروں سب کو باور کرا دیا گیا ہے کہ حال میں قرض لے کر اپنی پیداآور قوتوں میں اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ وقت آنے پر لیا ہوا قرض ادا کرنے کے باوجود اپنا معیارِ زندگی اونچا کیا جا سکے، کاروبار کو مزید بڑھاوا ملے، ملک کے ترقیاتی منصوبے چلائے جائیں یا تیسری دنیا کے پس ماندہ ملکوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکے۔ گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی میں پٹرول کے دام بڑھے تو بازارِ مال میں سیولت (liquidity) بڑھی اور اس فاضل سیولت کو کام پر لگانے کے لیے اس کے دورانِ جدید (recycling) کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بڑے ملٹی نیشنل بنکوں کی خدمات کے طفیل اور نئے بین الاقوامی مالیاتی اور ترقیاتی اداروں، مثلاً ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے توسط سے عالم ثالث کے ترقی پذیر ملکوں پر قرضوں کی بارش ہوئی۔ ملکی حکومتوں نے ٹیکسوں کے ذریعہ ہونے والی آمدنی سے بڑھ چڑھ کر اخراجات کا وطیرہ اپنایا جس سے ملکی حکومتیں قرضوں کے بار تلے دبنے لگیں۔ صارفین کو کریڈٹ کارڈ کی سہولت ملی اور تاجروں کی ترغیبات نے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی بجائے ایسی چادروں کا خواب دکھایا جو پھیلتے پاؤں کے ساتھ خود بھی پھیلتی جائیں۔ مآلِ کار بازارِ قرض صارفین کے قرض، خاص طور پر رہائشی مکانات کی ادھار خرید سے جنم لینے والے قرضوں، ملکی حکومت، مرکزی، صوبائی اور مقامی کے جاری کردہ بانڈز، ملک کے اندر کے دوسرے کاروباری اور مالیاتی اداروں کے جاری کردہ بانڈز، غیر ملکی حکومتی اور نجی دائرہ کے تمسکاتِ قرض...... وغیرہ سے لبریز ہے۔

اسلام میں سود کی حرمت نے معیشت میں قرض کے حصہ (role) کو بہت

Marfat.com

محدود کر دیا ہے۔ چونکہ حال میں ایک نقد رقم دے کر مستقبل میں اس سے زیادہ نقد رقم کا مطالبہ حرام ہے، قطع نظر اس کے کہ قرض کس مصرف کے لیے ہے اور اس کے لینے دینے والے کون ہیں، لہٰذا اسلامی معیشت میں ایک نفع آور کاروبار کے طور پر قرض کے لین دین کے رواج اور بازارِ قرض کے وجود، اس کے حجم میں مسلسل اضافہ اور اس کے اشیاء اور خدمات کے بازار پر بڑھتے ہوئے تسلط کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر تورّق کے رواج نے یہ بند توڑ دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے بھی دوسرے سودی مالیاتی اداروں کی طرح اپنی فاضل سیولت کے نفع آور استعمال کے لیے بازارِ قرض کا سہارا لے رہے ہیں تاکہ وہ نفع آوری کی مسابقت میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

قرض پر مبنی معیشت میں نظامِ زر

قرض پر مبنی معیشت میں نئے زر کی تخلیق اور حسبِ ضرورت زر کی مجموعی مقدار میں کمی بیشی کرنے کا کام قرضوں میں اضافہ یا کمی کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ ملک کے مرکزی بینک کا جاری کردہ طاقت ور زر (high powered money) ہو یا تجارتی بینکوں کے ذریعہ تخلیق پانے والے (derived deposits) یا زرِ بنک، دونوں کی اساس قرض ہے۔ مثال کے طور پر جب حکومت کے وعدۂ ادائیگی کے عوض کسی ملک کا مرکزی بنک نیا زر تخلیق کرتا ہے تو طاقت ور زر کی سپلائی بڑھتی ہے اور جب کوئی تجاری بینک کسی طالبِ قرض کو نیا قرض دیتا ہے تو اس قدر نیا زرِ بنک وجود میں آتا ہے[۴۶]۔ جیسے جیسے معیشت میں بڑھتی آبادی اور بڑھتی پیداوار کے لین دین کے لیے نئے زر کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ معیشت میں قرض کے حجم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا، معیشت میں قرض کی بڑھتی مقدار کے ساتھ جوئے بازی

Marfat.com

سے ملتے جلتے (speculation) اور اس کے نتیجہ میں عدم استقرار اور تقسیم دولت اور آمدنی میں ناہمواری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ سب اسلام کے منشاء و مقصد کے خلاف باتیں ہیں۔ چنانچہ اسلامی ماہرینِ معاشیات قرض پر مبنی نظامِ زر کی جگہ کوئی ایسا متبادل لانے کی ضرورت پر متفق ہیں جو مذکورہ بالا خرابیوں سے پاک ہو۔ اسلامی نظامِ زر میں رسدِ زر میں پھیلاؤ کو حقیقی معیشت یعنی بازار اشیاء و خدمات کی ضروریات سے مربوط رہنا چاہیے جس کا افضل طریقہ یہ ہو گا کہ تخلیق زر کو قرض کی بجائے سرمایہ کاری پر مبنی رکھا جائے[۴۷]۔ جیسا کہ ہم نے ایک دوسری جگہ تفصیل سے بتایا ہے، مضاربت پر مبنی سرمایہ کاری کے نتیجہ میں بھی نیا زر وجود میں آتا ہے[۴۸]۔ یہی حال قرض کے علاوہ دوسرے اسالیبِ تمویل کا ہے۔ مگر معاصر اسلامی فنانس میں تورّق کے رواج نے اسلامی نظامِ زر کی طرف پیش قدمی کو زبردست صدمہ پہنچایا ہے۔ ظاہر ہے کہ نظامِ زر کی تشکیل نو نجی دائرۂ معیشت میں نہیں عمل میں آ سکتی بلکہ اس کا تجربہ ملکی سطح پر کرنا ہو گا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس تجربہ کا آغاز صرف سوڈان میں کیا گیا ہے[۴۹]۔

تورّق کی بحث کے آغاز میں ہم نے نوٹ کیا تھا کہ نقد کے عوض جس قرض پر معاملہ ہوتا ہے اس کی مقدار اس نقد سے زیادہ ہوتی ہے۔ قطعِ نظر اس کے کہ معاملہ کس طرح تکمیل پاتا ہے، معیشت کی کلّی سطح پر اس لازمی اضافہ کا اثر یہ پڑتا ہے کہ معیشت میں پھیلاؤ، یعنی نمو (growth) ایک لازمی چیز بن جاتی ہے۔ اگر قرض کے مجموعی سرمایہ کے استعمال سے پیدا ہونے والی نئی دولت اس مقدار دولت سے زیادہ نہ ہو جو قرض لی گئی تھی تو یہ نظام، یعنی پیداواری عمل کی تمویل بالقرض، زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا، کیونکہ اس نظام میں سرمایہ کو کارآمد بنا کر اس کے ذریعہ سماج کی دولت میں اضافہ کرنے والے کاروباری افراد کا نفع

Marfat.com

سرمایہ کے نفع کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس نظام کے بقاء اور تسلسل کی شرط ہے کہ انسانی معیشت میں مسلسل پھیلاؤ جاری رہے اور وہ مسلسل نمو پاتی رہے۔ اس سوال کا جواب یہاں نہیں دیا جا سکتا کہ کیا الی الابد ایسا ہوتے رہنا ممکن ہے۔ البتہ اس امر واقعہ کی نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ لزوم نمو کے تقاضے پورے کرنے کے لیے معاصر نظامِ پیدائشِ دولت ماحول کی قوّتِ نمو اور اس کے تلوث برداشت کرنے کی حدود کا کوئی لحاظ نہیں رکھ پا رہا ہے۔ مسابقت کا دباؤ اور لزومِ نمو مل کر کاروباریوں اور ان کے تحت کام کرنے والوں کو اعصابی تناؤ میں مبتلا کیے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تمویل بالقرض کے پیدا کردہ اصل پر اضافہ کی طلب کا اثر تعلیم اور علاج معالجہ جیسے دائرہ ہائے معیشت کی تجارتی انداز پر تنظیم (commercialization) لازمی کر دیتا ہے بلکہ اس کے منفی اثرات سے خاندانی رشتے بھی نہیں بچ رہ سکتے۔

یاد رہے کہ تمویل بالقرض اضافہ کے ساتھ ادائیگی کے علاوہ وقت موعود پر ادائیگی کو بھی مستلزم ہے اور اس میں مدت کی ہر توسیع نئے اضافے ساتھ لاتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کاروباریوں کو بھی نفع چاہیے جو سرمایہ اور اس پر اضافہ کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے، چنانچہ ان کا اصل ہدف اس اضافۂ مزید کو بیش از بیش بنانا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ چند دہائیوں میں ہوا ہے، ایک بار بازارِ قرض گرم ہوا تو رفتہ رفتہ انسانی زندگی کے نئے نئے دائرے، تعلیم و تربیت، علاج معالجہ، خاندانی حقوق و فرائض کی ادائیگی، سبھی تمویل بالقرض کے زیر سایہ آتے جاتے ہیں۔ ہر قدم پر نقد دینے والا چاہتا ہے کہ اس کے عوض بالآخر، اسے اس سے زیادہ نقد ملے اور وقت مقررہ پر ملے۔ چونکہ انسانی رشتے اور تعلیم اور علاج جیسے کام ان دائروں سے متعلق ہماری معلومات کے نقص اور فریقین کے درمیان معلومات میں

Marfat.com

زبردست فرق کی وجہ سے تجارتی تنظیم کے لیے سازگار نہیں اس لیے ان دائروں میں تمویل بالقرض کے نتائج اچھے نہیں ہو سکتے۔

مذکورہ بالا دباؤ اور تناؤ اور بیش از بیش نمو کی طرف لامتناہی دوڑ سے صرف وہ نظام مالیات بچا سکتا ہے جس میں سرمایہ سپلائی کرنے والوں اور اس کو کارآمد بنا کر اس کے ذریعہ دولت میں اضافہ کرنے والوں کا نفع ساتھ ساتھ شروع ہو، جیسا کہ مشارکت اور مضاربت یا ان پر مبنی طریقوں میں ہوتا ہے۔ اس نظام میں ضرورت کے تحت کچھ ایسے طریقوں کو جگہ دی جا سکتی ہے جن کے نتیجہ میں سنداتِ قرض وجود میں آتی ہیں، مثلاً اجارہ، مرابحہ وغیرہ۔ جب غلبہ نفع میں شرکت والے طریقوں کا ہو اور آج تھوڑا نقد دے کر کل زیادہ نقد لینے کا دروازہ بند رہے، تب ہی بازارِ قرض کی گرما گرمی اور اس فضا سے بچا جا سکتا ہے جس تک معاصر معیشت میں تمویل بالقرض کے غلبہ نے انسانیت کو پہنچایا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تورّق کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے۔

موجودہ صورتِ حال

معاصر اسلامی مالیات میں تورّق پر عمل درآمد کو بمشکل دس برس ہوئے ہیں، مگر اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ جن شریعہ محققین نے اس کو بڑھاوا دیا ہے انہوں نے خرید و فروخت کے متعلقہ معاہدوں پر نظر ڈالی مگر معیشتِ کلّی پر اس کے اثرات کو نہیں سامنے رکھ سکے، جب کے اس جیسے معاملہ کو مصالح اور مفاسد کی میزان پر پرکھنا لازمی تھا۔ جیسا کہ ہم نے ایک اور مقالہ میں واضح کیا ہے(۵۰)، معاصر شریعہ محققین نے جن مدرسوں میں تعلیم پائی ہے ان میں اس طرح کے موازنہ کرنے کے لیے ضروری علوم و فنون نہیں سکھائے جاتے۔ غالباً اختصاص کے اس دور میں سکھائے بھی نہیں جا سکتے۔ یہ موضوع علیحدہ سے غور و

Marfat.com

فکر کا طالب ہے کہ اس کمی کو کیسے پورا کیا جائے لیکن کمی کا اعتراف ضروری ہے۔

تورّق کے جواز کا فتویٰ دینے والے معاصر شریعہ محققین کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ماضی میں فقہاء کی ایک بڑی تعداد نے تورّق کو جائز قرا دیا ہے، اب اسے ناجائز کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ماضی کا ذکر ہے اس میں آج کی طرح کا بازارِ قرض نہیں وجود میں آیا تھا۔ اسنادِ قرض یا قرض پر مبنی تمسکات کا کوئی خاص وجود نہیں تھا۔ نہ ان کی تجارت کا چلن تھا۔ تاجروں کے ظن و تخمین کا محور حقیقی اشیاء اور خدمات تھیں نہ کہ تمسکات اور اسناد۔ بازارِ اشیاء اور خدمات میں عدمِ استقرار کا منبع خشک سالی، قحط وغیرہ ہوتے تھے نہ کہ بازار تمسکات میں سٹہ بازی۔ بازار مواصلات کی سہولت اور نقل و حمل کی لاگت میں کمی نے آج قرضوں کا ایک باہم مربوط عالمی بازار بنا دیا ہے جو اس زمانہ میں نہیں تھا۔ دوسری طرف اقتصادیاتِ کلّی (macroeconomics) کی وہ بصیرتیں جو ماضیِ قریب میں بالخصوص کینز (Keynes) کے کام کے ذریعہ سامنے آئی ہیں اس وقت میسر نہیں تھیں، جن کے طفیل یہ تنبہ ہوا کہ بعض اعمال انفرادی سطح پر ایک اثر رکھتے ہیں لیکن سارے افراد کے اسی جیسے عمل کا مجموعی اثر دوسرا ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانی آبادی کے بڑے مجموعوں کے بارے میں اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کا تجزیہ کر کے معیشتِ کلّی کے احوال کا مطالعہ کرنے کا نہ تو اس وقت تک چلن ہوا تھا نہ ایسا کرنے کے آلات (tools) اس وقت تک دریافت ہو سکے تھے۔ چنانچہ تورّق کے جواز سے چند افرد کو ہو سکنے والے فوائد تو سب کو نظر آ سکتے تھے مگر تورّق کے عام رواج سے پوری معیشت پر مرتب ہونے والے مضر اثرات کو نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

نقد کی سپلائی کیسے ہو؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض اوقات افراد اور اداروں کو نقد کی ایسی ضرورت پڑ سکتی ہے جو معروف طریقوں سے نہ پوری ہو سکے، جن کے لیے قرضِ حسن کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو۔ قدیم اسلامی تاریخ میں اس ضرورت کی تکمیل دو طریقوں سے ہوتی تھی: افراد کا دیا ہوا قرضِ حسن اور بیت المال۔ دور جدید میں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اوّل الذکر طریقہ کے احیاء کے پہلو بہ پہلو یہ تجویز کیا گیا تھا کہ تجارتی بینک اپنے چالو کھاتوں (current accounts) میں جمع رقوم کی ایک معمولی سی نسبت چھوٹی مدّتوں کے لیے قرض حسن دینے کے لیے مخصوص کریں[۵۱]۔ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ صارفین کی حد تک، اوقاف اور جمع و تقسیمِ زکوٰۃ و صدقات کے اداروں کو اس ضرورت کی تکمیل کے لیے کس طرح کام میں لایا جائے[۵۲]۔ ایران میں اسلامی بینک قرضِ حسن بچت کھاتے کھولتے ہیں، 'ان کھاتوں میں رقمیں جمع کرنے کی ترغیب کے طور پر کھاتہ داروں کو غیرمعیّنہ انعامات اور بونس دیے جاتے ہیں، جو نقد بھی ہو سکتے ہیں اور کسی سامان کی شکل میں بھی۔ مزید محرک کے طور پر ان کھاتوں میں رقمیں جمع کرنے والوں کو بعض کمیشنوں اور فیسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کردیا جاتا ہے، نیز بینک کی طرف سے ادا کی جانے والی خدمات میں ان کو پہلے نمبر پر رکھا جاتا ہے'[۵۳]۔ ان کھاتوں میں جمع رقوم کے بل پر ایران کے اسلامی بینکوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو قرضِ حسن دے سکیں۔ 'قرضِ حسن کے اصول کے تحت قرضے زیادہ تر چھوٹے پیدا کنندگان، کسانوں اور چھوٹے پیمانہ پر بزنس کرنے والوں کو دیے جاتے ہیں۔ یہ قرضے ایسے افراد کو بھی ملتے ہیں جو اپنی کسی

Marfat.com

غلطی کے بغیر ایسی صورتِ حال میں مبتلا ہوں کہ اپنی کسی نجی ضرورت، مثلاً بیماری، سے نبٹنے کے لیے فنانس نہ پا سکیں،(۵۴)۔

حرفِ آخر

اسلامی فنانس کا سفر ابھی شروع ہوا ہے۔ اگر اس نو خیز پودے کی آبیاری اور داشت میں بعض عناصر کی کمی نظر آتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ ان کمیوں کی طرف توجہ کریں گے اور اسلام اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ناتے ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ کام بازار کی اندھی قوتوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس باب میں ایسے لوگوں کی مدد کے لیے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع نہ کر کے متوارث فقہی طریقوں ہی پر انحصار کر لینے سے جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کو سامنے لایا جائے۔ و التوفیق باللہ!

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب ششم

۱۔ یہ بات اب بھی صحیح ہے، اگرچہ انٹرنٹ کے ذریعہ یہ ممکن ہو گیا ہے کہ کسی لاگت کے بغیر بہت کم وقت لگا کر کوئی بھی کسی سے بھی ربط قائم کر سکے۔ اس امکان سے فائدہ اٹھا کر براہ راست فنانس کا ایک نیا دروازہ کھل گیا ہے۔ لیکن ابھی اس کا رواج محدود ہے۔ البتہ مستقبل ماضی سے بہت مختلف ہو گا۔ حالات کا رخ جاننے کے لیے ملاحظہ ہو: BusinessWeek, July 31,2006, p64

۲۔ ملاحظہ ہو:

S. D. Goitein, *A Mediteranian Society*, Berkley, California, (1967), vol 1

۳۔ ملاحظہ ہو:

Abraham L. Udovitch:" Reflections on the Institutions of Cedit and Banking in the Meieval Islamic Near East", in Studia Islamica, (1975), vol 41, pp.1-21, see page 9. Also see the same author's paper entitled: "Bankers without Banks: Commerce,Banking and Society in the Islamic Middle East", in the book: *The Dawn of Modern Banking,* editted by the same author, New Haven, Yale University Press, (1979), pp255-273, see page 257

۴۔ ابن ماجہ: سنن، حدیث نمبر۲۱۹۲ اور ۲۱۹۳، کتاب التجارات، باب الشرکہ والمضاربہ، نمبر ۲۲۔ نیز ملاحظہ ہو، ابوداؤد: سنن، کتاب البیوع

۵۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی: شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول، دہلی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ۱۹۶۸ صفحہ ۸۳-۸۴۔ یہ کتاب لاہور سے اسلامک پبلیکیشنز نے ۱۹۶۹ میں شائع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں صفحات مختلف ہو سکتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو،

Marfat.com

سرخسی: المبسوط، مطبوعہ ۱۳۳۱ھ، مصر، مطبعۃ السعادۃ، جلد ۲۲، صفحات ۹۸ تا ۱۰۴؛ کا سانی، بدائع الصنائع، ۱۹۱۰ء، مطبعہ جمالیہ، مصر۔ جلد ۶، صفحہ ۹۷ ؛ اور ابنِ قدامہ، المغنی، مطبوعہ ۱۳۴۵ھ، مصر، مکتبۃ المنار۔ جلد ۵، صفحہ ۱۶۱۔

۶۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۷ میں مذکورہ مقالہ اور نوٹ نمبر ۱۸ میں مذکورہ کتاب

۷۔ ابو داؤد: سنن، حدیث نمبر ۳۳۸۲، کتاب البیوع، باب ۲۵

۸۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۱، باب بدء الوحی

۹۔ اس کی مثالیں حسبہ کے موضوع پر کتابوں میں ملیں گی۔

۱۰۔ تفصیلات کے لیے کتب حدیث اور کویت، وزارتِ اوقاف سے شائع ہونے والی الموسوعة الفقهية کی طرف رجوع مناسب رہے گا۔

۱۱۔ ترمذی: سنن، بیوع، ۱۹، باب ماجاء فی کراھیۃِ بیع ما لیس عندک، حدیث نمبر ۱۲۳۴

۱۲۔ متن میں مذکورہ معاملات کے بارے میں وزارۃ الاوقاف و الشئون الاسلامیہ، کویت سے شائع ہونے والی، الموسوعة الفقهية کا مطالعہ مفید رہے گا، فقہ اسلامی کی اس انسائکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ اسلامک فقہ اکاڈمی، انڈیا سے شائع ہو رہا ہے۔

۱۳۔ محولہ بالا، جلد ۲۷، صفحات ۲۳- ۲۶(سفتجہ)۔ نیز ملاحظہ ہو: ظفرالاسلام اصلاحی: ''سفتجہ (بل آف ایکسچنج) کی فقہی حیثیت''، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، جلد ۳، شمارہ ۲، اپریل-جون ۱۹۸۴ء، صفحات ۱۴-۳۳

مغلوں کے دور میں ہندوستان میں سفتجہ کے استعمال پر ملاحظہ ہو:

Irfan M. Habib, "Banking in Mughal India", pp. 1-20 in *Contributions to Indian Economic History I*, edited by Tapan Ray chaudhury, Calcutta,1960, also by the same author, "The System of bills of Exchange (Hundis) in the Mughal Empire", pp.290-303, *Proceedings of the Indian History Congress*, 33rd Session, 1972.

Marfat.com

۱۴۔ الموسوعة الفقهية، محولہ بالا، جلد۹، صفحات ۹۳۔۹۵ (بیع العربون)۔ شرعی بحث کے لیے ملاحظہ ہو:

http://saaid.net/bahoth/68.doc

امام مالک نے موطأ میں عربون کی ممانعت کے بارہ میں جو حدیث نقل کی ہے وہی ابن ماجہ نے سنن میں روایت کی ہے جسے محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی روایت ابوداؤد کی سنن میں بھی ہے۔ مگر موطأ میں ذکر اور تیسری صدی ہجری میں مرتب کردہ مجموعات حدیث میں اس ذکر کی تکرار اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسری، تیسری صدی ہجری میں یہ طریقہ رواج پا چکا تھا۔

۱۵۔ مفید تاریخی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو:

Abdelkader Chachi, "Origin and Development of Commercial and Islamic Banking Opertaions", Journal of King Abdulaziz University: Islamic Economics, vol 18, no.2, 2005/1426, English, pp.165

یہ مقالہ درج ذیل سائٹ پر بھی مل سکتا ہے:

http://islamiccenter.kaau.edu.sa/english/index.htm

۱۶۔ آدم میتز: الحضارة الاسلامیّه فی القرن الرابع الهجری، عربی ترجمہ، بیروت، دار الکتب العربی، ۱۹۶۷، بحوالہ: بیہقی، کتاب المحاسن والمساوی

۱۷۔ ملاحظہ ہو:

Mahmoud A. El-Gamal, "An Economic Explication of the Prohibition of Riba in Classical Islamic Jurisprudence", *Proceedings of the Third Harvard University Forum on Islamic Finance*, Harvard University, Cambridge, Massachusetts, (1999), pp29-40

Marfat.com

۱۸۔ ملاحظہ ہو؛

Mohammad Nejatullah Siddiqi, *Riba, Bank Interest and the Rationale of its Prohibition*, Jeddah: Islamic Research and Training Institute, Islamic Development Bank, (2004), pp. 30-34

۱۹۔ اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کی مستند کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ابن رشد، بدایة المجتهد، جلد ۲، کتاب البیوع اور متعلقہ مباحث، (۱۹۸۵ء میں دار المعرفہ، بیروت سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں صفحات ۱۲۴ تا ۳۳۳)

۲۰۔ ملاحظہ ہو چوتھا باب

21. S.D.Goiten, *Studies in Islamic History and Institutions*, Leiden, E.J.Brill, (1968), pp328-32....

۲۲۔ ایضاً، صفحہ ۳۰۷

۲۳۔ ایضاً، صفحات ۲۳۸ اور ۳۱۹

۲۴۔ بیع الوفا، کے بارہ میں ملاحظہ ہو، موسوعة الفقه الاسلامی، کویت.....، جلد ۹ اور سلیم رستم باز اللبنانی: شرح المجلّة، بیروت دار احیاء التراث العربی۔ ۱۹۸۶۔ صفحات ۶۷۔۶۸ اور صفحہ ۲۲۳

۲۵۔ ملاحظہ ہو:

Murat Cizakca, *A History of Philonthropic Foundatios: The Islamic World from the Seventh Century to the Present*, Istanbul: Bogazici University Press,(2000)

26. Vardict Rispler-Chaim, "Insurance and Semi Insurance Transactions in Islamic History Until 19th Century", Journal of the Economic and Social History of the Orient, (1991), Vol. 34, pp.142-155

Marfat.com

۲۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۵۵

۲۸۔ ابنِ عابدین شامی: ردّالمحتار، جلد ۳، صفحہ ۲۴۹۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ، بلا تاریخ۔
یہ سب سے پہلے ایڈیشن، نسخہ امیریہ کا عکس ہے۔

۲۹۔ اقبال کے بعض اشعار درجِ ذیل ہیں۔ جس شعری مجموعہ سے کوئی شعر لیا گیا ہے اس کے سامنے وہ سال درج ہے جس میں وہ مجموعہ پہلی بار شائع ہوا۔

رازدانِ جزوکل از خویش نا محرم شد است
آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است

[پیامِ مشرق ۱۹۲۳]

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کارزاری ہے
تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے

[بانگ درا ۱۹۲۴]

اشتراکیت اور ملوکیت کے عنوان کے تحت کہتے ہیں:

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل   یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
دینِ آں پیغمبرِ حق نا شناس   بر مساواتِ شکم دارد اساس

حکومتِ الٰہی کے عنوان کے تحت:

Marfat.com

اے بتقلیدش اسیر آزاد شد   دامنِ قرآں بگیر آزاد شد

پیغامِ افغانی با ملّتِ روسیہ کے تحت:

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ   دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو   لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا

اسی مجموعہ میں، آگے چل کر:

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن
کس نداند لذّتِ قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ، دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ
زندگانی چیست کانِ گوہر است
تو امینی صاحبِ او دیگر است
طبعِ روشن مردِ حق را آبروست
خدمتِ خلقِ خدا مقصودِ اوست
خدمت از رسم و رہِ پیغمبریست
مزدِ خدمت خواستن سوداگریست

[جاوید نامہ ۱۹۲۳]

رعنائیِ تعمیر میں رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کے عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

Marfat.com

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبّر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات
جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

[بالِ جبریل ۱۹۳۵]

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شائد وہ حقیقت ہو نمودار

[ضربِ کلیم ۱۹۳۶]

جانتا ہوں میں یہ امّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

[ارمغانِ حجاز ۱۹۳۸]

۳۰۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، میری کتاب:
Muslim Economic Thinlking, Leicester, The Islamic Foundation, (1981/1988)

Marfat.com

۳۱۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، میری کتاب:

Riba, Bank Interest and Rationale of its Prohibition, Jeddah, Islamic Development Bank, (2004), chs. 3, 4, 5 & 6

۳۲۔ ملاحظہ ہو:

Munawar Iqbal and Philip Molyneux, *Thirty Years of Islamic Banking. History, Performance and Prospects*, Palgrave, 2004

۳۳۔ ملاحظہ ہو اس مصنف کا مضمون:

"Shariah, Economics and the Progress of Islamic Finance: The Role of Shariah Experts", Paper presented at a Workshop at Havard Law School, Islamic Finance project, (on 21 April, 2006)

جو مصنّف کی ویب سائٹ پر بھی مل سکتا ہے:www.siddiqi.com/mns

34. Mohammad Uzair, *An Outline of Interestless Banking*, Karachi, Dacca, Raihan Publications, (1955)

۳۵۔ مختلف شریعہ بورڈو ں کے فتاویٰ ان کی ویب سائٹوں پر موجود ہیں۔ کویت فنانس ہاؤس (www.kfh.cm) بنک فیصل سوڈانی (www.fibsudan.com)۔ دبئی اسلامک بینک کی سائٹ (www.alislam.co.ae) پر فتاویٰ نہیں ہیں۔ مگر بہت سے فتاویٰ حرف نامی کمپنی کی سائٹ (www.harf.com) پر مل جاتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: (www.al-islam.com) پر فتاویٰ نہیں ہیں۔ مگر فتاویٰ کے دوسرے مجموعوں میں شامل ہو سکتے ہیں ملاحظہ ہو www.harf.com اور www.al-islam.com ان کے علاوہ فتاویٰ کے مختلف مجموعے کتابی شکال میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۳۶۔ ضروری معلومات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو:

Marfat.com

Mohammad Nejatullah Siddiqi, *Islamic Banking and Finance in Theory and Practice: A Survey of State of the Art in Islamic Economic Studies,* Jeddah, (2006), vol 13 No. 2, pp.1-48, especially pp.8-11

۳۷۔ ملاحظہ ہو، کویت کی وزارتِ اوقاف سے شائع ہونے والی موسوعة الفقه الاسلامی کی جلد ۴۱ میں تورّق کی بحث؛ ڈاکٹر محمد علی القری کی ویب سائٹ www.Elgari.com پر بحوث کے خانہ میں مقالہ نمبر ۳۰ 'التورّق، معناه و حكمه و طريقة تنفيذه عملياً لدى البنوک، نیز انگریزی میں، لندن اسکول آف اکنامکس میں یکم فروری ۲۰۰۷ء کو منعقدہ ورکشاپ میں پیش کردہ مقالہ جسے ان سے یا ہارورڈ اسلامک فورم سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ احمد محمد خلیل الاسلامبولی: المرابحة والعينة والتّورّق بين اصول البنوکِ و خصومها، صفحہ ۵۹۔۶۸۔ مجلّة جامعة الملک عبدالعزیز: الاقتصاد الاسلامی، جلد ۱۸ (۲۰۰۵) جو http://islamiccenter.kau.edu.sa پر دستیاب ہے؛ سامی السویلم: التّورّق والتّورّق المنظّم...... دراسة تا صيلية (بحث مقدم الی مجمع الفقہ الاسلامی۔ رابطہ العالم الاسلامی)، مكّة المكرّمہ، اگست ۲۰۰۲؛ نیز:

Mohammad Obaidullah, *Islamic Financial Services,* Jeddah, King Absulaziz University, (2005,) pp.109-112; Mahmoud A. El-Gamal, *Islamic Finance, Law Economics and Practice*, Cambridge, (2006), pp. 69-72 & 160

۳۸۔ اسلامک بینک آف برٹین اپنی ویب سائٹ پر، ذیلی سرخی Treasury Deposit Accounts کے تحت رقم طراز ہے (بتاریخ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء) کہ 'شرعی اصولوں کے بموجب ہم آپ کو ان حسابات پر سود نہیں دے سکتے۔ ہم اس کا بھروسہ دلاتے ہیں کہ ہم اشیاء کے لین دین کا بندوبست کرا کے آپ کے لیے اپنی رقم کو ایک مقررہ مدت کے لیے ایک طے شدہ شرحِ نفع پر ہمارے یہاں لگانا ممکن بنا دیں گے'۔

http:www.islamic-bank.com/CommodityDeposits

Marfat.com

۳۹۔ خلیجی ممالک میں تورّق کے چلن کے بارہ میں معلومات مختلف خلیجی بینکوں کی ویب سائٹ کے ذریعہ مل سکتی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو:

http://www.alsafa.com.qa/murabaha/tawarruq.phb

۴۰۔ تفصیلی حوالوں اور سابقہ لٹریچر کی تلخیص کے لیے ملاحظہ ہو:

Mohammad Nejatullah Siddiqi, *Riba, Bank Interest and the Rationale of its Prohobition*, Jeddah: Islamic Reserch and Training Institute, Islamic Development Bank, (2004), Chapter 4. Also, Mohsin S.Khan and Abbas Mirakhor, (eds.) *Theoretical Studies in Islamic Banking and Finance*, Houston, Texas: The Institute for Research and Islamic Economics, (1987). Also, Abbas Mirakhor, "Globalization and Islamic Finance", paper presented at the Sixth International Conference on Islamic Economics and Finance, Jakarta: 21-24 November (2005)

41. Zamir Iqbal & Abbas Mirakhor, *An Introduction to Islamic Finance Theory and Practice*, John Wiley and Sons (Asia), (2007), page 241

۴۲۔ ملاحظہ ہو:

Hymen P. Minskey, *Stabilizing an Unstable Economy*, New Haven and London, Yale University Press, (1986), pages 43,117 and 177

جوئے بازی کا جوہر بازی لگانے اور قسمت آزمائی کے لیے خطر انگیزی ہے جس کے لیے اکثر اوقات جوئے باز خود خطر کو جنم دیتے ہیں یا خود سے یکسر غیر

Marfat.com

متعلق خطر کو انگیز کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تجارتی ظن وتخمین کا موضوع اشیاء اور خدمات کی قیمتوں، مقداروں، وغیرہ سے متعلق ہوتا ہے جن کا سامنا تجارت میں ناگزیر ہے۔ جوئے بازی جیسے ظن وتخمین کا کھیل ان قیمتوں اور مقدارو ں کے اوپر طرح طرح سے اثر انداز ہونے اور ان کے اندازوں کے بارہ میں اندازے کر کے کھیلا جاتا ہے۔

43. Joseph E. Stiglitz and Bruce Greenwald, *Towards A New Paradigm in Monetary Economics*, Cambridge University Press, (2003), Page271

۴۴۔ ملاحظہ ہو:

Mohammad Obaidullah, *Islamic Financial Services*, Jeddah, King Abdulaziz University, (2005), pp.160-162 & 166; Mohammad Rafe Md. Haneef, "Recent Trends Innovations in Islamic Debt Securities: Prospects for Islamic Profit and Loss Securities", in S.Nazim Ali, *Islamic Finance Current Legal and regulatory Issues*, Cambridge: Massachusetts, (2005), pp 29-60

۴۵۔ ملاحظہ ہو:

Zamir Iqbal & Abbas Mirakhor, *An Introduction to Islamic Finance, Theory and Practice*, John Wiley and Sons (Asia) (2007), Pte Ltd., pp.190-192 نیز IDB Sukuk offering Circular, (2004) جو اسلامک ڈویلپمنٹ بینک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اس مصنف نے اسے درج ذیل سائٹ پر ۲۰۰۵ میں دیکھا تھا۔
ttp://.menafin.com/n_news_story_s.asp?storyId=97560

۴۶۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی، غیر سودی بنک کاری پانچواں باب، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی اور اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۲

Marfat.com

۴۷۔ اس تبدیلی کے اثرات بڑے دور رس ہیں۔ مشہور ماہرِ اقتصادیات جان موسن کا درج ذیل بیان بصیرت افروز ہے:

Jan Mossin, *Theory of Financial Markets*, Prentice Hall Inc., Englewood Cliff, N.J, (1973)

'سرمایہ کاری (investment) کے قرض اور حصّہ داری پر مبنی دو طریقوں کے درمیان اہم ترین فرق یہ ہے کہ حصّہ داری کے ذریعہ تمویل میں کارو باری ادارہ کو اس بات کا اختیار نہیں ملتا کہ وہ کتنی سرمایہ داری کرے، اسے اسی قدر سرمایہ کے مطابق کاروبار چلانا ہوتا ہے جس قدر اسے بازار فراہم کرے' صفحہ ۱۶۰۔ آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں 'یہ بات کہ حصص کے دام اور کاروباری اداروں کے مابین سرمایہ کی تقسیم، بازار کی قوّتیں طے کرتی ہیں، خود کاروباری ادارے انھیں نہیں طے کر سکتے، یہ معنیٰ رکھتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ ایک طرح سے سرمایہ کاری کرنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ اس بات میں ایک اخلاقی جاذبیت ہے (خواہ اس اخلاقی اپیل کو ہم جو معنیٰ پہنائیں!)۔' صفحہ ۱۶۲۔ اس موضوع پر مزید روشنی کے لیے دیکھیے:

Paul S.Mills & John R Pressley, *Islamic Finance: Theory and Practice*, Macmillan Press, UK, and St.Martin Press, USA, (1999), pp.77-78

۴۸۔ غیر سودی بنک کاری، پانچواں باب، بحوالہِ بالا

49. Adam B El Hiraika, *On the Design of Monetary Policy in an Islamic-Framework, The Experience of Sudan*, Jeddah, IRTI, IDB, (2004); Also, see: Nadeem Ul Haque and Abbas Mirakhor, *The Design of Instruments for Government Finance in an Islamic Economy*, International Monetary Fund, (March1998) WP/98/54

50. Moham mad Nejatullah Siddiqi, "Shariah, Economics and the Progress of Islamic Finance, The Role of

Marfat.com

Shariah experts", available at: <www.siddiqi.com/mns>

۵۱۔ محمد نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بنک کاری بحوالہ بالا، آٹھواں باب

52. Mohammad Nejatullah Siddiqi: *Islamic Banking and Finance in Theory and Practice, A survey of the State of the Art*, op.cit. pp. 22-23

53. Nezamuddin Makiyan, "The Lending policies of Islamic Banks in Iran" in Islamic Perspectives on Wealth Creation, editted by Munawar Iqbal and Rodney Wilson, Edinburgh University Press, (2005), pp 84-94; page 86

۵۴۔ ایضاً، صفحہ ۸۷

Marfat.com

ساتواں باب

مقاصدِ شریعت اور مستقبل انسانیت

مقاصدِ شریعت کے موضوع پر گزشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان کا دائرہ اسلام کے تمام مقاصد کو محیط ہے۔ ہمارا مطالعہ صرف متداول معنی میں فقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام گوشے اس میں شامل ہیں۔ گزشتہ مباحث کا مرکزِ توجہ زیادہ تر مسلمان معاشرہ تھا۔

اس باب میں ہم انسانیتِ عامہ کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل کی باتیں کریں گے۔ انسانوں کے لیے ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کے لیے مقاصدِ شریعت کیا رہنمائی کرتے ہیں اور اس رہنمائی کی روشنی میں ہم مسلمان افراد اور جماعتوں نیز بحیثیت مجموعی پوری امت کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ اس مطالعہ کا آغاز قرآنِ کریم کے انسانی خطاب سے ہو گا جس کی تشریح و تطبیق کی کچھ مثالیں عہد نبیؐ اور خلافتِ راشدہ سے پیش کی جائیں گی، پھر انسانیت کے موجودہ مسائل کا ذکر آئے گا۔ یہ واضح کیا جائے گا کہ ان مسائل کے حل میں بھر پور حصہ لیے بغیر نہ تو مسلمان خود اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں نہ اس مشن کو انجام دے سکتے ہیں جس پر وہ منجانب اللہ مامور ہیں۔ آخر میں فکر و عمل کی وہ راہیں تجویز کی جائیں گی جو حصولِ مقصد میں مددگار ہو سکتی ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات صاف ہونی چاہیے کہ عام انسانوں، یا آج کی زبان میں غیر مسلم انسانیت کے ساتھ ہمارے تعلقات کی کیا نوعیت ہے،

Marfat.com

اس تعلق کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ عام انسانوں سے ہمارا تعلق صرف دعوت دینے کا ہے اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ دیگر تعلقات ہیں تو مگر ان کی حیثیت ذرائع کی ہے تو یہ بھی غلطی ہو گی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عام انسانوں سے خوش تعلقاتی، ان کی خدمت، حاجت روائی اور دست گیری، ان کی دلجوئی اور ان کے ساتھ غم گساری وغیرہ نارمل اخلاقی رویے مطلوب ہیں، ساتھ ہی ان کو ان کے پروردگار کی بندگی کی طرف بلانا بھی مطلوب ہے مگر ہم سے جو رویہ مطلوب ہے اس پر اس بات کا اثر نہیں پڑنا چاہیے کہ کسی انسان نے اپنے لیے کون سا دین پسند کیا، کون سا مذہب اختیار کیا۔

حسنِ سلوک کی تلقین

سارے انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے مگر ماں باپ اس کے اوّلین مستحق ہیں:

و اذ اخذنا میثاق بنی اسرآئیل لا تعبدون الاّ اللہ، و بالوالدین احساناً وّ ذی القربیٰ والیتٰمی و المسٰکین و قولوا للنّاس حسناً و اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ، ثمّ تولّیتم الاّ قلیلاً مّنکم و انتم معرضون۔[البقرۃ:۸۳]

یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔

Marfat.com

اسی طرح کی تلقین سورۂ عنکبوت، آیت ۸؛ لقمان، آیت ۱۴؛ اور احقاف آیت ۱۵ میں بھی موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پڑوسیوں، مہمانوں اور دوسرے کمزور اور ضرورت مند انسانوں کی حاجت روائی اور دست گیری کی تلقین کی ہے:

ابو شریح الخزاعی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ مہمان کی ضیافت کرے اور جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ یا تو بھلی بات بولے ورنہ چپ رہے[(۱)]۔

عمر بن الخطابؓ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ

کسی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے پڑوسی کو نظر انداز کر کے اپنا پیٹ بھرے۔[(۲)]

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں وہ جنت میں نہیں داخل ہو گا'[(۳)]۔

مالک نے صفوان بن سلیم سے روایت کی ہے جو نبی ﷺ سے راوی ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا):

بیواؤں اور مساکین کے کام آنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں یا ان لوگوں کے ہم پلہ ہیں جو دن میں روزے رکھتے ہوں اور رات میں نمازیں پڑھتے ہوں[(۴)]۔

Marfat.com

ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ نبیﷺ نے فرمایا : 'قیدی کو چھڑاؤ اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ'(۵)۔

ابوموسیٰ الاشعریؓ نبیﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: 'بھوکے کو کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ'(۶)۔

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: 'جو مسلمان کوئی پیڑ لگاتا ہے جس (کے پھل پتے) میں سے کوئی آدمی یا جانور کھائے تو یہ اس کے حق میں صدقہ شمار ہوتا ہے'(۷)۔

علی ابنِ ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: 'تین باتیں ایسی ہیں جن کے سلسلہ میں کسی کو چھوٹ نہیں مل سکتی۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، کیا ہوا عہد پورا کرنا خواہ مسلمان سے کیا ہو یا کافر سے اور امانت سپرد کرنا خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی'(۸)۔

ابوسعید الخذریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: 'جو کوئی بھی حلال مال کمائے، اس میں سے خود کھائے یا اپنے سے کم مال والے کسی بندۂ خدا کو کپڑے پہنا دے تو یہ اس کی طرف سے زکوٰۃ شمار ہو گی'(۹)۔

سعید ابنِ مسیّب سے روایت ہے،انھوں نے کہا کہ رسو ل اللہﷺ نے فرمایا: 'ایمان کے بعد سب سے اچّھا عمل عام انسانوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا ہے'(۱۰)۔

ایک رویت میں ہے کہ معاذ ابنِ جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ نے ان سے کہا تھا: 'انسانوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا......'(۱۱)۔

Marfat.com

سب کے ساتھ عفو و درگزر کا رویّہ

الّذین ینفقون فی السّراءِ والضّراءِ والکٰظمین الغیظ والعافین عن النّاس، واللہ یحب المحسنین۔[آل عمران:۱۳۴]

جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال، جو غصّہ کو پی جاتے ہیں اور دوسرے کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔

نبی ﷺ نے بڑی حکمت بھری بات فرمائی ہے کہ: 'جو انسانوں کا شکر نہ ادا کرے وہ اللہ کا شکر ادا کرنے سے بھی قاصر ہے'(۱۲)۔

آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ فرمایا: 'قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ اسی پر رحم کرتا ہے جو خود رحم کرنے والا ہو۔ لوگ بولے، اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر ایک رحم کرتا رہتا ہے۔ فرمایا: تمھارے کسی خاص آدمی پر رحم کرنے سے کام نہیں چلے گا جب تک سارے ہی انسانوں پر نہ رحم کرو'(۱۳)۔

خیر خواہی، سارے انسانوں کا بھلا چاہنا

لاخیر فی کثیرٍ من نجوٰھم الّا من امر بصدقۃٍ او معروفٍ او اصلاحٍ بین النّاس، و من یفعل ذٰلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہِ اجراً عظیماً۔[النساء: ۱۱۴]

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے

Marfat.com

کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔

نبی ﷺ نے تاکید کی ہے کہ اگر کسی کا بھلا نہ کرسکو تو کم سے کم ایسا ہو کہ کسی کو تم سے کوئی تکلیف نہ پہنچے:

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کون سا کام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: 'اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا'۔ (ابو ذر) کہتے ہیں، میں نے پوچھا، کون سے غلام (آزاد کرنا) افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: 'جو اپنے آقا کے نزدیک سب سے عمدہ اور دام میں سب سے اونچا ہو'۔ (ابوذرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! اگر میں کوئی بھی بھلا کام نہ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا: 'لوگوں کو تم سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، یہی تمھاری طرف سے تمھارے حق میں صدقہ قرار پائے گا'(۱۴)۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں مومنین تین گروہوں میں منقسم ہیں، وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی شک میں مبتلا نہیں ہوئے اور اپنے جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے اور وہ جن سے انسان اپنی جان و مال کے لیے کوئی خطرہ نہیں محسوس کرتے، پھر وہ جو کسی لالچ میں آ بھی گیا تو اللہ عزو جل کی خاطر اس سے دست کش ہو گیا(۱۵)۔

ابنِ عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

جس نے نے چالیس دن تک غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہوا اور اللہ تعالیٰ اس سے دست کش ہوا اور جس بستی میں کوئی آدمی بھوکا اٹھے اس سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہے(۱۶)۔

خالد بن الولیدؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اسے دیا جائے گا جس نے دنیا میں انسانوں کو سب سے زیادہ عذاب دیا ہو(۱۷)۔

عبداللہ ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا؛ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ رسول ﷺ نے اس کو جواب دیا: جو انسانوں کو نفع پہنچانے میں سب سے آگے ہو(۱۸)۔

حضرت جابرؓ سے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے ۔'سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچانے میں سب سے آگے ہو'(۱۹)۔

انسانی جان بچانا

من اجلِ ذٰلک کتبنا علیٰ بنیٓ اسرآئیل انّهُ من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانّما قتل النّاس جمیعا، و من احیا ها فکانّما احیا النّاس جمیعا......[سورۃ المائدۃ:۳۲]

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ 'جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

Marfat.com

لوگوں کے مال ناحق نہ کھائے جائیں

واخذھم الرّبٰوا و قد نھوا عنهُ واکلھم اموال النّاسِ بالباطل، و اعتدنا للکافرین منھم عذاباً الیمًا. [النساء:۱۶۱]

اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور جو ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

و لا تاکلوا اموالکم بینکم با لباطل و تدلوا بھا الی ا لحکّام لتاکلوا فریقاً من اموال النّاس با الا ثم و انتم تعلمون [البقرۃ: ۱۸۸]

اور تم لوگ نہ تو آ پس میں ایک دوسرے کے مال نا روا طریقہ سے کھاو اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض سے پیش کرو کہ تمھیں ایک دوسرے کے مال کا کوئی حصّہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

ناپ تول ہمیشہ ٹھیک رہے

...... فاوفوا الکیل و المیزان ولا تبخسواالنّاس اشیآءَ ھم ولا تفسدوا فی الارضِ بعد اصلاحھا، ذٰلکم خیرٌ لکم ان کنتم مؤمنین. [الاعراف: ۸۵]

...... وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد نہ برپا کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمھاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔

و الیٰ مدین اخاھم شعیبا، قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہٍ غیرہُ،

Marfat.com

ولا تنقصوا المکیال والمیزان، انّی اَرٰکم بخیرٍ وانّی اخاف علیکم عذاب یومٍ محیط. و یقومِ اوفوا المکیال و المیزان بالقسط ولا تبخسوا النّاس اشیآءَ هم، ولا تعثوا فی الارض مفسدین. [ھود: ۸۵،۸۴]

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا 'اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ آج میں تمھیں اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

وزنوا بالقسطاس المستقیم و لا تبخسوا النّاس اَشیآء ھم ولا تعثوا فی الارضِ مفسدین. [الشعراء: ۱۸۲]

پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو، صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو، زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

ویلٌ للمطفّفین الّذین اذا اکتالوا علیَ النّاسِ یستوفون واذا کالوھم اووّزنوھم یخسرون. [المطففین: ۱۔۳]

تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انھیں گھاٹا دیتے ہیں۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ فساد روکنا مقصدِ شریعت ہے۔ ان آیات نے واضح

Marfat.com

کیا کہ ساری انسانیت کے مفاد میں اس مقصود کا حصول درکار ہے، نیز یہ کہ ناپ تول میں بے انصافی فساد ہے۔

عدل گستری سارے انسانوں کے ساتھ مطلوب ہے

انّ اللہ یامرکم ان تؤدّوا الاَمٰنٰتِ الیٰ اھلھا، واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل، انّ اللہ نعما یعظکم بہِ، انّ اللہ کان سمیعاً بصیراً. [النساء:۵۸]

مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔

یٰداو‘د انا جعلنک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین النّاس بالحق و لا تتّبع الھویٰ فیضلّک عن سبیل اللہ، انّ الّذین یَضلّون عن سبیل اللہ لھم عذابٌ شدیدٌ بما نسوا یوم الحساب. [ص: ۲۶]

اے داوٗد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً ان کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔

عدل و قسط کا دور دورہ ہونا چاہیے

لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معھم الکتٰب و المیزان لیقوم النّاس بالقسط...... [الحدید:۲۵]

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر

Marfat.com

قائم ہوں......

اس آیت میں آسمانی ہدایت کا زمینی مقصد قیامِ عدل بتایا گیا ہے۔ بات کا یہ انداز کہ 'تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں' بتا رہا ہے کہ ایسا انسانوں کے آزادانہ تعامل کے نتیجہ میں مطلوب ہے۔ ایک طرف تو ہر مسلمان کو ہر انسان کے ساتھ انصاف سے پیش آنا لازمی ہے دوسری طرف ایسی اجتماعیت کی تشکیل مطلوب ہے کہ ہر طرف عدل و قسط کا دور دورہ ہو۔

قل امر ربّی بالقسط...... [الاعراف:۲۹]

(اے نبیؐ! ان سے) کہو، میر رب نے تو انصاف اور راستی کا حکم دیا ہے......۔

سورہِ نساء، آیت ۱۳۵ اور آیت ۵۸ میں بھی اسی روش کی تاکید کی گئی ہے۔

استکبار arrogance کی روش بری ہے

ولا تصعّر خدّک للنّاسِ ولا تمشِ فی الارض مرحاً، انّ اللہ لا یحبُّ کلَّ مختالٍ فخور. [لقمان:۱۸]

اور لوگوں سے منھ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر رسول خدا ﷺ نے جو تقریر کی اس کے یہ الفاظ بڑے اہم ہیں، فرمایا: 'اے قریش کے لوگو! اللہ نے جاہلیت کے زمانہ کا وہ گھمنڈ (آج) تم سے دور کر دیا جو آباء و اجداد پر فخر پر مبنی تھا۔ سارے انسان آدم سے نکلے ہیں اور آدم مٹی سے'[۲۰]۔

کسی انسان کا خود کو دوسروں سے کسی ایسی بنیاد پر اونچا سمجھنا جو اختیاری

Marfat.com

نہیں بلکہ رنگ ونسل، جائے پیدائش، زبان، قوم اور قبیلہ جیسی چیزوں پر مبنی ہو جو کوئی آدمی خود نہیں چنتا، کبرِ نفس اور بے جا گھمنڈ کی بد ترین مثال ہے۔ قدرتی طور پر ایسا آدمی دوسروں سے برابری کا اچھا سلوک نہیں کرتا۔ اس غلط رویہ کی نظریاتی جڑیں کاٹنے کے ساتھ ساتھ نبیﷺ نے ہر انسان سے خوش تعلقاتی بھی سکھائی ہے:

جابرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبیﷺ نے فرمایا: 'لوگوں کی خاطر مدارات صدقہ ہے'(۲۱)۔

زمین سارے انسانوں کے لیے رزق کا منبع ہے

یآیّھا النّاس کلوا مما فی الارضِ حَلٰلاً طیّبا، و لا تتبعوا خطوٰت الشّیطٰن، انّهٗ لکم عدوٌمبین. [البقرة:۱۶۸]

لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے راوی ہیں کہ جب رسول اللہﷺ (بارش کے لیے) استسقاء (کی نماز میں) دعا کرتے تو فرماتے: 'اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کی پیاس بجھا، اپنی رحمت عام کر اور اپنے (خشک سالی کے سبب) بے جان ملک کو جِلا دے'(۲۲)۔

سارے انسان ایک برادری کے افراد ہیں

یآیّھا النّاس انّا خلَقنکُم من ذکرٍ وّ انثیٰ وجعَلْنکم شعوباً وّقبائل لتعارفوا، انّ اکرمکم عنداللہ اتقکُم .[الحجرات:۱۳]

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری

Marfat.com

قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اخوتِ انسانی کے اصول پر زور دیا ہے:

زید ابنِ ارقمؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور سلیمان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے آخر میں یہ کہا کرتے تھے: اے وہ جو ہمارا پروردگار ہے اور ساری چیزوں کا پالنہار ہے، میں گواہ ہوں کہ آقا اکیلا تو ہی ہے، کوئی تیرا شریک نہیں۔ اے ہمارے اور ساری چیزوں کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور اللہ کا رسول ہے۔ اے ہمارے اور ساری چیزوں کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ سارے بندے بھائی بھائی ہیں۔ اے ہمارے اور ساری چیزوں کے پروردگار! مجھے اپنے لیے یکسو کر دے۔ اے جلال اور اکرام والے! سن اور قبول فرما۔ اللہ سب سے بڑا ہے، سب سے بڑا، اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے نور (۲۳)۔

قادسیہ کے موقع پر فارس کی دولتِ عظمیٰ کے نمائندہ سردار، رستم کے دربار میں متعدد ایلچی بھیجے گئے۔ ان میں سے ایک مغیرہ بنِ شعبہؓ بھی تھے۔ رستم کے سامنے ان کی تقریر میں آیا ہے: 'ہم (اللہ کے) بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لے جانے کے لیے آئے ہیں'۔ انھوں نے (یہ بھی) کہا: 'سارے انسان آدم کی اولاد ہیں، چنانچہ وہ سب ماں اور باپ دونوں

Marfat.com

رشتے سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں[۲۴]۔

انسانی عز و شرف کے سبھی مستحق ہیں

و لقد کرّمنا بنیٓ اٰدم وحملنٰھم فی البرّ والبحر و رزقنٰھم من الطّیبٰت و فضّلنٰھُم علیٰ کثیرٍ ممن خلقنا تفضیلا۔[بنی اسرائیل: ۷۰]

ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

نبی ﷺ نے اسی بات کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ واضح کیا ہے:

جابرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب سمندر پار ہجرت کرنے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا، مجھ سے بیان نہ کرو گے کہ حبشہ کی سرزمین پر تم نے کیا عجیب باتیں دیکھیں؟ چنانچہ ان میں سے کچھ لڑکے بولے، ضرور، اے اللہ کے رسول۔ ایک بار ہم بیٹھے ہوئے تھے تو ان کے راہبوں میں کوئی بوڑھی عورت ہمارے پاس سے گزری۔ وہ سر پر پانی کا مٹکا اٹھائے ہوئے تھی۔ جب وہ اسی قوم کے کسی لڑکے کے پاس سے گزری تو اس نے اپنا ایک ہاتھ اس طرح اس عورت کے شانوں کے درمیان ڈال کر اسے دھکا دیا کہ وہ گھٹنوں کے بل گر پڑی اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا۔ اٹھ کھڑی ہونے کے بعد اس نے اس لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اے بدتمیز! تجھے اس دن پتہ چلے گا کہ اللہ کے دربار میں میرے اور تیرے معاملہ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے جس دن کہ اللہ عرش جمائے گا اور اگلوں پچھلوں سب کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں بولیں

Marfat.com

گے کہ کس کے کیا کرتوت تھے۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت نے سچ کہا، اس عورت نے سچ کہا۔ بھلا اللہ ایسی قوم کو کیسے اوپر اٹھائے گا جس میں طاقت ور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جاتا ہو؟(۲۵)

یہ بات کہ اسلام میں صاحبِ اختیار کی ایک اہم ذمہ داری سماج کے کمزور افراد اور گروہوں کو سماج کے طاقتور افراد اور گروہوں کے ظلم و استحصال سے بچانا ہے، بڑی صراحت سے آئی ہے۔ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: 'تم میں سے کمزور میرے لیے زور آور ہوگا تاآنکہ میں اسے، اللہ نے چاہا تو، اس کا حق نہ واپس دلوا دوں اور جو تمھارے درمیان زور آور شمار ہوتا ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور شمار ہو گا جب تک، اللہ نے چاہا تو، اس سے حق وصول نہ کر لوں'(۲۶)۔

حضرت عمرؓ نے قادسیہ کی مہم پر بھیجتے وقت مسلمانوں، بالخصوص حضرت سعد بن مالک کو مخاطب کر کے، جن کو اس مہم کی سربراہی کے لیے چنا گیا تھا، اسی بات پر زور دیا، فرمایا: 'اللہ کے اور کسی کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں، جو (تعلق) ہے وہ اس کی اطاعت گزاری پر مبنی ہے۔ اللہ کے حضور اشراف اور اجلاف، سارے انسان ایک جیسے ہیں۔ اللہ ان سب کا پروردگار و آقا ہے اور وہ اس کے بندے ہیں'......(۲۷)۔

محمد ﷺ سبھی کے لیے رحمت ہیں

وما ارسلنک الا رحمةً للعلمین. [الانبیاء: ۱۰۷]

اے نبی، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

Marfat.com

انسانوں کے ساتھ تعاون یا عدم تعاون اصولوں اور قدروں پر مبنی ہو

...... ولا یجرمنّکم شنأن قومٍ ان صدّوکم عن المسجد الحرامِ ان تعتدوا، وتعاونوا علی البرِّ والتقویٰ، ولا تعاونوا علی الاثمِ والعدوان، واتقوا اللہ، انّ اللہ شدید العقاب. [المائدۃ: ۲]

...... اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجدِ حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمھارا غصہ تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں، جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ یہ نہیں کہ وہ کیا جائے جس میں اپنا فائدہ نظر آئے، یا مسلمان وہ کریں جن سے ان کے مصالح کا فروغ ہو، مسئلہ قدروں اور اصولوں کا ہے جو خود مقصود ہیں۔

کسی قوم کی کسی قوم پر تسلّط پسندی ٹھیک نہیں

اسلام تسلّط پسندی (hegemony) کو ردّ کرتا ہے۔ وہ اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دیتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کی غلامی کی طرف۔ رستم کے دربار میں صحابی مغیرہ بن شعبہ کی مذکورہ بالا تقریر کے بعد رستم نے ان سے پوچھا: 'اگر ہم لوگ تمھارے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا تم ہمارے علاقوں سے واپس چلے جاؤ گے؟' وہ بولے: 'ہاں، واللہ! اس کے بعد ہم تمھارے علاقوں کے قریب آئے

Marfat.com

بھی تو تجارت کے لیے یا کسی اور ضرورت سے ہی آئیں گے'(۲۸)۔

اسی موقع پر کسریٰ کے دربار میں صحابی نعمان ابنِ مقرن نے یہی بات ان الفاظ میں واضح کی: 'اگر تم نے ہمارا دین قبول کر لیا تو ہم اللہ کی کتاب تمھارے پاس چھوڑ کر اور تمھیں اس پر قائم کر کے چلے جائیں گے، یعنی تمھیں اسی بات کا پابند بنا جائیں گے کہ اس کے احکام کے مطابق فیصلے کرو۔ ہم خود تمھارے یہاں سے چلے جائیں گے، تم جانو اور تمھارے ملک......' (۲۹)۔

اللہ تعالیٰ نے کتابِ حکیم میں بخوبی واضح کر دیا ہے کہ مسلمان نہ انفرادی طور پر تسلط پسند ہوں نہ اجتماعی طور پر:

تلک الدار الأخرة نجعلها للّذین لا یریدون علوّاً فی الارض ولا فساداً، والعاقبة للمتّقین. [قصص: ۳۸]

وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین کے لیے ہے۔

قابلِ ذکر بات ہے کہ یہ آیت چوتھے خلیفہِ راشد، سیّدنا علیؓ بازار میں دوکانداروں کو سناتے تھے۔ آیت سنا کر آپؓ ان سے فرماتے: 'یہ آیت ان تمام لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کو کوئی ذمہ داری ملی ہو یا اختیار حاصل ہو، جنھیں عدل اور تواضع کی روش مناسب ہے'(۳۰)۔

مسلمانوں کا مشن تعمیر انسانیت ہے نہ کہ اپنی چودھراہٹ جمانا۔

مشترکہ انسانی مسائل

یوں تو آدمی ہونے کے ناطے ہمارے سارے ہی مسائل مشترکہ مسائل ہیں

Marfat.com

لیکن آسانی کی خاطر ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم ان مسائل کی ہے جنہیں انسانوں کا کوئی بڑا مجموعہ، مثلاً ایک ملک کے باشندے، ایک ملت کے افراد، ایک زبان بولنے والے، ایک نسل یا رنگ کے لوگ...... مل کر حل کر سکتے ہیں۔ دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سارے ملکوں کے باشندے، ساری ملتوں کے افراد ساری زبانیں بولنے والے، ہر نسل و رنگ کے لوگ...... ان کے حل میں نہ شریک ہوں۔ اس دوسری قسم کی نمایاں مثالیں عالمی درجۂ حرارت میں اضافہ (global warming) نیز ماحولیاتی تلوث کے دوسرے اثرات، وبائی امراض کا انسداد اور ان کی روک تھام کی تدابیر، ہمہ گیر تباہی مچانے والے اسلحہ (weapons of mass destruction) کا انسداد اور ان کی روک تھام کی تدابیر، امن عالم کا تحفظ...... ان مسائل کا حل ہمارے وجود و بقا کی شرط ہے اس لیے مقصود ہے۔ ان کے علاوہ پوری دنیا سے فقر و فاقہ کا خاتمہ، ہر انسان کو بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت، تمام انسانوں کے لیے ترقی کی راہیں ہموار کرنا اور اس کی خاطر عالمی تجارت اور فنی تعاون کا فروغ، وغیرہ مطلوب ہیں کیوں کہ ان سے بالاتر مقاصد کے حصول میں مدد مل سکتی ہے۔ ان کاموں کے لیے بھی باہمی تعاون کا چلن ہونا چاہیے۔ ان سب کے پہلو بہ پہلو عدل کا قیام ایک اہم مقصد ہے کیوں کہ، مدّتِ طویل میں، امن عالم اسی حالت میں قائم رہ سکتا ہے اور مشترکہ انسانی مسائل کے حل کے لیے سارے انسانوں کا تعاون اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب کسی قوم، نسل، یا علاقہ کے لوگوں کو یہ شکایت نہ ہو کہ ان پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں، ان کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ظلم کا ازالہ اور عدل کا قیام بذاتِ خود مقصود ہے۔ یہ بات کہ امن عالم کا استحکام

Marfat.com

قیامِ عدل کے بغیر ممکن نہیں، اس مقصد کی اہمیت اور بڑھا دیتی ہے۔

امنِ عالم کے سیاق میں اس دہشت گردی کا انسداد بھی ضروری ہے جس کو افراد اور گروہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کا مؤثر ذریعہ سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے۔ یہ سلسلہ عصرِ حاضر میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد شروع ہوا جب اسرائیل کا قیام چاہنے والوں نے پچھلی صدی کی چالیس کی دہائی میں بڑے پیمانے پر دہشت گردانہ طریقوں کا استعمال کیا تھا۔ اس کے بعد کی دہائیوں میں اسپین، آئرلینڈ اور سری لنکا میں حکومت مخالف اور اپنے اپنے علاقوں کے لیے آزادی کے طالب گروہوں نے بڑے پیمانہ پر دہشت گردی کی۔ ستر کی دہائی میں لیلیٰ خالد نامی عرب لڑکی نے اسرائیل کے خلاف فلسطینوں کی حمایت میں ہوائی جہاز اغوا کیا۔ اسّی کی دہائی میں عام فلسطینیوں نے اس راہ میں قدم رکھا اور نوے کی دہائی سے فلسطین میں وہ سلسلہ شروع ہوا جسے خودکش حملوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کو چیچنیا، کشمیر اور بعض دوسرے علاقوں میں اور اکیسویں صدی کی اس پہلی دہائی میں، امریکہ کے حملہ کے بعد، عراق میں بھی اختیار کر لیا گیا۔ ان بڑے اقدامات کے پہلو بہ پہلو، بیس سال سے دنیا کے مختلف علاقوں میں خاص طور پر امریکہ اور اس کے حلیفوں کے خلاف دہشت گردانہ حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں نے ان حملوں کے حوالہ سے پوری دنیا میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اعلان کر رکھا ہے۔ اس جنگ میں امریکہ اور اس کے ساتھیوں نے تمام سابقہ معاہدوں اور معیاروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تشدد اور جارحیت کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ دوطرفہ دہشت گردیوں کے نتیجہ میں اب صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں عام شہری، بالخصوص بڑے شہروں میں رہنے والے لوگ، ہر دم اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں۔ ہوائی

Marfat.com

جہاز، ٹرین اور بس سے سفر کرنے والے اندیشہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانہ پر اتنے عدم تحفظ کا احساس انسانی تاریخ میں اس سے پہلے شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ بلاشبہ آج یہ مسئلہ انسانیت کے مشترکہ مسائل میں سرِ فہرست ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ حل کیسے ہو گا۔

دہشت گردی کا سدباب، امن عالم کا استحکام، ظلم کا ازالہ اور عدل کا قیام، فقر و فاقہ سے نجات اور ہر انسان کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت، ہر فردِ انسانی کے عزو شرف کے اعتراف کے ساتھ اسے بنیادی انسانی حقوق ملنا، آزادی کے ساتھ ترقی کا راستہ تمام اقوامِ عالم کے لیے کھولنا، اس کی خاطر بین الاقوامی تجارت کا فروغ، ماحولیاتی تلوث کو لگام لگانا اور حیوانی اور نباتیاتی دنیا کا بگڑتا ہوا توازن ecological balance بحال کرنا، نیز بڑھتے ہوئے عالمی درجہِ حرارت کو روکنے کی تدابیر اور دنیا کو نیو کلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی nuclier,chemical and biological اسلحوں سے پاک کرنا...... مشترکہ انسانی مسائل کی فہرست طویل بھی ہے اور گھمبیر بھی۔

معاصر مسلمان اور مشترکہ انسانی مسائل

آج ان مسائل کی نسبت سے مسلمانوں کا رویہ انفعالی ہے، جس کا بڑا سبب یہ احساس ہے کہ ہمارے کرنے سے کچھ ہونے والا نہیں چونکہ نظامِ عالم غالب اور طاقتور مغربی اقوام کے ہاتھوں میں ہے۔ ساری خرابیوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر ہم اپنے کیے کے جائزہ اور احتساب کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ مسلمان ملکوں اور معاشروں میں جاری ظلم و استحصال، دولت اور آمدنی کی تقسیم میں روز افزوں عدم مساوات، ایک طرف فقر و فاقہ اور دوسری طرف اسراف و تبذیر،

Marfat.com

ہمارے درمیان کم ہی زیرِ بحث آتے ہیں۔ جب اندرونی مسائل، جس قسم کے مسائل کو انبیاءِ کرامؑ نے بھی مرکزِ توجہ بنایا تھا، ان کی طرف توجہ کا یہ عالم ہے تو مذکورہ بالا نئے قسم کے بین الاقوامی اور عالمی مسائل کا کیا پوچھنا۔ یہ کیفیت درست نہیں، اس کو بدل کر مسلمانوں کو، ذہنی، علمی، جذباتی، عملی، ہر سطح پر مشترکہ انسانی مسائل کے حل کی کوشش میں شریک ہونا چاہئے، جیسا کہ مقاصدِ شریعت کا تقاضا ہے۔

بعض اوقات ہم اس طرح سوچنے لگتے ہیں کہ جب تک ہم با اقتدار اور طاقتور نہ ہوں گے نہ تو ہم ان مسائل کے حل کے لیے عملاً کچھ کر سکیں گے نہ کوئی اس بارہ میں ہماری کسی رائے یا مشورہ کو قابلِ اعتناء سمجھے گا۔ ہم یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ساری قوت اسلامی لوگوں کو بااقتدار اور طاقتور بنانے میں لگا دیں۔ پھر جب اس کوشش میں ان سے ٹکراؤ ہوتا ہے جو اس وقت صاحب اقتدار ہیں تو ہماری ساری قوتیں ان سے دفاع میں صرف ہو جاتی ہیں۔

اس طرزِ فکر کا جائزہ اصولی طور پر بھی لیا جانا چاہئے اور تاریخ و تجربہ کی روشنی میں بھی۔ لیکن یہاں اس بات کی کوشش ہمیں اپنے اصل موضوع سے بہت دور لے جائے گی۔ یہاں ہم اس نشان دہی پر اکتفاء کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ فکر یہ نہیں رہا ہے۔ انھوں نے اصلاح ماحول اور تعمیر انسانیت کے کام کو کبھی، کسی وجہ سے بھی، موخر نہیں رکھا۔ انبیاء علیہم السلام نے اس فریضہ کی ادائیگی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ کیا گیا تھا کبھی کسی شرط پر معلق نہیں کیا۔ سورۂ ہود آیت ۸۴ تا ۹۵ کا مطالعہ سبق آموز ہے۔ اس زمانہ کے نبی نے لوگوں کو مخلصانہ مشورے دیتے ہوئے فرمایا:

...... ان ارید الّا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الّا باللہ، علیہ

Marfat.com

توکّلت و الیه انیب. [ہود: ۸۸]

(شعیبؑ نے کہا:)...... میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اصلاح کے کام کی وسعت کا اندازہ اس وقت ہو گا جب اسے فساد کے مقابل رکھ کر سمجھا جائے۔ اس سے پہلے ہم فساد کے بعض ان پہلوؤں کا ذکر کر چکے ہیں جن کی طرف قرآن نے توجہ دلائی ہے۔ اصلاح کا کام ان تمام پہلوؤں سے متعلق ہے۔ اصلاح سے ملتا جلتا قرآنی تصورِ تزکیہ بھی سامنے رہنا چاہئے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے سلسلہ میں خاص طور پر ذکر آیا ہے:

هو الّذی بعث فی الامّیّن رسولاً منهم یتلوا علیهم ایٰتِه و یزکّیهم و یعلّمهم الکتٰب والحکمة، و ان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین. [الجمعۃ:۲]

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انھی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۳ سال دعوت اور اصلاح و تزکیہ کے کام میں گزرے تھے نہ کہ حصولِ اقتدار کی مہم میں۔ مکہ میں آپ کے شب و روز کیسے گزرتے تھے اس کا اندازہ قرآنِ کریم کی ان سورتوں اور آیات کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اس دوران نازل ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کیا کرتے تھے اس

Marfat.com

کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

مکی دور کے ابتدائی برسوں کی بات ہے۔ ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ راستہ میں ابن الدغنہ ملتے ہیں 'یہ شخص بنی حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا اور احابیش کا سردار تھا۔ اس نے آپ سے کہا، اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ ابوبکرؓ نے فرمایا، میری قوم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے اور شہر بدر کر دیا ہے، میں کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں میں ان کی ایذا رسانی سے بچ جاؤں اور مجھے امن حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ بخدا! تم تو قبیلے کی زینت ہو، تکالیف میں لوگوں کی اعانت کرتے ہو اور ان کے ساتھ نیکی کرتے ہو، ناداروں کو کما کر دیتے ہو، واپس چلو، میں تمھیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔(۴۷)

مذکورہ بالا مشترکہ انسانی مسائل میں متعدد ایسے مسائل ہیں جن کا حل نہ تو طے شدہ ہے، کہ اب مسئلہ صرف اس کے نفاذ کا ہو، جس کے لیے حکومتیں ہی پیش قدمی کر سکتی ہیں، نہ معلوم اور بدیہی ہے کہ مسئلہ صرف اس کے حق میں فیصلہ کن طاقتوں کو حرکت میں لانے کا ہو۔ اکثر نئے مسائل ایسے ہیں جن کا حل کسی کو نہیں معلوم، سب متلاشی ہیں۔ مسئلہ اس تلاش میں فعال حصہ لینے کا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان مسائل سے لاتعلّقی ختم کر کے انھیں اپنانا چاہیے، انھیں اپنی مجالس میں زیرِغور لانا چاہیے، ان کا اپنے پریس میں چرچا کرنا چاہیے، اور جب بھی، جہاں بھی انھیں دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ مل کر ان پر تبادلۂ خیالات کا موقع ملے، لبیک کہنا چاہیے۔

کرنے کا دوسرا کام یہ ہے کہ جو قدم انفرادی طور پر یا مقامی یا ملّی اور ملکی

Marfat.com

سطح پر اٹھائے جا سکتے ہوں ان میں مسلمان افراد، گروہ اور ممالک پیش قدمی کریں۔ پانی کے استعمال میں احتیاط، ماحولیاتی تلوّث میں اضافہ کرنے والی چیزوں کے استعمال میں ممکنہ حد تک کمی اور سماجی تعلّقات میں بے انصافی کی تمام شکلوں سے دور رہنا اس کی چند نمایاں مثالیں ہیں۔

یہ دونوں کام، حل کی تلاش میں حصّہ لینا اور عملی طور پر جو کچھ بھی کرنا طے پا چکا ہو اس پر حتی الامکان عمل در آمد، سارے مسلمان کریں خواہ وہ مسلم اکثریتی ممالک میں رہتے ہوں یا دوسرے ممالک میں۔

اپنے اصل موضوع، تعمیرِ انسانیت میں مقاصد شریعت کا حصّہ، کی مناسبت سے اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کاموں میں اصل رہنمائی مقاصدِ شریعت سے حاصل ہو گی نہ کہ جزئیاتِ فقہ سے۔ جس زمانہ میں فقہ مرتّب ہوئی تھی، اور جن صدیوں تک اس میں کچھ نہ کچھ ارتقاء ہوتا رہا، اس زمانہ میں یہ مسائل نہیں پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر کی نوعیّت ایسی ہے کہ قدیم پر قیاس کے ذریعہ حکمِ شرعی کا اکتشاف ممکن نہیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ مقاصد سے غفلت برت کر جزئیاتِ فقہ پر قیاس کے ذریعہ حکمِ شرعی تک پہنچنے کی کوشش مذکورہ بالا مشترکہ انسانی مسائل کے سیاق میں کچھ ایسی صورتِ حال پر منتج ہو سکتی ہے جو چھٹے باب میں سامنے آ چکی ہے جس کی بعض مثالیں ہم پانچویں باب میں بھی دے چکے ہیں۔

کیا کیا جائے

اہلِ علم کے کرنے کے کام اور ہیں، اہلِ سیاست کے کرنے کے کام دوسرے ہیں۔ یہاں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ قرآن و سنّت نے ہمیں سب کی

Marfat.com

خیر خواہی کی جو تعلیم دی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان مسائل کو اپنا موضوع بنائیں۔ ایجابی طور پر یہ دیکھیں کہ زیرغور مسئلہ سے متعلق مقاصدِ شریعت کیا ہیں۔ پھر ان باتوں کی نشان دہی کریں جو ان مقاصد سے ٹکراتی ہیں مگر مسلمان انھیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان باتوں پر زور دیں جو اس مسئلہ کے حل کے لیے مسلمانوں کو کرنا چاہئیں لیکن وہ نہیں کر رہے ہیں۔ تیسرے مرحلہ پر یہ دیکھا جائے کہ معاصر دنیا میں اس مسئلہ کی نسبت سے کیا سوچا جا رہا ہے، کیا کیا جا رہا ہے۔ اس بارے میں اپنی رائے بنائی جائے اور سامنے لائی جائے۔

نہ تو یہ مصنف اس کی صلاحیت رکھتا ہے نہ ایک محدود سیاق میں یہ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مشترکہ انسانی مسائل میں سے ہر مسئلہ پر ان تینوں پہلوؤں سے روشنی ڈالی جائے۔ صرف مثال کے طور پر ہم ایک مسئلہ پر بات کریں گے جس کا ذکر اوپر دی گئی فہرست میں سب سے آخر میں آیا ہے، یعنی ایٹمی، کیمیاوی اور حیاتیاتی ہتھیاروں سے دنیا کو پاک کرنا۔

عام تباہی مچانے والے اسلحوں کا مسئلہ

دیکھنا یہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ میں کیا موقف بنتا ہے۔ مسلمانوں کے معاصر فکر و عمل میں اس موقف سے کس حد تک مطابقت پائی جاتی ہے اور معاصر دنیا کیا سوچتی ہے۔

اس بارہ میں دو رائے نہیں ہونی چاہئے کہ عام تباہی مچانے والے ہتھیار جو محارب اور غیر محارب میں تمیز نہیں کر سکتے ہوں، نہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو مستثنیٰ رکھ سکتے ہوں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جن کے تباہ کن اثرات موجودہ نسل کے بعد بھی کئی نسلوں تک اور جس علاقہ میں ان کو استعمال کیا

Marfat.com

جائے اس سے دور دور تک کے علاقوں تک پھیل جاتے ہیں، ایسے ہتھیاروں کا استعمال فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فساد فی الارض کو دور کرنا مقاصدِ شریعت میں سے ہے۔ چنانچہ نیو کلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحوں کے بنانے پر اور ان کی خریدوفروخت نیز ان کے استعمال پر پابندی ہونی چاہئے۔ شریعت کی اصطلاح میں ان اسلحہ جات کو بنانا، ان کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال حرام قرار پایا جانا چاہیے اور یہ حرمت غیر مشروط ہونا چاہیے۔ کوئی ایسی صورت متصور نہیں جس میں فساد فی الارض جائز ہو۔

ہمارے علم و اطلاع کی حد تک مذکورہ بالا نکتہ پر، نظری طور پر، پوری دنیا کا اتفاق ہے۔ مگر عملی صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ جس کے پاس جو ہے وہ اسے، کھلے یا چھپے، رکھنا چاہتا ہے۔اور جس کے پاس نہیں ہے، وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس دوڑ میں بڑے چھوٹے، امیر غریب، سب شریک ہیں۔ شمالی کوریا جیسا ملک جس میں عام لوگوں کو روٹی کپڑا اور مکان بھی بمشکل میسّر آتا ہے، اپنے سارے وسائل اپنی ایٹمی صلاحیت کو بحال رکھنے اور اس میں اضافہ کرنے پر صرف کر رہا ہے۔ متعدّد ایشیائی اور افریقی ممالک کے ایٹمی حوصلوں کی کہانیاں پریس میں آ چکی ہیں۔ سب کی دلیل ایک ہے: ان ہتھیاروں کا پاس ہونا دشمن کو حملہ سے روکے رہے گا۔ ہر ایک کہتا ہے کہ ہم پہل نہیں کریں گے، بلکہ پہل نہ کرنے کے معاہدہ پر دستخط کے لئے تیار ہیں۔

انسانیت گزشتہ صدی میں کئی دہائیاں اس کیفیت میں مبتلا رہ چکی ہے، جب روس اور امریکہ ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کے لئے ہر گھڑی مستعد رہتے تھے۔ پہلے یہ دو فریقوں کا معاملہ تھا۔ اب ہر ملک کو اپنے پڑوسی ملک سے خطرہ ہے، اور خطرناک ہتھیاروں سے لیس فریقوں کی تعداد کا کوئی

Marfat.com

شمار نہیں۔ ان ہتھیاروں کے بنانے، محفوظ رکھنے اور ان کے استعمال کے لئے خود کو ہرآن مستعد رکھنے پر کثیر مادّی وسائل کے علاوہ، ملک کی بہترین افرادی طاقت، اعلیٰ ترین علمی صلاحیتیں اور سب سے زیادہ وفادار، قابلِ بھروسہ اسٹاف کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔ ان کی دیکھ ریکھ میں اتفّاقی فروگزاشت، اور اس کے نتیجہ میں حادثوں کا بھی امکان وارد ہے۔ چرنوبل کے ایٹمی حادثہ کی یادیں ابھی تازہ ہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اگر اس کام کو اوّلین ترجیح دی جائے تو مذکورہ بالا سارے مشترکہ مسائل کو پسِ پشت ڈالنا ہو گا۔ یہی نہیں کہ ان مسائل کے حل کے لئے مادّی وسائل نہ بچیں گے اور افرادی طاقت، نیز اعلیٰ صلاحیتیں نہ خالی ملیں گی بلکہ یہ طرز فکر بھی ان مسائل کے حل میں مانع بنے گا کہ جو سب کر رہے ہیں وہی ہم بھی کرنے پر مجبور ہیں، یا اکیلے ہم ہی کیوں پیش رفت کریں جب دوسرے پہلے ہی بہت کوتاہیوں کے مرتکب ہو چکے، وغیرہ۔ ہمارے خیال میں اسلامی موقف اختیار کرنا دوسروں کے طرزِ عمل پر موقوف نہیں ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ قدروں اور اصولوں کا ہے۔

اسلامی موقف

کیا قرآن و سنّت کی روشنی میں کوئی موقف بنتا ہے، یا ہم بھی دوسروں کی طرح انھی ترجیحات کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں جو سب نے اختیار کر رکّھی ہیں؟

ہمارے خیال میں اس سوال کا جواب درج ذیل نصوص میں ملتا ہے:

واتل علیھم نبا ابنَی آدم بالحق، اذ قرّبا قرباناً فتقبّل من احدھما و لم یتقبّل من الآخر. قال لاقتلنّک. قال انّما یتقبّل اللہ من المتّقین. لئن بسطتَ الیّ یدک لتقتلنی ما انا بباسطٍ یدِیَ الیک لاقتلک،

انّی اخاف اللّٰہ ربَّ العالمین. انّی ارید ان تبوء باثمی و اثمک، فتکون من اصحاب النّار، و ذالک جزاء الظالمین. فطوّعت له نفسه قتل اخیه فقتله فاصبح من الخاسرین. فبعث اللّٰہ غراباً یبحث فی الارضِ لیریه کیف یواری سوءة اخیه، قال یا ویلتا اَعجزت ان اکون مثل ھٰذا الغرابِ فاواری سوئة اخی، فاصبح من النادمین. من اجلِ ذالک، کتبنا علیٰ بنی اسرائیل انّه من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارضِ فکانّما قتل النّاس جمیعاً، ومن احیا ھا فکانّما احیا النّاسَ جمیعاً. ولقد جائتھم رسلنا بالبیّناتِ، ثمّ انّ کثیراً منھم بعد ذالک فی الارضِ لمسرفون.[المائدہ : ۲۷.۳۲]

اور ذرا انھیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا، میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا، اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ ربّ العلمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لئے آسان کر دیا۔ اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا، افسوس مجھ پر! میں اس کوّے

Marfat.com

جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔
اس کے بعد وہ اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل
پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے
بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس
نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس
نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ
ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے
پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

یہ کہنا کہ: اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، بظاہر بے عقلی کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ مخالف کو کچھ ڈر ہو تو وہ بھی نکل جائے کہ اب دوسری طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ پھر آدم کے صالح بیٹے نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟ اسی پر بس نہیں، اس نے اس موقف کا اعلان بھی کردیا! اور دیکھئے کیا ہوا، اس کی جان جاتی رہی۔ اس کے باوجود قرآنِ حکیم اسے سبق بنا کر پیش کرتا ہے، ایک ایسے زمانہ میں جب کہ مشرکینِ مکّہ اور اہلِ کتاب سبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طاقت کے بے جا استعمال پر تلے ہوے تھے۔ افسوس کہ ہم انسان جو فوری مفادات و مصالح کے تحفّظ میں الجھے رہتے ہیں، اصولوں اور قدروں کا دوررس اثر نہیں دیکھ پاتے۔ مگر قرآن چاہتا ہے کہ ہم اس بات کی تہہ تک پہنچیں:

و لا تستوی الحسنة و لا السیئة، ادفع با لّتی ھِیَ احسن فاذا ا لّذی
بینک و بینه عداوةٌ کانّهٗ ولیٌّ حمیم. و ما یلقّٰھا الّا الّذین صبروا،
وما یلقّھا الّا ذو حظٍ عظیم. [حم السجدہ : ۳۴-۳۵]

Marfat.com

اور (اے نبیؐ!) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت بڑھی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

ان نصوص کے مسئلۂ زیرِ غور پر انطباق کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ انفرادی جارحیّت سے متعلّق ہیں، جیسا کہ آدم کے دو بیٹوں کے واقعہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۸ سے جو سلسلہ کلام شروع ہوا وہ دعوت و جہاد سے متعلّق ہے نہ کہ انفرادی حقوق سے۔ اہلِ کتاب سے عمومی خطاب کے بعد، آیت ۲۰ سے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے انھیں یاد دلایا گیا کہ فرعون کے مظالم سے نجات دلاکر جب حضرت موسیٰؑ انھیں فلسطین کی طرف لے چلے تو وہاں قتال کے ڈر سے انھوں نے بزدلی دکھائی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی سزا دی جس میں ان کی اس وقت والی نسل فتح و کامرانی سے محروم ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ آتا ہے، جس میں صالح بیٹے کے ایک اصولی موقفِ اختیار کرنے اور اس کی خاطر اپنی جان قربان کر دینے کا ماجرا بیان ہوا ہے۔ سیاقِ کلام کا تقاضا ہے کہ اس واقعہ کو سنا کر مسلمانوں کو ان کے اجتماعی سلوک میں اصول پسندی سکھانا مقصود ہو۔

رہی مذکورہ بالا دوسری آیت، یعنی سورۂ سجدہ، آیات ۳۴-۳۵، تو اس مکّی سورت میں ساری بات ہی دعوت اور اس کے راستہ میں پیش آنے والے آزمائشی لمحات کی ہے۔ ان آیات سے پہلے کی آیات میں عاد و ثمود کی سرکشی اور اس کے نتیجہ میں ان کی بربادی کا ذکر ہے۔ پھر اہلِ مکّہ کی معاندانہ حرکتوں کا تذکرہ

Marfat.com

کرتے ہوئے مسلمانوں کو صبرو استقامت کی تلقین ہے، پھر وہ آیات ہیں جو قاری کے سامنے ہیں۔ بات اسلام کی خاطر اصولی موقف اختیار کرنے کی ہے جو، مدّتِ طویل میں سہی، دلوں کو جیت لیتا ہے۔

اس موقف کے خطرات

کہا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ موقف اختیار کیا تو وہ دشمنوں کے لئے لقمۂ تر بن کر رہ جائیں گے۔ کوئی بھی ایٹمی طاقت انھیں ڈرا دھمکا کر اپنی مرضی کے مطابق چلا سکے گی، یا بصورت دیگر، صفحۂ ہستی سے نابود کر سکے گی۔ مگر یہ خیال غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ آج کی دنیا میں بھی کوئی ایک ملک اتنا طاقت ور نہیں کہ دوسرے ملکوں کو ساتھ لئے بغیر اپنی مرضی چلا سکے۔ بڑی طاقتوں، بالخصوص روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش نے ہی اب تک ایک طرح کا توازن قائم رکھا اور، گزشتہ چند برسوں کے عارضی تعطّل کے باوجود، مستقبلِ قریب میں بھی اسی طرح کام چلے گا۔ جیسا کہ دیکھا جارہا ہے چین کے ایک ایٹمی طاقت کے طور پر ابھرنے نے بھی اس توازن کو تقویت پہنچائی ہے۔ رہا اس بات کا امکان کہ دنیا کی ساری ایٹمی طاقتیں متّحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تل جائیں تو یہ اتنا بعید از قیاس ہے کہ اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ خطرہ کہ مسلمان یہ موقف اختیار کریں تو اندیشہ ہے کہ صفحۂ ہستی سے ان کا نام مٹ جائے اور دینِ اسلام کا کوئی نام لیوا نہ رہ جائے اس لئے بھی مبالغہ آمیز ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد ان ملکوں میں بھی بستی ہے جو ایٹمی طاقت اور دوسرے تباہ کن اسلحوں سے لیس ہیں۔ اس سے بڑی بھول کوئی

Marfat.com

نہیں ہو گی کہ دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مفادات و مصالح کو کسی ایک یا چند مسلمان ملکوں کے مفادات و مصالح کے مرادف یا ان پر منحصر سمجھ لیا جائے۔

مقاصد اور مسائل

اوپر دی گئی مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کتنی مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ جس طرح عام تباہی مچانے والے اسلحوں کے بارہ میں اختیار کئے گئے اس موقف سے شدید اختلاف وارد ہوا جسے ہم نے قرآن و سنّت کی طرف منسوب کیا ہے، اسی طرح کا اختلاف مذکورہ بالا مشترکہ انسانی مسائل میں سے اکثر کے سلسلہ میں وارد ہو سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ان مسائل پر کھل کر بحث ہو۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اوپر گنائے گئے دس بارہ مشترکہ انسانی مسائل میں سے کسی پر کوئی قابلِ ذکر غور و فکر نہیں ہوا ہے۔ ایک دو مسائل، مثلاً دہشت گردی اور غربت، کو چھوڑ کر نہ تو مسلمان دانش وروں نے ان عالمی مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے نہ علماء اور فقہاء نے ان کی طرف توجّہ کی ہے۔ جن گنے چنے مسائل پر عام مسلمان کوئی رائے رکھتے بھی ہیں وہ رائے زبانی کلام اور عوامی خطاب کی دین معلوم ہوتی ہے۔

مصنّف ان لوگوں کی رائے کا احترام کرتا ہے جنھوں نے درجِ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے زیرِ غور مسئلہ میں، مثال کے طور پر پیش کی گئی صورت میں، اسلامی موقف کی تعیین اس کے برعکس کی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

و اعدّوا لھم ما استطعتم من قوّۃٍ و من رباط الخیلِ ترھبونَ بہِ عدوّ اللہِ و عدوّکم، وآ خرین من دونھم،لا تعلمونھم،اللہ یعلمھم...

[الانفال:٦٠]

Marfat.com

اور تم لوگ، جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے، مگر اللہ جانتا ہے......

ہمیں ان حضرات سے اس لئے اختلاف ہے کہ، ہر دوسرے مسئلہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی، مصالح اور مفاسد، فوائد اور نقصانات، کا موازنہ کئے بغیر کسی فیصلہ تک پہنچنا ممکن نہیں۔ ہمارے خیال میں فسادِ عام برپا کرنے والے اسلحوں کے بنانے، رکھنے، اور ممکنہ استعمال کے نقصانات کا پلّہ بہت بھاری ہے، اتنا بھاری کہ اس سے متوقّع فوائد اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری اس بات سے بہتوں کو اختلاف ہو گا[۳۲]۔ اس بحث کا مقصد اس مسئلہ میں اپنی رائے کی وکالت نہیں۔ اس مسئلہ کو صرف مثال کے طور پر چنا گیا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ آپ کو توجہ دلائی جائے کہ مشترکہ انسانی مسائل سے نبٹنے کے لئے بڑے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کی ضرورت ہے۔ خدا کرے آج کی بحث اس کا آغاز ثابت ہو۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب ہفتم

۱۔ مسلم: صحیح، حدیث نمبر ۷۷، کتاب الایمان۔ صحاحِ ستہ، مسند امام احمد، اور مسند دارمی سے اس باب میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں، وہ زیادہ تر عمان، دار الفکر کے ایڈیشن سے ماخوذ ہیں جس پر تاریخ اشاعت درج نہیں۔ احادیث کے آخر میں نمبر شمار درج کیا گیا ہے تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔ احتیاطاً ہم نے کتاب یا باب کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ کہیں کہیں صحاح یا مسند امام احمد کے دوسرے اڈیشنوں کا حوالہ بھی ہے جو تمام ضروری تفاصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

۲۔ احمد ابن حنبل: مسند، مسندِ عمر بن الخطاب. المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ۱۳۰۶ ھ، جلد ۱، صفحہ ۵۵

۳۔ مسلم: صحیح،حدیث نمبر۳ ۷۔ کتاب الایمان

۴۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۶۰۰۶۔ کتاب الادب

۵۔ دارمی، مسند، حدیث نمبر ۲۴۶۵

۶۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۵۳۷۳

۷۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۶۰۱۲۔ کتاب الادب

۸۔ ابنِ عساکر، مختصر تاریخِ دمشق، (ترتیب ابن منظور) جلد ۱، صفحہ ۲۱۶۔ بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۴

۹۔ مسند ابی یعلیٰ، بحوالہ: النصوص الاقتصادیہ من القرآن والسنّۃ، صفحہ ۵۵۵۔ مرتبہ منذر کہف، جدّہ، جامعۃ الملک عبدالعزیز، 1995

۱۰۔ ابنِ عساکر، محولہ بالا

۱۱۔ ابنِ کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد ۳، جزء ۵، صفحہ ۹۱۔ قاہرہ، دار البیان للترث، ۱۹۸۸؛ یہ روایت موطّأ امام مالک باب حسن الخلق میں بھی ملے گی۔

۱۲۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی، بحوالہ، النصوص الاقتصادیہ من القرآن والسنّہ، محولہ بالا صفحہ ۲۴۵۔

۱۳۔ مسندِ ابی یعلیٰ، بحوالہ: النصوص الاقتصادیۃ، محولہ بالا، صفحہ ۲۶۷

Marfat.com

۱۴۔ مسلم: صحیح، حدیث نمبر ۱۳۶۔ کتاب الایمان

۱۵۔ احمد بن حنبل، مسند، مسندِ ابی سعید الخدری. المطبعة المیمنیه، مصر، ۱۳۰۶، جلد ۳، صفحہ ۸

۱۶۔ ایضاً، مسندِ عبد اللہ بن عمر

۱۷۔ ابنِ عساکر، محولہ بالا، جلد ۴، صفحہ ۲۷۸

۱۸۔ ایضاً، جلد ۱۷، صفحہ ۲۰۹

۱۹۔ المناوی: فیض القدیر شرحِ الجامع الصغیر، صفحہ ۴۸۱، حدیث نمبر ۳۔ رواہ القضاعی عن جابر فی مسند الشہاب ۱۹۳۸، دار احیاء السنۃ النبویۃ

۲۰۔ ابنِ ھشام، سیرۃ النبیؐ، جلد ۴، صفحہ ۳۲۔ قاہرہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۹۳۷

۲۱۔ ابنِ عساکر، محولہ بالا، جلد ۲۴، صفحہ ۳۱۶

۲۲۔ موطأ امام مالک اور سننِ ابی داود، بحوالہ، النصوص الا قتصادیّہ فی القرآن والسنّۃ، محولہ بالا، صفحہ ۶۷

۲۳۔ ابو داؤد، سنن، حدیث نمبر ۱۵۰۸، کتاب الوتر

۲۴۔ ابنِ کثیر، محولہ بالا، جلد ۴، جزء ۷، صفحہ ۳۹-۴۰

۲۵۔ ابنِ ماجہ، سنن، حدیث نمبر ۴۰۱۰

۲۶۔ ابنِ کثیر، محولہ بالا، جلد ۳، جزء ۶۔ صفحہ ۳۰۵

۲۷۔ ایضاً، جلد ۴، جزء ۷، صفحہ ۳۶

۲۸۔ ایضاً، صفحہ ۴۰۔

۲۹۔ ایضاً، صفحہ ۴۲

۳۰۔ ایضاً، جلد ۴، جزء ۸، صفحہ ۸

۳۱۔ محمد طفیل، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد یاز دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰۔ لاہور، ادارہِ فروغِ اردو، جنوری ۱۹۸۵ء، (سیرتِ ابنِ اسحاق) صفحہ ۲۵۲-۲۵۳

۳۲۔ ایک نقطۂ نظر کے لئے ملاحظہ ہو:

"A Treatise on the Legal Status of Using Weapons of Mass Destruction Against Infidels"<www.alfahad.com>

Marfat.com

آٹھواں باب

مقاصد شریعت: فہم و تطبیق

اس باب کی ابتداء گزشتہ مباحث کی روشنی میں اس طریق و منہاج (methodology) کے بیان اور تلخیص سے کی جائے گی جن کے ذریعہ کسی نئی صورت حال میں یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کیا کرنا چاہئے۔ ذیل میں اس طریقہ کا خلاصہ درج ہے جو گزشتہ مباحث کے نتیجہ میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ اس تلخیص کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ لوگ کن اندیشوں کی بنا پر نئے پیش آمدہ مسائل میں مقاصدِ شریعت پر مبنی اجتہاد سے جھجکتے ہیں، یا، کم از کم، عام مسلمانوں کو اس عملِ اجتہاد میں شریک نہیں کرنا چاہتے۔ ہم واضح کریں گے کہ یہ اندیشے درست نہیں۔ آخر میں مستقبل کی دنیا کے بارے میں کچھ اندازے پیش کرتے ہوئے یہ بتایا جائے گا کہ امت کا بھلا اس میں ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں مقاصدِ شریعت پر مبنی اجتہاد کی ہمت افزائی کی جائے۔

گزشتہ مباحث نے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ:

← مقاصد شریعت کی پہچان قرآن و سنّت کی روشنی میں عقل و فطرت کی مدد سے ممکن ہے۔ پیش آمدہ نئے حالات کا تجزیہ کر کے ان حالات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

← ان دونوں کاموں، مقاصد کے فہم اور حالات کے تجزیہ، میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

Marfat.com

→ نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کا کوئی ایک لگا بندھا طریقہ نہیں۔ بعض اوقات ہم براہ راست نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یعنی اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے کہ صحیح طرز عمل کیا ہو گا۔

→ ادراک حکم کے بعد، غور و فکر اور قلبی توجہ کے نتیجہ میں، اطمینان نفس اور فیصلہ کو قبول عام تک پہنچانے کے لئے عقل و نقل سے دلائل مہیّا کئے جا سکتے ہیں۔

→ اجتماعی امور میں، انفرادی ادراکات کو مشاورت کے عمل سے گزرنے کے بعد، فیصلہ یا حکم کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔

→ مقاصد شریعت کے پہچاننے، نئے حالات کا تجزیہ کرنے، ادراک حکم، اور مشاورت کے عمل میں مسلمان مرد اور عورت سب کو حصہ لینا چاہیے۔

→ بعض نئے مسائل میں دنیائے اسلام میں ایک سے زیادہ فیصلے ممکن ہیں، اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

→ ایک وقت کئے گئے فیصلے آگے چل کر، وقت گزرنے پر، تجربہ کی روشنی میں یا نئے دلائل کے پیش نظر، بدلے بھی جا سکتے ہیں۔

→ جن مسائل کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ دوسرے انسانوں سے بھی ہو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں ان کو بھی شریک مشورہ کرنا ہو گا۔

→ عام انسانی مسائل، خاص طور پر عالمی نوعیّت کے مسائل سے متعلق عالمی سطح پر مشاورت اور فیصلہ کے عمل میں مسلمانوں کو مقاصد شریعت کی روشنی میں فعال حصّہ لینا چاہیے۔

Marfat.com

— دعوت الی اللہ اور شہادت علی الناس، یعنی سارے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا اور مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی عمل کو اس پیغام کا عملی مظہر بنانا، اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کا تقاضا ہے کہ انسانی تعلّقات میں ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جو جاذب توجہ ہو اور لوگوں کے دل و دماغ کو اسلام کے لئے سازگار بنائے۔

مذکورہ بالا مقصد کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات، نفرت اور عداوت پیدا کر سکنے والے اسالیب سے احتراز کیا جائے۔

اجتہادی امور میں سب کو ایک رائے تک پہنچانے کی کوشش کی بجائے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ لوگ فکر و عمل میں مختلف راہیں اختیار کرنے کے باوجود ایک دوسرے کے اختیار کا احترام کریں اور مل جل کر رہیں، نیز انسانیت عامہ سے خوش تعلقاتی اور تعاون میں ان اختلافات کو رکاوٹ نہ بننے دیں۔

گزشتہ ابواب میں مندرجہ بالا نکات کے حق میں دلائل اور نظائر فراہم کئے جا چکے ہیں۔ ان کی تکرار کی بجائے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان خطرات اور اندیشوں پر گفتگو کی جائے جو، خیال کیا جا سکتا ہے کہ، اس طریقۂ استدلال کو اختیار کرنے سے پیش آ سکتے ہیں۔ اس بات پر بھی غور کیا جائے گا کہ ہمارے سامنے اس طریقہ کا کوئی متبادل ہے یا نہیں؟ کیا فروع پر قیاس اور دیگر متوارث فقہی طریقوں پر انحصار سے کام چل سکتا ہے؟ اس بات کی بھی نشاندہی کی جائے گی کہ مجوزہ طریقہ کوئی نیا راستہ نہیں ہے بلکہ بعینہٖ وہی راستہ ہے جو صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین نے اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد یہ بتایا جائے

Marfat.com

گا کہ اس راستہ پر نہ چلنے کے نقصانات یقینی ہیں اور ان موہوم فائدوں سے بہت زیادہ ہیں جن کے حوالہ سے اس راستہ سے گریز کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

انتشار و انحلال کے اندیشے

اس وقت نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے مسلمانوں کو علمائے دین کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ ہے۔ خاص طور پر جو لوگ فتویٰ دینے کے مجاز ہیں وہ مسلمانوں کو بتاتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ جیسا کہ دوسرے باب میں بتایا گیا تھا ملکی اور عالمی سطح پر ایسی مجالسِ فقہ قائم کی جا چکی ہیں جن میں منتخب علماء جمع ہو کر نئے پیش آمدہ مسائل پر غور و خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد کوئی قرارداد منظور کرتے ہیں۔ حسبِ ضرورت، خاص طور پر طبّی اور اقتصادی مسائل میں، ماہرینِ فن کی آراء سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے اجتہادی امور پر بحث و نظر کا دروازہ کھولنے کی بجائے اسی مروّجہ نظام پر اکتفاء مناسب ہے۔ عام لوگ قرآن و سنّت کا علم نہیں رکھتے وہ حالاتِ حاضرہ اور پیش آمدہ مسائل کی فنی تفصیلات سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ، ان پر دوسرے غیر اسلامی طور طریقوں کا اثر بھی نسبتاً زیادہ رہتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جیسا کہ آخر کی صدیوں میں معمول رہا ہے، عام لوگوں کو نئے پیش آمدہ مسائل میں حکمِ شرعی کی تلاش کے عمل سے دور ہی رکھا جائے۔ اس طرح اس خطرہ کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا کہ دشمن ہماری صفوں میں اپنے ایجنٹ چھوڑ کر یا ہمارے درمیان کسی خاص رائے کے حامل لوگوں کی سر پرستی کر کے، ہمارے دین کو بگاڑنے اور ہم کو اس سے منحرف کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو سکے۔ جس طرح کے خطرات کے پیشِ نظر آخر کی صدیوں میں اجتہاد کا دروازہ بند کر کے عام مسلمانوں کو تقلید کا مشورہ دیا گیا تھا، اسی طرح کے

Marfat.com

خطرات اب نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کے عمل کو علماء و فقہاء اور ان پر مشتمل مجالس تک محدود رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اسی مقصد کے لئے ضروری ہے جس مقصد کے لئے سلف نے تقلید کا مشورہ دیا تھا، یعنی امت کو انتشارِ فکر و عمل سے بچانا۔ اگر انتشارِ فکر و عمل سے نہیں بچایا گیا تو انجامِ کار انحلال ہو گا، امت گمراہ ہو جائے گی، ٹکڑیوں میں بٹ جائے گی اور اس قابل نہ رہے گی کہ اپنا فرضِ منصبی ادا کر سکے۔

اگر نئے پیش آمدہ مسائل میں اختلافِ رائے باقی رہا، یا اس سے آگے بڑھ کر دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں مختلف آراء کے حق میں فیصلہ ہوا تو اسلام کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ غور کیا جائے تو معاملات اور دیگر دنیوی امور میں تعدد آراء مستقبل کے اسلام کی قوت میں اضافہ کرے گا۔ رائے اور پالیسی کا تعدد مسابقت پیدا کرے گا۔ یہ داخلی مسابقت عالمی اسلامی امت کی توانائی میں اضافہ کرے گی اور اسے تازہ دم رکھے گی۔ ایک مرکز فیصلہ اور ایک مرکز قوت کا نہ ہونا اسے استبداد سے بچائے رکھے گا۔ وہ صورتِ حال نہیں پیدا ہو سکے گی جو بیسویں صدی میں کمیونسٹ نظام کے زوال و انحلال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں میں مقاصدِ شریعت کی روشنی میں سوچ و بچار اور نئے پیش آمدہ مسائل میں سب کی شراکت سے فیصلہ کے طریقہ کو رائج کرنے سے وابستہ یہ اندیشے مبالغہ آمیز اور غیرحقیقت پسندانہ ہیں۔ دوسری طرف یہ خیال بھی درست نہیں کہ تقلید کا جو مشورہ پہلے دیا گیا تھا وہ آج بھی دیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ مسائل کی جو نوعیت آج ہے وہ ان مسائل سے کتنی مختلف ہے جو کچھ صدی پہلے سامنے آئے تھے مگر علماء اور فقہاء نے محدود پیمانہ پر اجتہاد

Marfat.com

کر کے ان کا مقابلہ کر لیا تھا۔ مزید برآں، جن نئے پیش آمدہ مسائل کا ذکر ہے ان کی غالب اکثریت کا تعلق معاملات سے ہے نہ کہ عقائد یا عبادات سے۔ معاملات کی نوعیت اہلِ معاملہ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ ان کو غور و فکر کے عمل سے دور رکھنا نقصان دہ ہو گا۔ نیز جیسا کہ ہم نے گزشتہ باب میں بتایا تھا کہ آج کے بعض اہم مشترکہ انسانی مسائل ایسے ہیں جن پر نہ تو ماضی میں کبھی غور کی ضرورت پڑی کہ ہمارے دینی اور فقہی سرمایہ میں ان کا چرچا ملے، نہ ان پر الگ سے صرف مسلمانوں کے کچھ کرنے سے کوئی مسئلہ حل ہو سکتا۔ ان پر غور و فکر میں ہر ملک و ملت کے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ اسی طرح ان کے حل میں بھی سارے انسانوں کی شرکت درکار ہے۔ مذکورہ بالا موقف، یعنی عام مسلمانوں کو نئے پیش آمدہ مسائل میں حکمِ شرعی کی تلاش سے دور رکھنے کی رائے میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ حکمِ شرعی کے پہچاننے اور سمجھنے میں عقل و فطرت کا بھی حصہ ہے[1]۔

انتشار و انحلال کے اندیشوں کے مبالغہ آمیز ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان میں امت مسلمہ کی اپنے دین سے وابستگی اور تمسک کو چند مسائل میں اختیار کردہ مسلک یا کسی رائے کے چھوڑنے یا اختیار کرنے پر منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت ایمان بالغیب اور اس عقیدت اور جذباتی لگاؤ پر قائم ہے جو اسے محمد ﷺ اور ان کے اوّلین متبعین سے ہے۔ فقہی اختلافات اور زمانی اجتہادات کبھی امت مسلمہ کے وجود کے لئے خطرہ نہیں بنے۔ دوسری نظریاتی ملتوں کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ اختلافی امور پر کھلے عام تبادلہ خیالات اور فیصلوں میں جمہور کے حصہ لینے سے ملّتیں طاقتور ہوتی ہیں نہ کہ کمزور۔ حال کی تاریخ میں اس کی مثال مارکس اور اینجلز کے افکار پر مبنی اشتراکی تحریک ہے۔ روس کے اندر

Marfat.com

کم اور روس کے باہر زیادہ کھلے مذاکرہ کی دین ہے کہ آج روسی تجربہ کی ناکامی کے باوجود اشتراکی تحریک زندہ ہے، نئے تجربوں کی تیاری ہے، چین کامیابی کی راہ پر گامزن ہے اور خود ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹیاں شریک حکومت ہیں۔ اس کے برعکس عبرت کی داستان عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ عیسائیت نے نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے عمل میں عوام کو کبھی شریک نہیں کیا۔ انھوں نے اجتہادی امور میں فیصلوں کو گنے چنے ہاتھوں میں محدود کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت کے متبعین فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔ نہ تو شخصی زندگی میں، نہ انسانی سطح پر، یا بین الاقوامی مسائل میں، وہ اپنے مذہب سے متحد مسلک نکالنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ تاریخ کا سبق یہ ہے کہ فکری ہم آہنگی کا راستہ سوچ بچار پر قدغن اور فکری جکڑ بندی نہیں بلکہ آزادانہ فکر، تبادلۂ افکار اور غور و بحث کا راستہ ہے۔ انتشار و انحلال سخت گیری اور جبر کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ نرم خوئی اور رواداری کا۔

مسلمانوں کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ بے بنیاد اندیشوں کے بجائے خود تاریخِ اسلامی کے عہدزرّین کو رہنما بنائیں۔ دوسری صدی ہجری کا بغداد اور اس کے کچھ بعد کا مدینہ، دمشق، کوفہ، قاہرہ اور غرناطہ ہمارے فکری سرمایہ اور فقہی ورثہ کا منبع ہیں۔ اس دور میں لاتعداد لوگ فہمِ قرآن، جمع حدیث، استنباطِ مسائل اور تزکیۂ نفس کے آداب مرتب کرنے میں مصروف تھے۔ انہیں کسی حکمران نے اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا، نہ معتقدین کے کسی حلقہ نے فکر معاش سے فارغ کر کے اس منصب تک پہنچایا تھا۔ ان کے حلقہ ہائے درس و تحقیق میں داخلہ کی کوئی فیس نہیں تھی، نہ ان کی تصانیف پر کوئی رائلٹی ملتی تھی۔ طالبِ علم علی الاعلان ایک استاد کی مجلس سے اٹھ کر دوسرے کی مجلس میں جا بیٹھتے اور استاد کی جبین پر شکن نہ آتی۔ کل کا تلمیذ آج خود شیخ بن کر اپنا حلقۂ درس قائم کر لیتا، کوئی نکیر نہ

Marfat.com

کرتا۔ دوسری سے چھٹی صدی ہجری تک درجنوں مذاہبِ فقہ اور مکاتب فکر ابھرے مگر امت کے انتخاب اور تعامل نے آنے والی نسلوں کے لئے کچھ کو محفوظ رکھا، باقی تاریخ کی زینت بنے۔ آج بھی یہی داستان دہرانے سے ڈرنا کیوں؟

مسئلہ پر ایک اور زاویہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا صرف سد بابِ فتنہ کی خاطر، یعنی انتشار کے ڈر سے، مسلمان عوام کو کسی ایسے عمل سے روکا جا سکتا ہے جس کے وہ منجانب اللہ مکلّف ہوں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام چاہتا ہے کہ ہر فرد قرآن کو براہِ راست پڑھے اور ساتھ ہی اپنے اردگرد کی دنیا کو بھی خود سمجھنے کی کوشش کرے پھر اس دنیا میں ہدایاتِ الٰہی کے مطابق زندگی گزارے۔ ایسا کرنے میں نبی ﷺ کا اسوہ اس کی رہنمائی کرے گا۔ اس کام میں دوسرے انسانوں کی مدد تو لینا چاہیے، مگر قرآن و سنت کے مطالعہ، آیاتِ کائنات پر غور، اور مسائلِ حیات کو سمجھنے کی کوشش سے مومن کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب خدا نے خود انسانوں کو اپنا کلام پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت دی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں جو ان کو اس کے لئے نااہل (disqualified) قرار دے دیں؟ خدا اپنے بندوں کی صلاحیتوں سے زیادہ واقف ہے، اسی نے انہیں بنایا ہے! اس سلسلہ کی چند آیات کا مطالعہ مفید رہے گا:

اقرأ باسمِ ربّک الّذی خلق[العلق: ۱]

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

قل، انّما اعظکم بواحدةٍ، ان تقوموا للہ مثنیٰ و فرادیٰ، ثمّ تتفکّروا.

[سبا: ۴۶]

ان سے کہو! میں تمھیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، خدا کے

Marfat.com

لئے تم اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو......

کتٰبٌ انزلنٰہ الیک مبارکٌ لیدبّروا اٰیتہٖ ولیتذکّر اولوا الالباب[صٓ:
۲۹]

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔

ھٰذا بصائر للنّاس و ھدیً و رحمۃٌ لقومٍ یوقنون. [الجاثیۃ: ۴۵]

یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لئے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو یقین لائیں۔

....و انزلنا الیک الذکر لتبیّن للناسِ ما نزّل الیھم و لعلّھم یتفکّرون.
[النحل: ۱۶]

...... اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا گیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

و ھو الّذی انشأکم من نفسٍ واحدۃٍ فمستقرٌّ وّ مستودع، قد فصّلنا الأیٰتِ لقومٍ یفقھون. [الانعام: ۹۸]

اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لئے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

او لم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰتِ والارض، وما خلق اللہ من شیءٍ

Marfat.com

و ان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلھم. [الاعراف: ۱۸۵]
کیا ان لوگوں نے زمین اور آسمان کے نظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہیں آنکھ کھول کر نہیں دیکھا؟ اور کیا یہ بھی انھوں نے نہیں سوچا کہ شائد ان کی مہلتِ زندگی پوری ہونے کا وقت قریب آ لگا ہو؟......

الّذین اٰتینٰھم الکتٰب یتلونہٗ حقَّ تلاوتہٖ. [البقرۃ: ۱۲۱]
جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے......

کذالک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہٖ لعلّکم تعقلون[البقرۃ: ۲۴۲]
اسی طرح اللہ اپنی آیات کی تمھارے لئے وضاحت کرتا ہے تا کہ تم سمجھو۔

نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ قرآن فہمی کے لئے اجتماعی مطالعہ میں بڑی برکت ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو علم کی تلاش میں راستہ طے کرے اللہ اس کے لئے جنت کی راہ ہموار کرے گا اور جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھیں اور اس کو باہم ایک دوسرے کو سمجھائیں، تو ان پر سکینت نازل ہو گی، ان کو رحمت ڈھانپ لے گی، فرشتے ان کے چاروں طرف جمع ہوں گے اور اللہ ان کا ذکر اپنے حضور موجودین سے کرے گا(۲)۔

بلا شبہ عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے قرآن فہمی ایک کوشش کی طالب

Marfat.com

ہے۔ مگر اللہ کے فضل سے آج ہر زبان میں قرآن کریم کے متعدد تراجم موجود ہیں۔ آج سے ڈھائی سو سال پہلے جب ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تجدید و احیاء دین کا بیڑا اٹھایا تو صورتِ حال مختلف تھی۔ مگر ان کی نگاہِ بصیرت افروز نے بھانپ لیا کہ عام مسلمان کو کلامِ الٰہی سے مربوط کئے بغیر حقیقی دین داری نہیں پیدا ہو گی۔ چنانچہ انھوں نے اس وقت کی عوامی زبان، فارسی، میں ترجمہ کیا جس کا نام فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن رکھا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: 'یہ کتاب بچپن ہی میں پڑھا دینی چاہیے تاکہ سب سے پہلے ان کے ذہن میں جو چیز آئے وہ اللہ کی کتاب اور اس کے مطالب ہوں'(۳)۔

ان سے شاہ صاحب کی مراد عام دلّی والے تھے جو تھوڑی تعلیم کے بعد مغل فوج میں بھرتی ہو جاتے یا کسی نواب کی ڈیوڑھی سنبھالتے۔ انھوں نے ٹھیک ہی سوچا۔ آخر جب قرآن نازل ہوا تو اونٹ بکریاں چرانے والوں نے بھی اسے سمجھا۔ کوئی وجہ نہیں آج کے نسبتاً زیادہ ہوشیار عوام کو اس سے استفادہ میں مشکل پیش آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک عملی روزمرہ زندگی کا تعلق ہے، قرآن کی تعلیمات بڑی عام فہم ہیں۔ وراثت کا قانون اور نکاح و طلاق جیسے مسائل تو گنی چنی آیات میں آئے، قرآن کا بیشتر بیان عام فہم اخلاقی ہدایات اور امورِ غیب کی سادہ تفہیم پر مشتمل ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تقریریں عام مسلمانوں تک یہ باتیں زیادہ آسانی سے پہنچا کر ان کو قرآن کی طرف براہِ راست رجوع سے مستغنی کر سکتی ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ خدا کے کلام کا اثر انسان کی تقریر میں نہیں پیدا ہو سکتا۔

ایک دوسری بھول جو ہمارے تجویز کردہ طریقہ سے مبالغہ آمیز اندیشے وابستہ

Marfat.com

کرنے والوں سے ہوتی ہے وہ تمام نئے پیش آمدہ مسائل کو، جن پر غور و بحث میں ہم عام مسلمانوں کو شریک کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، فقہی اجتہاد بمعنی معروف کے مرادف سمجھ لینا ہے۔ واقعہ یوں نہیں ہے۔ نئے پیش آمدہ مسائل کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ ان میں تعلیم، حفظانِ صحت، تفریح، سیر و سیاحت، پڑوسیوں سے میل جول، بچوں کی تربیت، میاں بیوی کے تعلقات، دعوت الی اللہ، کارکنوں کی تربیت، جماعتوں کی تنظیم، ان کے مالیات، ملکی نظام سے تعامل اور اس میں حصہ داری، دوسری اقوام و ملل سے تعامل (interaction)، بین الاقوامی تعلقات انفرادی، گروہی، ملّی اور ملکی سطحوں پر ...وغیرہ لاتعداد امور شامل ہیں۔ ان میں سے بہت سے عنوانات متوارث فقہ کے دائرہ میں نہیں آتے۔ مگر اجتہاد کی ضرورت ان دائروں میں بھی وارد ہے۔ شریعت کسی ٹھہرے ہوئے سماج کو اوامر و نواہی کی ایک متعین اور محدود فہرست کا پابند بنانے والا ضابطہ نہیں ہے بلکہ ایک مقصد کی طرف بڑھتے ہوئے انسانی گروہ کی اخلاقی بنیادوں پر تنظیم کرنے والا مجموعۂ احکام ہے جو اس مقصد کا آئینہ دار اور اس کے حصول میں مددگار ہو۔ مقاصدِ شریعت پر مبنی اجتہاد کا مقصود فرد و اجتماع کی نسبت سے مقاصدِ شریعت کی تحصیل و تکمیل ہے۔ چوں کہ مقاصد شریعت دینی اور دنیوی دونوں طرح کے امور کو محیط ہیں، اس لئے اجتہادی عمل دینی اور دنیوی دونوں طرح کے امور میں مطلوب ہے۔ مگر عملی زندگی میں دینی اور دنیوی کی تقسیم سیاہ و سفید کی طرح واضح نہیں ہو سکتی۔ اکثر اوقات دونوں ملے جلے ہوتے ہیں جیسا کہ تعلیم اور صحت و علاج کے دائروں پر تفصیلی غور سے سمجھا جا سکتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ اگر مسلمان عوام کو تقلیدِ محض کی تعلیم دی گئی اور مشاہدات و تجربات پر مبنی غور و فکر کی ہمت شکنی کی گئی تو اس کا اثر دینی امور تک محدود نہیں رہے گا۔ وہ دنیوی امور میں بھی

Marfat.com

ایجاد و اختراع، ابداع اور جدید کاری سے محروم رہ کر ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ زندگی ایک اکائی ہے، اس میں دوئی ممکن نہیں۔ لوگ دینی معاملات میں مقلدِ محض بن کر رہیں لیکن دنیوی امور میں نئے نئے راستے نکالیں، ایسا ہونا مشکل ہے۔ ذہن بیدار ہو گا، نئے سوالات اٹھائے گا، مروّجہ طریقوں پر نظرِ ثانی کرنا چاہے گا تو اس کی جولاں گاہ پوری زندگی ہو گی۔ امت کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے۔ ابتدائی چار صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا میں بھی ترقی کی اور دین میں بھی، جس کا زندہ ثبوت ہمارے دینی علوم کا ذخیرہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا، یہی وہ دور تھا جس میں غور و فکر اور تبادلۂ آراء بے روک ٹوک جاری تھا اور سارے مسلمان اس عمل میں شریک تھے۔

کیا سابقہ صورتِ حال کا تسلسل ممکن ہے؟

ہم اگر چاہیں بھی تو سابقہ صورتِ حال (status quo) برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے چند کا ذکر مناسب ہو گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں، گزشتہ چند برسوں میں، معروف فقہی دائرہ میں بھی، استفتاء اور افتاء کے متوارث نظام کی کمزوریاں سامنے آ کر اسلامیانِ ہند کی خفت کا سبب بن چکی ہیں۔ مصر میں عورتوں کے ختنہ کا مسئلہ اور اس میں مفتی حضرات اور ازہر کا اختلاف، عالمی پریس میں شہ سرخیاں بن چکا ہے۔ نائجیریا میں امینہ لاوال کا معاملہ اور پاکستان میں مختاراں مائی کا مسئلہ[۴] بھی فتویٰ کی موجودہ طرز کو بد نام کر گیا۔ آپ مسلمان عوام کی زبان بندی کر سکتے ہیں مگر قومی اور عالمی میڈیا کو تو خاموش نہیں کر سکتے۔ پھر جب بات میڈیا میں اچھلے تو مفتیانِ کرام سے کام نہیں چلتا، اسلام کے دفاع کے لئے مسلم دانشوروں اور صحافیوں کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔ ہم انھیں نئے پیش آمدہ مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے

Marfat.com

غور و فکر کے عمل سے بے دخل رکھ کر وقت آنے پر ان سے شریعت کی وکالت کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟ مناسب یہی ہے کہ سابقہ طریقہ کی جگہ کوئی نیا طریقہ سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے، یہ نہیں کہ وقت گزر جائے اور ہم کوئی قدم نہ اُٹھا پائیں۔

دوسرا سبب جو سابقہ صورتِ حال کے تسلسل میں مانع ہے وہ نئے پیش آمدہ مسائل کی نوعیت ہے۔ جیسا کہ ہم نے معاصر اسلامی فنانس کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے(۵)، اس مخصوص میدان میں عام مفتیانِ کرام سے کام نہیں چلا تو نئے مالیاتی طریقوں کی شرعی توثیق (Shariah Certification) کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا گیا جس کی کوئی نظیر ماضی کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اب اس طریقہ کی محدودیت کا شعور ابھرا ہے، جیسا کہ ہم نے تورّق کی بحث میں واضح کیا ہے(٦)۔ نئے غور و فکر کا سلسلہ جاری ہے، ان شاء اللہ کوئی راہ نکلے گی۔ یہاں اس کا ذکر اس مناسبت سے آیا کہ ایسی صورتِ حال جو فنانس کے میدان میں پیدا ہوئی کل دوسرے میدانوں میں بھی سامنے آ سکتی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری کرنا ضروری ہے۔ تعلیم ہی کے مسئلہ کو لیجئے۔ آج کے مابعد الصنعت (post-industrial)، علم پر مبنی (knowledge-based) سماج میں ہمارے بعض علماء دینی درس گاہوں میں عصری تعلیم کی ضرورت سے انکار کے لئے وہی دلیلیں دے رہے ہیں جو سو ڈیڑھ سو سال پہلے دی جاتی تھیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید تعلیم کا فائدہ یہ ہے کہ نوکری ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ انھیں اس بات کا لحاظ نہیں کہ اس عرصہ میں دنیا بدل گئی۔ عصری تعلیم اب صرف ذریعۂ معاش نہیں۔ عصری تعلیم آج اپنے ماحول کو خود اپنے کو نیز انسان اور اس کے ماحول اور انسان اور انسان کے باہمی ترابط کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ مدارس

Marfat.com

میں عصری تعلیم اس لئے درکار ہے کہ دینی تعلیم میں اختصاص رکھنے والے یہ جان سکیں کہ ان تعلیمات کی تطبیق کن پر ہونی ہے، کن حالات میں ہونی ہے۔ اگر تعلیم کے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کے عمل میں ہر اختصاص کے لوگوں کو شریک رکھا جاتا تو ایسی بھول نہ ہوتی جیسی سیکڑوں سال سے عصری تعلیم کو مدارس سے باہر رکھ کر ہو رہی ہے۔

ایک اہم بات جس کا ذکر کر کے ہم آگے بڑھیں گے ملت اسلامیہ کے مشن، دعوت الی اللہ اور شہادتِ حق سے متعلق ہے۔ آخر کی صدیوں میں تقلید کا حصار ایک دفاعی تدبیر کے طور پر کھینچا گیا تھا۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ عام انسانوں تک اسلام کی تبلیغ اور ان کے سامنے اسلامی زندگی کا نمونہ بن کر آنے کی تدبیر تھی۔ تقلید امت کا ایک داخلی بندوبست تھا، اس کا امت کے اس خارجی مشن سے کوئی واسطہ نہیں جس کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں آیا ہے:

> کنتم خیر امّۃٍ اخرجت للنّاس. [آل عمران: ۱۰]
>
> وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے......

اس خارجی مشن کی انجام دہی کے تقاضے بہت وسیع ہیں۔ تقلید کی پرانی روش آج کی دنیا میں اس مشن کی انجام دہی میں مددگار نہیں ہوتی بلکہ رکاوٹ بنتی ہے۔

اوپر ہم نے نوٹ کیا کہ آخر کی چند صدیوں میں تقلید کا طریقہ اسلامی معاشرہ پر اجنبی (مغربی) قوموں کی یلغار کے زمانہ میں ایک دفاعی تدبیر کے طور پر جاری رکھا گیا۔ مگر تقلید کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ پانچویں چھٹی ہجری ہی سے یہ طریقہ زور پکڑ گیا تھا۔ مگر اس وقت بھی اس کی حیثیت ایک دفاعی تدبیر کی تھی۔

Marfat.com

علماء اور فقہاء نے جب یہ دیکھا کہ ان کے (مسلمان) حکمران سیاسی مصالح اور اپنے اقتدار کے مفاد میں 'اجتہاد' کرنا یا کرانا چاہتے ہیں، تو انھوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے(۷)۔ ہم جس آنے والے دور کی بات کر رہے ہیں، جس کی چند خصوصیات کا آگے ذکر آئے گا، وہ مختلف ہو گا۔ نہ تو اجنبی یلغار کا خطرہ سرِ فہرست ہو گا نہ غیر شورائی، مطلق العنان، 'مسلمان' حکمرانوں کا دور دورہ باقی رہے گا۔ وہ ایک مختلف ماحول ہو گا جس میں ہر مسلمان کو اسلام کی ترجمانی کا بیڑا اٹھانا ہو گا۔ جس میں اس کا موقع ہو گا کہ اصحابِ اختصاص اور عام لوگوں کے اپنے اپنے دائروں کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے، پورا مسلم سماج اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کر دکھانے کے کام میں فعال حصہ لے سکے۔ ہر مسلمان کو پیش آمدہ مسائل کے حل میں حصہ لینے کی دعوت کوئی نئی بات نہیں۔ خود نبی ﷺ کے ارشاد میں یہ دعوت عام مضمر ہے۔

> ......جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھی اسلام میں کسی اچھے طریقہ کا آغاز کیا تو اسے ایسا کرنے کا اجر ملے گا اور اسے ان دوسرے لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس طریقہ کو اختیار کریں، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی کی جائے(۸)۔

نئے پیش آمدہ حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نئے طریقے اختیار کرنے کا سلسلہ اسلامی سماج میں روزِ اوّل سے جاری رہا۔ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین، ان تینوں مبارک ادوار میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ تفصیلات میں جائے بغیر صرف چند کا ذکر کیا جائے گا۔

قرآنِ کریم کے مستند نسخہ کی تیاری اور تمام اسلامی علاقوں میں اُس کی نقلیں

Marfat.com

بھیج کر غیر مستند نسخوں کو واپس منگوانا اور تلف کر دینا، ایک عظیم تاریخی اقدام تھا۔ بے شک نبی ﷺ نے قرآن کریم کو، لکھا ہوا اور لوگوں کو حفظ کیا ہوا، مکمل اور محفوظ چھوڑا تھا۔ مگر دور دراز تک پھیلے اسلامی علاقوں میں اسی مستند نسخہ کی نقلیں پہنچانا، یہ کام نہ تو نبی ﷺ کی زندگی میں ممکن تھا (کیوں کہ نزولِ قرآن کا سلسلہ جاری تھا) نہ عملاً ہوا۔ اس سلسلہ کا پہلا قدم، یعنی نبی ﷺ کے چھوڑے مواد کے مطابق جمع و ترتیب قرآن، پہلے خلیفہ، حضرتِ ابوبکرؓ کی ایماء پر اٹھایا گیا۔ اس کی تکمیل، یعنی متعدد مستند نسخوں کی تیاری اور ان کو ہر طرف بھیج کر غیر مستند نسخوں کی بازیافت حضرت عثمانؓ کی زیرِ نگرانی انجام پایا۔ سارا کام صحابہ کے مشورہ سے کیا گیا۔ ایسا کرنے کا صریح حکم نہ قرآن میں تھا نہ حدیث میں[۹]۔

عہدِ نبویؐ میں حدیث کی تدوین سے گریز کیا گیا تاکہ خدا کا کلام محفوظ رہے۔ یہ کام تابعین اور تبع تابعین کے دور میں زور شور سے شروع ہوا۔ اس عرصہ میں وہ لوگ دور دراز تک پھیل گئے تھے جنھوں نے نبی ﷺ سے، یا ان سے جنھوں نے آپ کو سنا یا دیکھا تھا، حدیث سنی تھی۔ چنانچہ احادیثِ نبی ﷺ کی تدوین کا سلسلہ ڈھائی، تین سو سال تک جاری رہا۔ اس کام کو آزادانہ کام کرنے والے علماء اور محققین نے انجام دیا۔ کسی پر پابندی نہ تھی کہ وہ اس کام میں حصہ نہ لے، کسی پر جبر نہ تھا کہ وہ اس کام میں ضرور ہاتھ لگائے۔ تاریخِ عالم کی اس عدیم المثال علمی تحریک میں لاکھوں افراد، مرد اور عورت، نے اپنے طور پر حصہ لیا۔ اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں[۱۰]۔

جدید حالات، بالخصوص نقل و حمل اور مواصلات کی سہولتوں نے دنیا کو ایک کر دیا ہے۔ مسلمان دوسروں کے ساتھ رہ رہے ہیں، ان سے ہم کلام ہیں، انھیں ان کے اعتراضات کا جواب بھی دینا ہے اور حسبِ موقع اسلام کی اچھی تصویر بھی

Marfat.com

سامنے لانی ہے۔ مزید برآں، جیسا کہ گزشتہ باب، 'مقاصدِ شریعت اور مستقبلِ انسانیت' میں بتایا گیا، بہت سے نئے مشترکہ انسانی مسائل کے حل میں انھیں دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ ان کاموں کو صرف وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے جنھوں نے صرف دینی مدارس میں تعلیم پائی ہو، نہ یہ شریعہ سکالرز کی اس نئی کھیپ کے بس کی بات ہے جو اسلامی فنانس کے طفیل پروان چڑھی ہے۔ اس میں ہر میدان کے تجربہ والے، ہر اختصاص والے، مردوں اور عورتوں، سب کے لئے کردار ادا کرنے کے کچھ کام ہیں۔ سارے انسانوں سے تعامل (interaction) کے لئے ساری امت کا متحرک ہو جانا (mobilization) ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کا کردار یکساں نہیں ہو گا۔ شرعی علوم میں اختصاص رکھنے والوں کی امتیازی کارکردگی سے بھی انکار نہیں۔ مگر ان پر انحصار ممکن نہیں۔ اسلام کی نمائندگی ہر موقع اور ہر میدانِ حیات میں اسی صورت ممکن ہے جب ہر مسلمان میں اپنے اوپر اتنا اعتماد پایا جائے کہ وہ اسلام کی ترجمانی کر سکتا ہے۔ کارِ دعوت میں اختصاص پیدا کرنے والوں کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں، مگر عامّۃ الناس کو دعوت اسلام کی ترجمانی کو ایک محدود طبقہ میں محصور کر کے ممکن نہیں۔

ایک نئے مستقبل کے لئے تیاری

آج سے پچاس، پچھتّر سال بعد کی دنیا اس سے بہت مختلف ہوگی جو آج سے پچاس، پچھتّر سال پہلے، اس زمانہ میں تھی جب موجودہ اسلامی تحریکوں کی داغ بیل پڑی تھی۔ آنے والے حالات کی تین خصوصیات خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ اُس دنیا میں امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں کی چودھراہٹ ختم ہو چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی امریکہ کے پاس اسلحوں کے اسٹاک

Marfat.com

سب سے زیادہ ہوں (جیسا کہ سویٹ یونین کے انحلال کے فوراً بعد روس کا حال تھا) مگر اقتصادی طور پر وہ دوسرے یا تیسرے مقام پر پہنچ چکے ہونے کے سبب کسی فیصلہ کن عالمی رول کے قابل نہ رہ جائے گا۔ دوسری خصوصیت آنے والی دنیا کی یہ ہو گی کہ امریکی تسلط کے خاتمہ کے ساتھ عالمِ اسلام سے فوجی حکمرانوں، ڈکٹیٹروں اور پشتینی بادشاہوں کا بوریا بستر بھی بندھ چکا ہو گا۔ مراکش سے خلیج تک جو نئی حکومتیں بنیں گی، ان کے بارہ میں بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے عوام کے اسلامی رجحانات کی آئینہ دار ہوں گی۔ تیسری اہم خصوصیت بساطِ عالم پر چین اور ہندوستان کی معیشتوں کی بالادستی ہو گی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ نئے سپرپاور اُس استکبار (arrogance) سے کس حد تک بچے رہ سکیں گے جو تاریخِ عالم میں اکثر بڑی طاقتوں کا وطیرہ رہا ہے۔ حال کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی نسبت سے ان کا رویّہ کچھ حوصلہ افزا نہیں رہا ہے۔ اس کے باوجود امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کی تاریخ اس گہری اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی سے نسبتاً پاک رہی ہے جو مغرب کی عیسائی قوموں نے صلیبی جنگوں سے ورثہ میں پائی ہے۔ دونوں ملکوں میں قدیم سے معتدبہ اسلامی اقلیت کی موجودگی کا وزن بھی رائگاں نہیں جا سکتا۔ یہی نہیں، بلکہ اگر دونوں طرف سے ہوش مندی کا مظاہرہ ہوا، اور چین اور ہندوستان کی مسلمان اقلیتوں اور ان ملکوں کی عام آبادیوں، نیز حکومتوں کے درمیان خوش تعلقاتی رہی، تو چین و ہند اور عالمِ اسلامی کے درمیان خوش تعلقاتی اور تعاون پوری انسانیت کے کے لئے رحمت اور برکت ثابت ہو سکتا ہے۔

بڑی کوتاہی ہو گی اگر آنے والے حالات سے مقابلہ کی تیاری ان مفروضات پر مبنی ہو جن پر گزشتہ صدی کی دوسری، تیسری دہائیوں میں ابھرنے

Marfat.com

والی اسلامی تحریکات بنی تھیں: اسلام پر مغرب کی یلغار کا دفاع اور اسلام سے مسلمانوں کے جذباتی لگاؤ کے سہارے نو آزاد مسلم قومی حکومتوں کو اسلامی حکومتوں میں بدلنے کا حوصلہ۔ بیسویں صدی میں مدافعت کا سماں رہا، آنے والا زمانہ مسابقت کا ہے۔ گزرے ہوئے زمانہ کا لہجہ، اس کی ترجیحات، آنے والے زمانہ کی اسلامی تحریک کے لئے سازگار نہیں ہوں گی۔ نئی سوچ کی ضرورت ہے۔ یہ مسابقت صرف اقتصادی نہ ہو گی، نہ اس کا دائرہ صرف علوم و فنون تک محدود رہے گا۔ اصل مسابقت افکار و اقدار کے میدان میں ہونے والی ہے۔ بازی وہ نظامِ فکر و عمل لے جائے گا جو فردِ انسانی کو دوسرے انسانی افراد یا گروہوں کا محکوم بنائے بغیر ان کے دنیوی حوصلے پورے کرنے کا وعدہ کرے اور ساتھ ہی غیبی امور سے متعلق ان کے سوالات کے ایسے جواب دے جو دل میں اتر جائیں۔ جدید انسان نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کی چودھراہٹ سے چھٹکارا حاصل کیا تھا جو خدا کے ترجمان بن کر اس کے بندوں پر حکمرانی کا حق جتاتے تھے۔ امورِ غیب میں حیرانی اسے اب بھی ہے اور وہ تلاش بھی پائی جاتی ہے جو حیرانی کا لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن یہ تلاش وہ اپنی عقل کی رہنمائی میں کرنا چاہتا ہے نہ کہ اس سے دستبردار ہو کر۔ اسی طرح اسے اخلاق کی ضرورت کا بھی اعتراف ہے، مگر وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو بااخلاق بنانے کے نام پر کچھ لوگ دوسرے لوگوں پر قہر ڈھائیں۔ دلوں کو جیت لینے والے عملی نمونے واضح افکار اور صاف ستھرے اقدار کی جلو میں ہی نمودار ہو سکتے ہیں۔ مسلمان علماء اور دانشوروں کا پہلا ہدف جدید انسان کے اندیشوں کو دور کرتے ہوئے اسلام کی ایسی فکری ترجمانی کو ہونا چاہئے جو ایک ایسی متوازن زندگی کی بشارت دے سکے جو حریت اور راست روی دونوں کی ضامن ہو۔ مگر اس ہدف کی طرف پیش قدمی کی پہلی شرط یہ ہے

Marfat.com

کہ امت نہ تو صرف اپنے داخلی مسائل میں الجھی رہے نہ خارج پر اس کی نظر تمام تر خوف اور اندیشہ پر مبنی ہو۔

ماضی قریب کی اسلامی تحریکیں ایسے زمانہ میں ابھریں جب دنیا کی بیشتر مسلم آبادیاں اجنبی اقتدار کے تحت تھیں۔ ان کی محکومیت سے نجات حاصل کرنا اور اسلامی حکمرانی کا قیام ان کی اوّلین ترجیح بنی۔ اب صورتِ حال بدل چکی ہے، ظاہری طور پر سب کو سیاسی آزادی مل چکی، اگرچہ حکمرانی کو اسلامی بنانے میں کامیابی کا درجہ مختلف مسلمان ملکوں میں مختلف، بلکہ بعض حالات میں بمنزلۂ صفر ہے۔ آج معاشی ترقی کی دوڑ ہے، کل کو ترقی بھی حاصل ہو چکی ہو گی۔ مگر جو چیز دور دور تک نہیں ہوتی نظر آتی وہ اس عدل کا قیام ہے جسے بعثتِ انبیاء کا مقصود بتایا گیا ہے۔ جس مستقبل کے لئے ہم امت کو تیاری کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اس میں اسلامی کام کی ترجیحِ اوّل قیامِ عدل و قسط کو حاصل ہو گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس بدلتی دنیا میں سارے انسانوں کے لئے عدل و قسط کا نقشہ کیا متوارث فقہی جزئیات پر قیاس سے بن سکتا ہے؟

قیامِ عدل و قسط کے تقاضے

عدل کیا ہے؟ قسط کیوں کر بروئے کار آئے؟ ان سوالوں کا جواب حالاتِ زمانہ سے بے نیاز ہو کر نہیں دیا جا سکتا۔ اس جواب کی تفصیلات ہر ملک، ہر قوم کے لئے یکساں نہیں ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو جوابات اسلام کی ابتدائی صدیوں میں دیے گئے ان سے کچھ رہنمائی تو ضرور حاصل ہو سکے گی لیکن وہ نہ تو ہر حالت میں قابلِ نفاذ ہوں گے نہ تمام حالات کا احاطہ کر سکیں گے۔ خاص طور پر اقتصادی میدان میں، مگر بالعموم دیگر سماجی امور میں بھی، پہلے اس فساد کو پہچاننا

Marfat.com

ہو گا جو آج پایا جاتا ہے۔ پھر ان اسباب تک پہنچنا ہو گا جو فساد برپا کرنے کا سبب بنے۔ اس کے بعد اس حالت state of the world کا تصور کرنا ہو گا جو مطلوب ہے۔ اس کے بعد ہی اصلاحِ عالم کا نیا اسلامی ایجنڈا مرتب ہو سکے گا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ کام بعینہٖ وہ کام نہیں ہے جس کے لئے قدماء نے اجتہاد کی بڑی بڑی شرطیں بتا رکھی ہیں۔ اس کام کے کچھ عناصر اگر قدیم فقہی اجتہاد سے ملتے جلتے ہیں تو دوسرے عناصر ایسے ہیں جن سے ملتے جلتے کاموں کو قدیم میں سیاستہ شرعیہ، یا کبھی کبھی، تدبیر الملوک کا نام دیا گیا تھا۔ گزشتہ برسوں میں اسی کام کے بعض دوسرے عناصر کو فقہ الدعوہ کا نام دیا گیا۔ اس کام کے مجموعی تصور کو قرآنی اصطلاح تزکیہ سے بھی مناسبت ہے۔ مگر ان قدیم اور اضافی تصورات (concepts) کی گرفت ان نئے زمینی حقائق کے احاطہ سے عاجز ہے جن سے آج سابقہ ہے۔ اس نئے کام میں یہ سب کام شامل ہیں اور کچھ اور بھی جسے ہم کام کے دوران سمجھ سکیں گے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ پچھلی دو صدیوں سے، جب سے دنیا نسبتاً تیزی سے بدلی، امت کے علماء، فقہاء اور دانش وروں نے نئے حالات کی نسبت سے ان سوالات کے جوابات دینے کی کوئی قابل لحاظ کوشش نہیں کی۔ عدل کیا ہے؟ قسط کیسے بروئے کار آئے؟ ان سوالات پر مابعدالصنعتی سماج اور معلوماتی انقلاب (information revolution) کو سامنے رکھ کر تفصیلی طور پر نہیں سوچا گیا۔ سماجی، سیاسی اور اقتصادی میدان ہائے حیات میں آج عدل کے تقاضے کیا ہیں، کیسے پورے کئے جا سکیں گے یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ مگر افسوس کہ گزشتہ صدی کی اسلامی تحریکوں نے بھی اس کی اہمیت اور ضرورت کو نہیں سمجھا۔

اس کمی کا ایک ناپسندیدہ نتیجہ یہ رہا کہ گزشتہ صدی میں جہاں جہاں اسلام کو

Marfat.com

حکمران بنانے کے نئے مواقع ملے وہاں کے تجربے نہ اپنوں کو بھا سکے نہ غیروں کو لبھا سکے۔ پاکستان، ایران، سوڈان، افغانستان...... کے اسلامی مظاہروں نے دنیا کو اسلام کی طرف متوجہ ضرور کیا مگر اسلام سے قریب کرنے میں کوئی مدد نہیں کی۔ جدید حالات میں قیامِ عدل کے لئے ضروری تھا کہ ان حالات کا تجزیہ کرنے اور ان حالات کی مناسبت سے قیامِ عدل کا ایجنڈا مرتب کرنے کے کام میں ہر اختصاص کے مسلمان علماء اور دانش وروں کو شریک کیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا جا سکا۔ الّا ماشاء اللہ، قدیم تصورات اور تفصیلات کا سہارا لیا گیا اور نئی نزاکتوں کی رعایت نہ ملحوظ رکھی جا سکی۔ مقاصدِ شریعت، مصالحِ امت اور فلاحِ انسانیت کو سامنے رکھ کر اجتہاد کی بجائے فقہی اجتہاد بمعنی معروف کا راستہ اختیار کیا گیا جو زیادہ تر فروع و قیاس پر مشتمل تھا، جس کے بعد مسلکی اختلاف اور مذاہب فقہ کی تقلید خود بخود آ گے آ گئی۔

مثالیں اکثر بات کو سمجھانے میں مددگار ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی ان کی وجہ سے نئی اختلافی بحثیں بھی کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس خطرہ کے باوجود اوپر کی بات ایک مثال کے ذریعہ واضح کی جائے گی۔ سیاسی اور معاشرتی دائرہ میں بھی مثالیں ممکن ہیں لیکن ہم اقتصادی زندگی کی مثال دیں گے۔ اس بارہ میں کم ہی اختلاف کیا جائے گا کہ گزشتہ صدی کے اسلامی جوش و خروش کا ایک بڑا نتیجہ اسلامک بینکنگ اور فنانس ہے۔ وہی مسلمان جن کے درمیان دین داری اور تقویٰ ناپنے کا پیمانہ یہ تھا کہ وہ بینکوں سے کتنے دور رہتے ہیں، آگے بڑھ کر اسلامی بینک قائم کرتے نظر آئے! نصف صدی سے کم عرصہ میں دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں اسلامی مالیاتی اداروں کا ایک وسیع جال بچھ گیا جس سے علماء دین بحیثیت نگراں اور مشیر وابستہ ہوئے۔ ماضی کی بعض دینی سرگرمیوں کی طرح یہ مظہر کوئی علاقائی

Marfat.com

مظہر نہیں، نہ کسی غیر معمولی پرکشش لیڈر، مذہبی رہنما یا سماجی کارکن کی خصوصی دین ہے۔ اپنی نوعیت کا یہ ایک اچھوتا مظہر ہے۔ امید کی جانی چاہئے کہ مال و دولت سے تعلق ہونے کے سبب اس کا کچھ نہ کچھ اثر عدل و قسط کے اس تصور کو عملی جامہ پہنانے سے بھی ہوگا جس کا اسلام علمبردار ہے۔ جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے، انسانی احتیاجات کی تکمیل کے لئے پیداوارِ دولت میں اضافہ کے ساتھ، دولت اور آمدنی کی تقسیم میں ناہمواریاں کم کرنا، اسلام کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ چنانچہ فنانس کے بارہ میں اسلامی ارشادات اور اصلاحات کے بھی یہی دو ہدف رہے ہیں: اعلیٰ کارکردگی اور عدل و قسط۔ اہم سوال یہ ہے کہ معاصر اسلامک بینکنگ اور فنانس نے ان دونوں مقاصد، بالخصوص مقصدِ عدل کی تحصیل میں کیا مدد کی اور اگر اس بارہ میں ریکارڈ اچھا نہیں تو غلطی کہاں ہوئی؟

اس سوال کا جواب ہمیں دو الگ الگ حالات میں تلاش کرنا ہوگا۔ پہلے ان ملکوں کو لیجئے جنھوں نے حکومتی سطح پر اس فکر کو اپنایا، یعنی پاکستان، ایران اور سوڈان۔ اصل امید انہی سے وابستہ کی جانی چاہئے کیوں کہ سماجی اور معاشی عدل کے قیام میں نجی دائرہ میں قائم ہونے والے مالیاتی ادارے حصہ تو لیتے ہیں لیکن فیصلہ کن نہیں ہو سکتے جب تک ان کی پشت پر ایک ایسی ریاست نہ ہو جو عدل و قسط کا صحیح تصور رکھتی ہو۔ مذکورہ بالا تین ریاستوں کے علاوہ، جو دستوری طور پر اسلامی نظام عدل کے قیام کی مکلّف ہیں، ملیشیا اور خلیج کی بعض ریاستوں نے بھی اسلامی مالیاتی نظام کو حکومتی سرپرستی دے رکھی ہے۔ پہلے ان ملکوں کا ریکارڈ دیکھا جانا چاہئے پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ جن ممالک میں نجی دائرہ میں اسلامی مالیاتی اداروں کی قابلِ ذکر تعداد کام کر رہی ہے ان کا کیا حال ہے۔

کارکردگی کا اندازہ شرحِ نمو سے کیا جا سکتا ہے۔ عدل و قسط کے لئے یہ

Marfat.com

دیکھنا ہو گا کہ غربت کے ازالہ اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائے جانے والے فرق میں کمی ہوئی یا نہیں۔ مذکورہ بالا ممالک میں سے اکثر کی شرحِ نمو حالیہ برسوں میں اچھی رہی مگر اس کی بنیاد پٹرول (ایران، سوڈان اور خلیجی ریاستیں) یا امریکی امداد (پاکستان) ہے۔ ملیشیا اچھی رفتار سے ترقی کر رہا ہے، مگر یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اس ترقی میں نظامِ زر و مالیات کو کتنا دخل ہے۔ غربت میں کمی ملیشیا اور خلیجی ریاستوں میں واقع ہوئی ہے مگر ان دونوں ممالک میں بھی دولت اور آمدنی کی تقسیم میں ناہمواری بڑھی ہے۔ ایران سوڈان اور پاکستان میں بھی دولت اور آمدنی کی تقسیم میں ناہمواری بڑھی ہے اور غالباً غربت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

نجی دائرہ میں قائم ہونے والے اسلامی مالیاتی اداروں کے مقاصد شروع ہی سے محدود تھے۔ ان کا مشن یہ تھا کہ فنانس کے مروّجہ طریقوں کو حرام سے پاک کر کے اس قابل بنا دیا جائے کہ مسلمان انہیں استعمال کر سکیں۔ سود، قمار اور غررِ کثیر، یہ تین بڑی خرابیاں ہیں جو مروّجہ مالیاتی لین دین میں پائی جاتی ہیں۔ شریعہ اسکالرز کے تعاون سے اسلامی مالیاتی اداروں نے قدیم سے جاری اسلامی عقود پر مبنی ایسے بدل تلاش کر لئے جن کو اختیار کر کے مسلمان صنعت و تجارت میں آگے بڑھ سکتے تھے۔ یہ بڑا اچھا کام ہوا، مگر ظاہر ہے اس سے اسلامی عدل کا قیام عمل میں نہیں آ جائے گا۔ اس کام سے مسلمان اہل ثروت کو اپنی دولت کو مزید دولت کمانے کے جائز طریقے مل گئے۔ لیکن مسلمانانِ عالم کی تہی دست اکثریت کی جھولی میں ڈالنے کے لئے اسلامک بینکنگ اور فنانس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اسلامی اصول پر سرمایہ کاری کرنے والی کمپنیاں ایسے طریقے اختیار کرنے سے قاصر رہیں جن کے ذریعہ اصحابِ سرمایہ کے لئے نفع کمانے کے ساتھ کام کے لائق مگر کام میں لگانے کے لئے درکار سرمایہ سے محروم انسانوں کو کام پر لگایا

Marfat.com

جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تیس برسوں میں اسلامک بینکنگ اور فنانس کے نام پر جو کام ہوئے ان میں عدل و قسط کے قیام کو مقصود نہیں بنایا جا سکا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، گزشتہ نصف صدی کا اسلامی معاشیاتی لٹریچر عدل و قسط کی تلاش سے خالی ہے، الاّ ماشاء اللہ۔ اس لٹریچر میں ترقی اور اس کی شرطوں پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے مگر قیام عدل کی شرطوں کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی۔ خاص طور پر ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ مطلوبہ عادلانہ معاشی نظام زر اور مالیات کے باب میں کیا جوہری تبدیلیاں چاہتا ہے۔ کہیں بازار کا دباؤ اور کہیں سرکار کا دباؤ، ہم کو آلیاتی (mechanical) تبدیلیاں کر کے مروّجہ طریقوں کو اسلامی بنانے پر مجبور کرتا رہا۔ لیکن اب یہ احساس عام ہو رہا ہے کہ اسلامی بینکنگ اور فنانس کو ایک نئی کروٹ لینے کی ضرورت ہے، جس میں روح کو قالب پر اور جوہر کو ظاہر پر فوقیت حاصل ہو۔ اس احساس کے پیچھے صرف یہی بات نہیں کہ نظامِ زر اور فنانس کو اسلامی تقاضا کے بموجب مقاصدِ شریعت سے مربوط کرنا ہنوز باقی ہے۔ اس کے پیچھے یہ تشخیص بھی ہے کہ مروّجہ سرمایہ دارانہ نظام زر و مالیات انسانی فلاح اور عالمی امن کے لئے خطرہ بن چکا ہے۔

یہ موقع اس کا نہیں کہ کوئی تفصیلی ایجنڈا پیش کیا جائے۔ اپنے عمومی موضوع، مقاصدِ شریعت، کی مناسبت سے یہ نوٹ کرنا کافی ہے کہ معاشی زندگی میں اسلام کو سرمایہ داری سے مختلف اور ممتاز بنانے والی چیز اخلاق ہے جس کی جڑیں توحید میں پیوستہ ہوں۔ اسلام نے انسان کو تمام تر مفادات و مصالح کی بنیادوں پر فیصلے کرنے کی بجائے اقتصادی امور میں فیصلے کرتے وقت بھی اخلاقی اقدار کو سامنے رکھنا سکھایا ہے۔ صارف ہو یا پیدا کنندہ، مل مالک ہو یا مزدور، ادھار لینے والا ہو

Marfat.com

یا ادھار دینے والا...... یہ سب اگر ہر موقع پر صرف اپنے نجی مفادات کی بڑھوتری چاہیں تو وہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے جسے دنیا سرمایہ داری کے نام سے آج بھگت رہی ہے۔ قومی سطح پر یہ رویہ قومی مفادات کی خاطر انسانی مصالح کی پامالی یا دوسری قوموں کے ساتھ دنیا کے خداداد وسائل میں برابر کے ساجھیوں جیسے سلوک کی جگہ ان کے استحصال اور اپنی چودھراہٹ جمانے کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ یہ طریقے انسان جیسے سماجی وجود کو راس نہیں آتے۔ ذاتی نفع کی تکثیر (profit maximization) کا رویہ انسان کو اپنے بھائی انسان کے مفادات و مصالح کے بارہ میں لاپروا بلکہ بعض اوقات ان کو پامال کرنے والا بنا دیتا ہے۔ جب کہ سچائی، ایمان داری، انصاف، مساوات، ہمدردی جیسی اخلاقی قدریں انسان کو سکھاتی ہیں کہ اپنے مفاد کی تحصیل کے ساتھ دوسروں کے بھلے کا بھی خیال رکھیں۔ مفادات کے ساتھ اقدار کے حامل لوگ قومی سطح پر بھی دوسرے انسانوں کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کا تصورِ حیات انہیں سکھاتا ہے کہ جب بولیں سچ بولیں، جب تولیں ٹھیک تولیں، ادھار لیں تو ادا کرنے کی نیت سے لیں، نادار، کمزور اور لاچار کو اپنے مال میں سے کچھ دیں۔ دوسرے انسانوں کو اپنے اغراض کی تکمیل کے ذرائع سمجھنے کی بجائے انسانوں سے اچھے تعلقات رکھنے کو مقصود بالذات سمجھیں۔

اسلامی معاشیات کو شروع ہی سے اس بات کا شعور تھا کہ انسان کے صرف بندۂ مفادات و مصالح ہونے کا مفروضہ غلط ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ انسان اخلاقی اور روحانی اقدار سے بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ کب، کس حد تک اور کیوں کر یہ سوالات تحقیقی جوابات چاہتے ہیں۔ قوتِ ارادی سے سرفراز، آزادیِ اختیار و انتخاب کے مالک انسان کے اقتصادی رویہ پر اخلاق و اقدار کے اثرات کے مطالعے کے لئے جو تاریخی، اور میدانی تحقیق درکار ہے اس کے اہتمام کی توقع

Marfat.com

چھائے ہوئے نیو کلاسیکی علمِ معاشیات سے نہیں کی جا سکتی۔ جدید علمِ معاشیات جس فضا میں پروان چڑھا ہے اس کے زیرِ اثر اس نے اخلاق و اقدار کو اپنے دائرۂ تحقیق سے باہر قرار دے رکھا ہے۔ اس غیرحقیقت پسندانہ موقف کی بدولت انسان کو بہت کچھ بھگتنا پڑا ہے۔ لیکن اب اس موقف سے بڑے بھاری انفرادی اور قومی مفادات وابستہ ہیں ان کی گرفت سے اہلِ مغرب کو آزاد کرنے کی بنیادیں ہم کو باہر سے فراہم کرنا ہوں گی۔

اسلامی معاشیات کے لئے کرنے کا کام ان تصورات پر مبنی ایسے رویوں اور اداروں کی نقشہ کشی ہے جو ایک طرف تو اخلاق و روحانیت کی بنا پر اسلامی سند رکھتے ہوں دوسری طرف تاریخ اور معاصر زمینی حقائق ان کے عملی ہونے پر گواہ ہوں۔ یہ کام قیاس و استدلال سے زیادہ اختراع اور تجربیت (creativity and empiricism) کا طالب ہے۔ گزشتہ صدی میں جو کام ہوا وہ زیادہ تر مسلمانوں کے لئے کیا گیا تھا۔ گزشتہ صدی کے وسط میں بہت سی مسلمان آبادیاں نوآبادیاتی استعمار سے باہر آ کر اس قابل ہوئیں کہ آزادی کے ساتھ اپنا معاشی نظام وضع کریں۔ اسلامی معاشیات والوں نے آگے بڑھ کر ایسے خطوطِ کار پیش کئے جن کی روشنی میں وہ اس وقت کی سرمایہ داری اور کمیونزم کی آویزش سے دوچار دنیا میں اپنا راستہ شریعت اسلامی کے مطابق نکال سکتی تھیں۔ آج اسلامی معاشیات کو سارے انسانوں کے لئے کام کرنا ہے۔ ایسا کرنا ایک طرف تو ہمارے اسلامی مشن کا تقاضا ہے اور دوسری طرف اس بات کا کہ اب دنیا اس طرح گھروندوں میں بٹی نہیں رہ گئی جیسے وہ سو سال پہلے تھی۔ اب مختلف قومی ریاستوں کے لئے اپنے الگ الگ نظامِ زر و مالیات کا قیام ممکن نہیں۔ گلوبلائزیشن کا مالیاتی لین دین اور نظامِ زر پر گہرا اثر پڑا ہے۔ دنیا ایک ہو رہی ہے۔ آج کے چیلنج کا

Marfat.com

تقاضا یہ ہے کہ اپنا گھر ٹھیک کرنا ہے تو پڑوس کی بھی فکر کی جائے، اپنی گلی صاف رکھنا ہو تو پورے محلّہ کا خیال رکھا جائے۔

اوپر عدل و قسط کے سیاق میں اسلامی معاشیات کی مثال، بات کو واضح کرنے کے لئے دی گئی ہے۔ مگر جائزہ لیجئے تو فکر و عمل کے سارے دائروں کا یہی حال ہے۔ سیاسی فکر اور حکمرانی کے طریقوں کے بارہ میں غالباً اس سے زیادہ تشویش ظاہر کی جا سکتی ہے جتنی تشویش ہم نے معاصر معاشی فکر و عمل کے بارہ میں ظاہر کی ہے۔ مقاصد شریعت کی تحصیل میں ناکامی کا ریکارڈ سیاست میں زیادہ نمایاں ہے۔ معاشرت کی زبوں حالی اس لئے قابلِ افسوس ہے کہ اس میدان میں غالب تہذیب کی ناکامی سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ مسلمان اگر سچی اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کر سکتے جو دور جدید سے مناسبت رکھنے کے ساتھ سارے انسانوں، مرد، عورت، کالے، گورے، مغربی، مشرقی، شمالی، جنوبی...... سب کو اس طرح کی مساوات، حریت اور شرف (dignity) حاصل رہنے کی ضمانت دے سکتا جو خدائے واحد کی بندگی کا لازمہ ہے، تو آج اسلام کی تصویر وہ نہ بنتی جس نے پوری امت کو دفاعی پوزیشن میں ڈال رکھا ہے۔

تلافیٔ مافات کی کوشش ضروری ہے اور اس کی بھی کہ آئندہ کے لئے سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا جائے۔ اس عمل کے آغاز میں حالیہ تجربوں کا تنقیدی جائزہ لینا بھی ضروری ہے اور آئندہ کے لئے ممکن طریقوں پر کھل کر گفتگو بھی۔ ظاہر ہے یہ نہ تو کوئی دل خوش کن کام ہے نہ ایسا جس کے نتائج پر سب کا اتفاق ممکن ہو۔ لیکن زندگی کی اسلامی تعمیرِ نو کے کام میں اسلامی صفوں کے درمیان مقاصدِ شریعت کے فہم و تطبیق کے عمل میں اختلافات کو جاننا اور ان پر تبادلہ رائے کرنا ہماری ایک بڑی ضرورت ہے۔ اس کتاب میں ہماری کوشش رہی ہے کہ اس غور و فکر

Marfat.com

اور تبادلہِ رائے میں حصہ لیں، اور کتاب پڑھنے والوں کو بھی اس عمل میں حصہ لینے پر آمادہ کریں۔ وباللہ التوفیق!

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات باب ہشتم

۱۔ ملاحظہ ہو تیسرا باب

۲۔ مسلم، صحیح، حدیث نمبر۲۶۹۹۔ کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن و علی الذکر

۳۔ مولانا عمید الزمان قاسمی کیرانوی: شاہ ولی اللہ کی تجدیدی خدمات؛ چند پہلو، صفحہ ۹۶۔ امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات، مرتبہ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۴۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

Akbar Ahmed, *Journey into Islam,The Crisis of Globalization*, Penguin: New Delhi (2007), pp 99-101 & 108.

۵۔ ملاحظہ ہو، چھٹے باب ''مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اسلامی فنانس کا جائزہ'' کا آخری حصہ

6. Mohammad Nejatullah Siddiqi, "Economics of Tawarruq" paper presented on 1 February, (2007), at The London School of Economics, in a workshop on "Tawarruq". Reproduced in Business Islamica, Dubai, June 2007

7. Sherman A. Jackson, *Islamic Law and the State: The Constitutional Jurisprudence of Shihab al Din al Qarafi,* (626/1228---682/1283), *Kitab al-Ihkam fi Tamyiz al Fatwa an al-Ahkam wa Tasarrufat al-Qadi wa al-Imam*, E.J Brill, Leiden, New York, Koln. (1996) خاص طور پر صفحات ۲۱۵؛ ۸۲ اور مترجم کے مقدمہ کا صفحہ ۳۳۔

۸۔ مسلم، صحیح، حدیث نمبر ۱۰۱۷۔ کتاب الزکاۃ، باب الحثّ علی الصدقہ

۹۔ بعض تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، جناب سیّد صدیق حسن صاحب مرحوم، جمع و تدوینِ قرآن، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۸۷ء

۱۰۔ بعض تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر صبحی صالح، علوم الحدیث، مترجمہ غلام احمد حریری، نئی دہلی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۲۔

Marfat.com

اشاریہ

آ

آدم:۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰

آئی ایم ایف:۲۳۰

ابراہیمؑ:۱۰۰

ابراہیم (شیخ):۴۷

ابراہیم کیلانی:۲۰

ابراہیم نخعی:۱۵۸

ابضاع:۱۹۴

ابن تیمیہ: (پیش لفظ:س)، ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۵، ۱۳۹، ۱۴۰

ابن الحاجب: (پیش لفظ:س)

ابن خلدون:۱۶۸

ابن الدغنہ:۲۷۳

ابن رشد:۲۰

ابن سبکی: (پیش لفظ:س)

ابن قیم الجوزیہ:۷، ۱۱، ۱۵، ۲۵، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۳، ۱۳۸

ابن نجیم:۱۵، ۱۶

ابن ہشام:۱۳۳

ابوبکر صدیقؓ:۳۵، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۴، ۲۶۵، ۲۷۳،

ابوبکر الامہری: (پیش لفظ:س)

ابوبکر القفال الشاشی: (پیش لفظ:س)

ابوحنیفہؒ:۶، ۶۱، ۲۱۷، ۲۱۸

ابوذر غفاریؓ:۲۵۶

ابوسعید خدریؓ:۱۱۱، ۱۴۰، ۱۴۲، ۲۵۴، ۲۵۶

ابوشُریح الخزاعی:۲۵۳

ابوعبیدۃ بن جراحؓ:۱۳۵

ابومنصور ماتریدی: (پیش لفظ:ن)

ابوموسیٰ الاشعریؓ:۱۱۱، ۲۵۴

ابوہریرہؓ:۱۳۲، ۲۵۳، ۲۹۵

اجارہ: ۱۹۳، ۱۹۷، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۴

اجتماعی مصالح:۴۲

اجتہاد:۱۰۳، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۷، ۳۰۱، ۳۰۸

احتکار:۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۵

احمد الخملیشی:۱۹، ۲۵

احسان:۸۸، ۲۰۰، ۲۰۱

احمد الریسونی: (پیش لفظ:س)

احمد صدقی دجانی:۱۶۶

اختراع وتجربیت:۳۱۳

اختلاف فہم:۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸

Marfat.com

اختلاف فیصلہ:۱۲۲

اختلاف موقف:۱۷۱

ادارہ تحقیقات اسلامی: (تقدیم:ک)

اسپین:۷،۱۱،۳۸،۱۲۹،۲۶۹

استصناع:۱۹۳،۱۹۴،۱۹۵،۱۹۶،۱۹۷،۲۱۳،
۲۲۷

اسحاقؑ:۱۰۰

اسلامک بینک آف بریٹین:۲۲۱

اسلامک ڈویلپمنٹ بنک:۲۲۹

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا:۵۵،۵۸

اسلامی طریق فیصلہ کی بحالی:۱۴۴

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان:۵۴،۵۵

اسلامی مالیاتی ادارے:۳۰۸،۳۰۹،۳۱۱

اسماعیلؑ:۱۰۰

الأسنوی: (پیش لفظ:س)

الشرق الأوسط (اخبار):۱۵۹

اظہار رائے:۱۳۹،۱۴۰،۱۴۱

افغانستان:۳۹،۳۰۸

اقبال، علامہ محمد:۲۱۱

الپ ارسلان:۳

امانہ:۱۹۴

امینہ لاوال:۲۹۸

انس بن مالکؓ:۱۰۹،۱۱۲،۲۵۴

انصاری، ظفر اسحاق: (تقدیم:ل)

اورنگ زیب عالمگیر:۵۲

انیجلز:۲۹۱

ایوب خان:۱۷۴

الباقلانی: (پیش لفظ:س)

ب

بازار حقیقی: ۲۲۲،۲۲۶

بازار زر:۷۰،۲۲۲،۲۲۶

بحرین مانیٹری ایجنسی:۵۵

بخاری (صحیح):۶۱،۱۷۰

بدلتا ہوا زمانہ:۱۲۶،۱۲۷،۱۲۸

البرہان:۳

بریدہ:۶۴

بکر ابوزید:۷۲

بینک کا سود:۱۸۱

بنک نگارا ملیشیا:۵۵

بنیادی حقوق:۱۷۲

بنیادی مصالح:۲۰

بنی حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ:۲۷۳

Marfat.com

البیھاوی: (پیش لفظ: س)

البیوع المنہی عنہا: ۲۰۷

بیع العربون: ۱۹۵، ۲۰۲، ۲۰۳

بیع المضطر: ۲۰۵

بیعتین فی بیع: ۲۰۶

بیع الکالی بالکالی: ۲۰۶

بیع الوفا: ۲۰۹، ۲۱۰

بیع المرابحہ للآمر بالشراء: ۲۱۳

پ

پاکستان: ۵۵، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۰۹

ت

تدبیر الملوک: ۳۰۷

تدلیس: ۲۰۵

تلقی جلب: ۱۹۹، ۲۰۱

تمسکات: ۷۱، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۵

تدبیر مملکت: ۳۲، ۳۴

تجزیہ ماحول: ۱۲۲

تسعیر: ۷۶

تقلید: ۳۵، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۲۹۰، ۳۰۰

تکثیر نفع: ۳۱۲

تلافی ما فات: ۱۳۰

تمویل: ۶۸، ۷۱، ۷۳، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴

تورّق: ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۹۹

ث

ثمود: ۲۸۰

ج

جابر: ۱۳۲، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۴

جامعۃ الأزہر: ۵۴، ۵۵

جامعۃ الامام سعود (ریاض): ۵۴

جدہ: ۵۵، ۱۶۱

جریر بن عبداللہؓ: ۳۰۱

جعالہ: ۱۹۴

جمال الدین عظیم: (پیش لفظ: ف)

جمع وترتیب قرآن: ۳۰۲

جہابذہ: ۲۰۳، ۲۰۴

جہل مفضی الی النزاع: ۲۰۵

الجوینی: (پیش لفظ: س) ۳، ۴، ۵، ۱۸، ۲۵، ۲۷، ۲۹

Marfat.com

جنیٹک انجینئر نگ (Genetic Engineering):
۱۸۲،۱۷۸

جینی علوم (Genetic Sciences): ۱۷۷

ح

حارثہ ؓ: ۱۳۴

حاکم الترمذی: (پیش لفظ: ن)

حجۃ اللہ البالغہ: (پیش لفظ: م)

حدیث کی تدوین: ۳۰۲

حقیقی اشیاء اور خدمات: ۷۰

حقیقی معیشت: ۷۱

حسن ترابی: ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۷۷

حماد بن ابی سلیمان: ۱۵۸

حوالہ: ۱۹۴، ۲۰۵

حیرہ: ۱۵۸

خ

خالد ؓ بن الولید: ۲۵۷

خطر: ۱۷۹، ۱۹۰، ۱۹۱

خواتین کا دائرۂ کار: ۳۹، ۴۰

خوش آئند حالات: ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵

خیبر: ۱۳۴

د

دار المال الاسلامی (جنیوا): ۱۸۱

داؤد ؑ: ۹۳

دبئی اسلامک بنک: ۲۱۵

دہشت گردی: ۲۸۲

Derived deposits: ۲۳۱

ڈی۔این۔اے: ۱۷۸

ذ

ذمی: ۱۷۲، ۱۷۳

ر

رابطۃ العالم الاسلامی: ۵۵، ۶۳

الرازی، فخر الدین: (پیش لفظ: س)

راشد غنوشی: ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۶

رستم: ۲۶۳، ۲۶۶

رفع اختلاف: ۱۳۷

رہن: ۱۹۴

ز

زباں بندی: ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۳

زید بن ارقم ؓ: ۲۶۳

Marfat.com

س

سالم الشیخی: ۱۶۴

سفتجہ: ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۹

سماجی مساوات: ۴۳

سعد بن مالکؓ: ۲۶۵

سٹہ بازی: ۷۰، ۷۲

سعید بن میتب: ۱۳۱، ۲۵۴

سلم: ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۳، ۲۱۹،
۲۲۷، ۲۲۹

سلیمان: ۲۶۳

سلیمان ندوی: ۵۳

سنہوری، عبدالرزاق: ۵۳

سوڈان: ۵۵، ۱۵۹، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۲، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۱۰

سیاست شرعیہ: ۳۰۷

سید درش: ۱۶۵

سید قطب: ۱۳۳، ۱۷۴

سیرت ابن ہشام: ۱۳۳

سیف الدین آمدی: (پیش لفظ: س)

سیموئیل ہننگٹن: ۱۷۷

سیوطی، جلال الدین: ۱۵، ۱۶

ش

شاطبی: (پیش لفظ: ط)، ۱، ۶، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۳،
۱۴، ۱۵، ۱۸، ۲۰

شاہ ولی اللہ (محدث دہلوی):
(پیش لفظ: م، ن)، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۷۷، ۲۹۶

شرکت: ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۷

شرعی توثیق، ۲۹۹

شریعہ ایڈوائزری بورڈ: ۵۵

شعبی: ۱۵۸

شعیبؑ: ۲۷۲

شہریت کے مسائل: ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳

شورائی طریق فیصلہ: ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶،
۱۴۹، ۱۵۰

شیخ بن باز: ۷۲، ۷۳

ص

صالحؑ: ۱۰۲

صدیق الضریر: ۷۲

صدیقی، نجات اللہ: (تقدیم: ل)

صفوان بن سلیم: ۲۵۳

صک: ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۱۹

Marfat.com

صیرفہ:۲۰۳،۲۰۴

صلہ رحمی:۸۸

ض

ضرار:۲۰۵

ط

طارق رمضان:۱۶۵

الطوفی:(پیش لفظ:س)

ظ

ظلم:۹۲،۹۳،۹۴،۹۵،۹۶،۹۷،۹۸،۹۹،
۱۰۳،۱۱۴

ع

عاد:۲۸۰

عائشہؓ:۳۳،۱۰۸

عبدالفتاح ابوغدۃ:۱۶۵

عبداللہ بن عباسؓ:۶۱،۱۱۱،۱۳۵

عبداللہ دراز:۱۷۴

عبداللہ بن عمرؓ:۱۴۳،۲۵۶،۲۵۷

عبداللہ بن عثیمین:۷۲

عبداللطیف محمد عامر:(پیش لفظ:ط)

عبدالوہاب خلاف:۵۲

عثمانؓ بن عفان:۱۱۲،۱۱۴،۱۳۶،۱۳۷،۳۰۲

عدل:۸۷،۸۸،۹۰،۹۱،۹۲،۱۱۴،۳۰۶،۳۰۹،
۳۱۰،۳۱۱،۳۱۴

عدم تیقن:۱۷۹،۱۹۰،۱۹۱،۱۹۵،۲۰۵

عراق:۳۴،۱۱۳،۱۲۵،۱۳۴،۲۶۹،۳۰۹

عزالدین بن عبدالسلام:۱۱،۱۴،۱۵،۱۶،۲۵،۲۶

عطاء ابن یسار:۱۴۲

عطیہ، جمال الدین:(پیش لفظ:ف)

عقود:۱۹۴،۱۹۷

علال الفاسی:۱۹

علیؓ:۱۱۲،۱۱۴،۱۳۱،۱۳۴،۱۳۷،۱۵۸،۲۵۴،۲۶۷

علی گڑھ:(تقدیم:ل)

عمرؓ (ابن الخطاب)۳۴،۱۱۰،۱۱۲،۱۱۳،۱۳۴،
۱۳۵،۱۳۶،۱۵۸،۲۵۳،۲۶۵

عمروؓ بن العاص:۶۵

عمرؒ بن عبدالعزیز:۳۵،۶۲

عمرو بن شعیب:۲۶۲

عورت کی سربراہی:۱۷۴

عورتوں کا سماجی کردار:۱۷۵،۱۷۶

عیسیٰ عبدہ:۲۱۴

عینہ:۶۹،۲۱۹

Marfat.com

غ

غرر:۱۹۸،۱۹۹،۲۰۵،۲۰۶،۲۰۷

غزالی (ابو حامد): (پیش لفظ:س)،۵،۶،۷،
۱۳،۱۵،۱۸

غش:۲۰۵

غطفان:۱۳۴

الغیاثی:۳

ف

فارس:۲۶۳

فتاویٰ تاتارخانی:۵۲

فتاویٰ عالمگیری:۵۲

فتح الرحمان فی ترجمة القرآن:۲۹۶

فتویٰ کونسل:۵۵

فرعون:۱۰۱،۲۸۰

الفروق:۱۶

فساد:۱۰۰،۱۰۱،۱۰۲،۱۰۳،۱۱۴،۲۷۶،۲۷۹

فقہ الدعوہ:۳۰۷

فکر و نظر (مجلّہ): (تقدیم:ل)

فکری انتشار وانحطاط:۱۲۸،۱۲۹

فوجی خدمت:۱۶۹،۱۷۰،۱۷۱

فہم سنت:۱۲۱

فہم قرآن:۱۱۸،۱۱۹،۱۲۱

فی ظلال القرآن:۱۳۳

ق

قانون مقارن:۵۴

قادسیہ:۲۶۳،۲۶۵

القرافی: (پیش لفظ:س)،۱۵،۱۶

قرض حسن:۷۳،۲۲۰

قرضاوی، علامہ یوسف: ۶۰،۶۱،۷۲،۱۵۵،
۱۵۶،۱۶۴،۱۶۵،۱۶۹،۱۷۳،۱۷۴

قریشی، انور اقبال:۲۱۴

قیاس:۳۵،۵۲،۵۳،۵۷،۲۹۰

ک

کفالہ:۱۹۴،۲۰۶

کلوننگ:۱۷۸

کلی مصالح:۴

کوفہ:۱۴۱،۲۹۲

کویت فنانس ہاؤس:۲۱۵

کیف نتعامل مع السنة النبویة: معالم وضوابط:۶۰

الکیلانی، عبدالرحمٰن: (پیش لفظ:س)

کینز (Keynes):۲۳۵

Marfat.com

گ

گلوبل وارمنگ: ۲۶۸

گلوبلائزیشن: ۳۶، ۴۱، ۳۱۳

ل

لیلیٰ خالد: ۲۶۹

م

ماذن ہاشم: ۲۰

ماحولیاتی تلوث: ۱۱۸، ۱۴۹، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۴

ماحولیاتی توازن: ۲۷۰

مارکس: ۲۹۱

مالکؒ (بن انس): ۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۵۳

مالیاتی وساطت: ۱۹۰

ماوردی: ۱۸

مبادلہ: ۱۸۹

المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث: ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۴

مجلس تعلیمات اسلام: ۵۳

مجلّہ احکام عدلیہ: ۵۲، ۵۳، ۲۱۰

مجمع البحوث الإسلامیۃ: ۵۵

مجمع الفقہ الإسلامی: ۵۵

مجمع فقہی: ۶۳

المجمع الفقہی الاسلامی: ۵۵

محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۴، ۱۰۴، ۱۳۴، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۹۱

محمد اسد: ۵۳، ۱۷۷

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: ۵۳

محمد شفیع (مفتی): ۵۳

محمد طاہر بن عاشور: ۱۹، ۳۰

محمد عبد الرشید: ۱۶۹

محمد عبد اللہ العربی: ۲۱۴

محمد عزیز: ۲۱۴

محمد الغزالی (شیخ): ۱۷۴

محمد فردوس نور الہدیٰ: ۱۸۱

محمد مصطفیٰ زحیلی: ۲۰

محمود ابو السعود: ۲۱۴

مختاراں مائی: ۲۵۸

مرابحہ: ۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۴

مدارج السالکین: ۱۱۰

مزارعت: ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷

مساقات: ۱۹۳، ۱۹۷

مدینہ منورہ: ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۹۷، ۲۹۲

مراجع المضارب یضارب: ۱۹۵

Marfat.com

مرادہوفمان:۱۷۷
مراکش:۱۹،۴،۳۰۴
المرأة بین القرآن الکریم وواقع المسلمین:۱۷۴
مسلمان عورت، کتابی مرد: ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰،۱۶۱،۱۸۰
مسلم(صحیح):۶۱،۶۵،۱۷۰
مشاورت کے فوائد:۱۳۸،۱۳۹
مصالح عامہ:۲،۷۲،۲۸۳
مصالح مرسلہ:۲،۶،۱۲
مصلحت راجحہ:۱۷۸
مصر:۵۳،۱۲۵،۲۱۲،۲۱۶،۲۹۸
مصطفیٰ زرقاء:۶۵،۶۶،۶۸،۶۹،۱۶۵
مضاربت:۱۹۲،۱۹۳،۱۹۴،۲۱۲،۲۱۵،۲۳۲
معاذؓ (ابن جبل):۳۴،۱۳۲،۲۵۴
معلوماتی انقلاب:۴۳،۳۰۷
المعہد العالمی للفکر الاسلامی:(پیش لفظ:ک)،۱۶۱
مغرب سے مکالمہ:۱۴۵
مغیرةؓ بن شعبہ:۲۶۳،۲۶۶
مفسدۂ مرجوحہ:۱۷۸
مقاتل:۱۱۱
مقاصد شریعت: ۱، ۲، ۵، ۲۰، ۲۱، ۲۵، ۳۲، ۳۵،۳۹، ۴۱، ۴۴، ۵۰، ۵۷، ۵۸، ۶۷، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۷،۸۸،۱۰۰،۱۱۳،۱۱۴،۱۱۷، ۱۲۳،۱۲۴، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۷۱،۱۷۴، ۱۷۷،۱۸۲،۱۸۸، ۲۱۶،۲۱۷،۲۸۶،۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۷،۳۱۱
مکارم اخلاق:۱۱
مکہ مکرمہ: ۵۵،۶۳، ۱۳۵، ۱۹۷، ۲۶۱،۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۰
ملائشیا:۵۵،۱۴۶،۱۷۹،۱۸۰،۱۸۱،۲۱۲،۲۱۵، ۲۲۸،۳۰۹،۳۱۰
ملک شاہ:۳
ملوکیت:۱۴۱،۱۴۳
منظمہ المؤتمر الاسلامی:۵۵،۱۶۱
الموافقات:۶
مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیة:۵۴
مودودی، سید ابوالاعلیٰ:۱۷۴
میسر:۱۹۹

Marfat.com

ن

نجش:۲۰۵

نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ: (پیش لفظ: ف)

نعمان بن مقرنؓ: ۲٦۷

نئے افکار: ۱۴٦، ۱۴۷، ۱۴۸

نئے مسائل: ۱۲٦، ۱۲۷، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴٦، ۱۵۰، ۱۵۴

نیشنل کمرشل بینک (سعودی عرب): ۲۲۱

نیشنل کونسل (ملائشیا) کی فتویٰ کمیٹی: ۱۸۰، ۱۸۱

و

ودیعہ: ۱۹۴

ورلڈ بینک: ۲۳۰

Weapons of Mass Destruction (عام تباہی مچانے والے اسلحہ جات): ۲٦۸، ۲۷۵، ۲۷٦

وکالہ: ۱۹۴

وقت کی لائی ہوئی تبدیلیاں: ۱۲٦، ۱۲۷

وقتی مصالح: ۴۰

وقف النقود: ۲۰۹

ہ

ہانگ کانگ شنگھائی بینکنگ کارپوریشن: ۲۱۵

ہدیٰ ہلال: ۱۷۸

Hedge funds: ۱۷۹

Human genome: ۱۷۸

ہیئۃ الرقابۃ الشرعیۃ: ۵۵

ی

یزید بن عبداللہ الخطمی: ۱۵۸

یعقوبؑ: ۱۰۰

یمن: ۱۱۲، ۱۳۲، ۱۵۴، ۲۵۴

Marfat.com